بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

28

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

الشیخ امیر مولانا محمد اکرم اعوان رحمہ اللہ

28

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

پارہ 28

بارِ سوم .... اگست 2017

تعداد .... دو ہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ قرآن تفسیر مکمل ہو جانے کے بعد حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے دورہ حدیث کا آغاز فرمادیا ہے جس میں مشکوٰۃ شریف احادیث کی شرح کا آغاز ہو چکا ہے جو آپ اس ایپلیکیشن میں سُن سکتے ہیں۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے **Submit** کر دیں۔

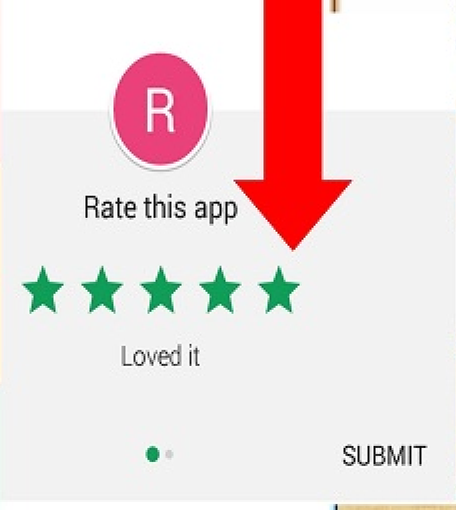

www.QuranTafseer.net

الحمدوللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کرکے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ Rate this app میں 5 سٹار کو ٹچ کرکے سبز کرکے Submit کردیں۔

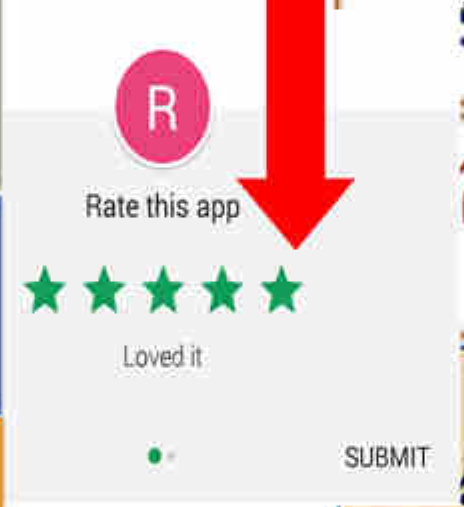

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبہ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہو گا۔"

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ المجادلہ رکوع 1 آیات 1 تا 6	15
2	تفسیر و معارف	16
3	ایک صحابیہؓ کا خلوص:	17
4	ظہار کے بارے میں حکم:	17
5	اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد:	19
6	اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کا انجام:	21
7	اللہ کریم ہر حال پر خود گواہ ہیں:	22
8	سورۃ المجادلہ رکوع 2 آیات 7 تا 13	23
9	تفسیر و معارف	25
10	اللہ کریم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں:	25
11	کفار و منافقین کا وتیرہ:	26
12	مومنین کے لیے حکم:	28
13	شیطان کا حربہ:	29
14	حفاظتِ الٰہیہ:	30
15	چند آدابِ مجلس:	30
16	ایک تنبیہ:	32
17	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے:	33
18	سورۃ المجادلہ رکوع 3 آیات 14 تا 22	35
19	تفسیر و معارف	37
20	قرآن کا معیار اور آج کے مسلمان:	37
21	شیطان کے تسلط کا نتیجہ:	41
22	شیطانی لشکر ہمیشہ خسارے میں رہے گا:	42
23	غلبہ، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہے:	43
24	مومن کبھی اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے:	44
25	حزبُ اللہ:	45
26	سورۃ الحشر رکوع 1 آیات 1 تا 10	47
27	تفسیر و معارف	50
28	ذکرِ الٰہی میں ہر ذرّے کی بقا ہے:	50

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
29	بنو نضیر کی عہد شکنی اور سزا:	51
30	اللہ کریم انسان کو توبہ کی مہلت دیتے ہیں:	52
31	دنیا اور آخرت کی تباہی کا سبب:	53
32	مقامِ فنا:	55
33	مالِ فئے:	56
34	اسلام ارتکازِ دولت کی اجازت نہیں دیتا:	57
35	سنہری اصول:	58
36	مہاجرینؓ و انصارؓ کی عظمت:	59
37	امام مالکؒ اور امام قرطبیؒ کا مسلک:	63
38	عظمتِ صحابہؓ کے پاسبان، حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ:	63
39	سورۃ الحشر رکوع 2 آیات 11 تا 17	65
40	تفسیر و معارف	66
41	کافر اور منافق بھائی ہیں:	66
42	منافق کی خصوصیات:	68
43	کفر میں اتحاد نہیں:	69
44	منافق اور شیطان میں مماثلت:	71

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
45	شیطان اور مومن دونوں اللہ سے ڈرتے ہیں، فرق کیا ہے؟	71
46	کافر، منافق اور شیطان کا ایک انجام:	72
47	سورۃ الحشر رکوع 3 آیات 18 تا 24	73
48	تفسیر و معارف	74
49	تقویٰ اور فکرِ آخرت:	74
50	گناہ کا سبب، غفلت:	75
51	ذکر اللہ:	76
52	حق اور باطل ایک جیسے نہیں:	76
53	فہمِ قرآن کا حاصل، خشیت الٰہی:	77
54	اسمائے حُسنٰی، اللہ جلّ شانہ کی صفاتِ کمال:	78
55	سورۃ الممتحنۃ رکوع 1 آیات 1 تا 6	82
56	تفسیر و معارف	84
57	دنیوی فائدے کے لیے کافر سے دوستی حرام ہے:	84
58	کافروں سے بھلائی کی اُمید نہ رکھو:	87
59	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوۂ حَسنہ:	88

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
60	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور آج ہماری آرزوئیں:	90
61	فکرِ آخرت:	92
62	سورۃ الممتحنۃ رکوع 2 آیات 7 تا 13	93
63	تفسیر و معارف	95
64	مومنین کی شان اللہ پر بھروسہ کرنے سے ہے:	95
65	کافروں سے تعلقات کی نوعیت:	96
66	دارالکفر سے ہجرت کرکے آنے والی خواتین کا معاملہ:	97
67	فتح کی بشارت:	100
68	خواتین کی بیعت:	100
69	کفر وشرک میں مبتلا ہونا غضبِ الٰہی کی دلیل ہے:	103
70	سورۃ الصّف رکوع 1 آیات 1 تا 9	104
71	تفسیر و معارف	105
72	کائنات کی ہر شئے کی بقا کا سبب، ذکرِ الٰہی:	105
73	دعویٰ اور دعوت میں فرق:	106

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
74	اللہ کی راہ میں ڈٹ جانے والے اللہ کے محبوب ہیں:	107
75	ایذائے رسولؐ قلوب کو ٹیڑھا کر دیتی ہے:	108
76	عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت:	111
77	اللہ پر جھوٹ باندھنا:	113
78	دینِ اسلام اللہ کا نور ہے:	113
79	بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقصد:	115
80	سورۃ الصّف رکوع 2 آیات 10 تا 14	117
81	تفسیر و معارف	118
82	سب سے بڑی کامیابی:	118
83	ایک ضمنی بات:	121
84	مومن کی تمنا، غلبہء اسلام:	121
85	اللہ کی شانِ کریمی:	122
86	سورۃ الجمعہ رکوع 1 آیات 1 تا 8	124
87	تفسیر و معارف	125
88	اُمّی قوم:	126
89	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا صفاتی نام:	127

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
90	چہارگانہ فرائضِ نبوت:	127
91	پہلا فریضہ، تلاوت آیات:	128
92	دل میں پاکیزگی ازخود کیوں نہیں آجاتی؟	130
93	تیسرا فریضہ، تعلیمِ کتاب:	131
94	یہ ہے علم!	132
95	صحابہ کرامؓ سے الحاق کرنے والے اللہ کے فضل کو پاگئے:	133
96	سورۃ الجمعہ رکوع 2 آیات 9 تا 11	138
97	تفسیر و معارف	138
98	خطبہ کی اہمیت:	139
99	کام کاج، کاروبار، نماز جمعہ کے بعد:	140
100	ذکرِ قلبی ہی ذکرِ کثیر ہے:	140
101	اخروی فائدے کو دُنیوی فائدے پر ترجیح دیں:	141
102	سورۃ المنٰفقون رکوع 1 آیات 1 تا 8	144
103	تفسیر و معارف	145
104	نفاق کا سبب:	146
105	مسلمانوں پر غیر اسلامی نظام مسلط رکھنا منافقت ہے:	147
106	غزوۂ بنی المصطلق مختصراً:	148
107	نفاق کی نشانیاں:	149
108	منافقین کی ایک اور نشانی:	152
109	اللہ کا قانون:	153
110	سورۃ المنٰفقون رکوع 2 آیات 9 تا 11	156
111	تفسیر و معارف	156
112	دل، ایک قیمتی چیز ہے:	159
113	سورۃ التغابن رکوع 1 آیات 1 تا 10	161
114	تفسیر و معارف	163
115	دنیا میں دو ہی قومیں ہیں:	164
116	ماضی سے، مستقبل کی راہیں۔۔۔:	166
117	نبیؐ خیر البشر ہے:	167
118	اللہ کے عذاب سے بچنے کی راہ صرف ایک ہے:	169
119	عقیدہ و عمل:	170

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
120	سورۃ التغابن رکوع 2 آیات 11 تا 18	174
121	تفسیر و معارف	175
122	آزمائش میں پورا اترنے کا نسخہ:	178
123	سورۃ الطلاق رکوع 1 آیات 1 تا 7	181
124	تفسیر و معارف	183
125	اسلام میں طلاق کے ضوابط:	183
126	عدت میں سلوک:	189
127	نکاح اور طلاق کی شرعی حیثیت اور چند مروجہ غلطیاں:	191
128	سورۃ الطلاق رکوع 2 آیات 8 تا 12	193
129	تفسیر و معارف	194
130	اللہ اور اللہ کے پیغمبروںؑ کے نافرمان ہمیشہ زیرِ عتاب آئے:	194
131	دانشمندی کا تقاضا:	195
132	مجسمِ ذکر صلی اللہ علیہ وسلّم اور برکاتِ رسالت:	196
133	ایمان اور اعمالِ صالح جنت میں لے جائیں گے:	199
134	اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ:	200
135	سورۃ التحریم رکوع 1 آیات 1 تا 7	203
136	تفسیر و معارف	204
137	ازدواجی زندگی کی نزاکتوں میں راہنمائی:	204
138	کاشانۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت:	207
139	واقعہ اور اس کی بنیادی وجہ:	207
140	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معاون اور مددگار بننا سے مراد:	209
141	تنبیہہ کے ساتھ ازواجِ مطہراتؓ کی عظمت کی دلیل بھی:	210
142	ازواجِ مطہراتؓ کی صفاتِ عالیہ:	211
143	اہلِ خانہ کی دینی تربیت:	212
144	سورۃ التحریم رکوع 2 آیات 8 تا 12	215
145	تفسیر و معارف	216
146	خلوصِ دل سے توبہ:	216
147	معیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم:	217
148	کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم:	220
149	انجام کا مدار دلی وابستگی پر ہے:	222
150	ایک ضرب المثل:	226

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 28 قد سمع اللہ

سورۃ المجادلہ رکوع 1 آیات 1 تا 6

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۱ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ
مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ
نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ
ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ
سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا
كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۶

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و تکرار کرتی تھی اور اللہ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سُن رہے تھے بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں ﴿۱﴾ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (ماں کہہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور یقیناً اللہ معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں ﴿۲﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان (میاں بیوی) کے باہم ملنے سے پہلے ایک گردن (غلام یا لونڈی) کا آزاد کرنا (ان کے ذمہ) ہے اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے ﴿۳﴾ پس جس کو میسر نہ ہو تو وہ مجامعت سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو (اس کے ذمہ) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لے آؤ (فرماں بردار ہو جاؤ) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۴﴾ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے اور بے شک ہم نے کھلی کھلی آیات نازل فرما دی ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا ﴿۵﴾ جس دن اللہ ان سب کو زندہ کریں گے تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو بتائیں گے (کیونکہ) اللہ کے پاس وہ سب محفوظ ہے اور یہ اس کو بھول گئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں ﴿۶﴾

تفسیر و معارف

سورۂ مجادلہ شروع ہوتی ہے یہ مدنی سورتوں میں سے ہے۔ مجادلہ کا معنی اصرار ہے کہ کوئی بات کسی سے کہی جائے اور وہ انکار کر دے لیکن کہنے والا اصرار کرتا رہے۔

ایک صحابیہؓ کا خلوص:

فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① بے شک اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے بحث و تکرار کرتی تھی اور اللہ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں۔

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ ایک ضعیف العمر صحابیؓ تھے، جن کی بینائی بھی ختم ہو چکی تھی اور خود اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایک دن غصے میں اپنی اہلیہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا: اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ یعنی تم میرے لیے میری ماں جیسی ہو۔ اپنی بیوی کو ماں جیسا قرار دینا عربوں میں ظہار کہلاتا تھا۔ عہدِ جاہلیت میں اسے طلاق سے بھی زیادہ سخت مانا جاتا تھا کہ طلاق میں تو رجعت کی کوئی گنجائش تھی لیکن ظہار کے بعد رجعت کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ ضعیف تھے غصے میں بیوی کو کہہ کر الگ کر دیا۔ اُن کی اہلیہ بارگاہِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئیں۔ اُنہیں یہ فکر تھی کہ وہ ضعیف ہیں بینائی بھی نہیں ہے خود وضو تک نہیں کر سکتے، کھانا کیسے کھائیں گے پھر اُن کی دیکھ بھال کون کرے گا انہیں تکلیف ہوگی۔ وہ اس وجہ سے پریشان تھیں۔ وہ خود بھی ضعیف تھیں لیکن چلتی پھرتی کام کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ابھی اس بارے کوئی حکم نہیں آیا تو وہ شکوہ کرنے لگیں کہ میرے ہی بارے وحی خاموش ہے جبکہ ہر کام کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو جاتی ہے، حکم آ جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بارے میں بھی کچھ فرمائیں۔ اللہ کریم نے اُن کی فریاد سن لی اور فرمایا کہ اللہ نے اس خاتون کی بات سن لی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے بارے اصرار کر رہی تھی اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی شکایت پیش کر رہی تھی۔ کیسے عجیب لوگ تھے صحابہ کرامؓ اور کس پائے کا اُن کا خلوص تھا کہ بات بارگاہِ رسالت میں عرض کی اور جواب بارگاہِ الٰہی سے آیا! یہ تھا اُنؓ کے خلوص کا درجہ جو خاص صحابہؓ کی خصوصیت ہے۔ فرمایا، اللہ کریم نے سن لی۔ اللہ تو ہر ایک کی بات سن رہا ہے، ہر ایک کو جانتا ہے لیکن اُنؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص اور ذاتِ باری کے ساتھ ایمان کا یہ عالم تھا کہ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ وہ مجھ سے شکایت کر رہی تھی۔ اللہ کریم اُنؓ کا اصرار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن رہے تھے۔ اللہ کریم نے اس خاتونؓ کی فریاد سن لی اور اس بارے وحی نازل فرما دی۔

ظہار کے بارے میں حکم:

فرمایا: اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ

وَلَدْنَهُمْ ۔۔۔تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (ماں کہہ دیتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ فرمایا، اللہ کریم نے اُن کی فریاد سن لی اور اُن کی شکایت پر اس رسمِ بد کی اصلاح فرمادی۔ فرمایا، جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، انہیں ماں کہہ دیتے ہیں یا محرمات سے تشبیہ دے کر اُن سے الگ ہو جاتے ہیں، ان کے کہنے سے وہ اُن کی مائیں نہیں بن جاتیں۔ ماں تو وہی ہوتی ہے جس سے یہ کہنے والا پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح بعض لوگ کسی بچے کو متبنیٰ بنالیتے ہیں لیکن متبنیٰ بنانے والا والد نہیں بن جاتا۔ اس کی ولدیت اس کے اصل والد کی طرف ہی منسوب کی جانی چاہیے۔ اسی طرح ماں کہہ دینے سے بیوی ماں تو نہیں بن جاتی۔ ماں تو ان کی وہی ہے جس کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ ہاں! یہ کہنا جرم ہے۔ فرمایا: وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۔۔۔ اور بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ یعنی یہ ایک نامناسب بات ہے جس کا کہنا بہت ہی معیوب ہے اور یہ ایک بہت بڑا جھوٹ بھی ہے۔ یہ سچ نہیں ہے، بیوی ماں نہیں ہے۔ فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ اور یقیناً اللہ معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔ فرمایا، جب انہوں نے اللہ کریم کی بارگاہ میں شکایت کی تو اللہ کریم نے اُس مسئلے کا حل بھیج دیا۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۔۔۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان (میاں بیوی) کے باہم ملنے سے پہلے ایک گردن (غلام یا لونڈی) کا آزاد کرنا (ان کے ذمہ) ہے۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

فرمایا، اگر کوئی ظہار کرلے اور بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد نادم ہو اور رجوع کرنا چاہے تو اسے بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ یہ غلام مرد ہو یا عورت لیکن اختلاط سے پہلے آزاد کرنا ہوگا۔ اللہ کریم اس کا حکم دے رہے ہیں۔ فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

یہ سزا اس لیے ہے کہ اللہ کریم تمہیں نصیحت فرماتے ہیں کہ اوّل تو ایسی بات کی نہ جائے، ایسی فضول حرکت کرو ہی نہیں اور یاد رکھو کہ تمہارے ہر عمل سے اللہ کریم واقف ہیں۔ تمہارے کردار کے ہر پہلو کی اللہ کریم کو خبر ہے۔ جو عمل ظاہر ہوتا ہے اور جو سوچ یا فکر دل میں ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ عمل ہوا اللہ کریم اُسے بھی جانتے ہیں۔ گویا کوئی بھی بات کرتے وقت دیکھ لیا کرو کہ اللہ کریم بھی دیکھ رہے ہیں اور ہمارے حال سے باخبر ہیں۔ فرمایا: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔۔۔ پس جس کو میسر نہ ہو تو وہ مجامعت سے پہلے دو

مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔ یعنی اگر ظہار کرنے والے کے پاس رجوع کرنے کے لیے غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو پھر اُسے بیوی سے تعلق قائم کرنے سے پہلے مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ہوں گے۔ فرمایا: فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ ۔۔۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے۔ اگر وہ عمر رسیدہ ہے، بیمار یا کمزور ہے اور وہ روزہ نہیں رکھ سکتا یعنی شرعاً معذور ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ روزہ رکھنے کو اس کا دل نہیں چاہتا بلکہ عذرِ شرعی سے روزے رکھنا اس کے لیے مشکل ہے تو فرمایا: فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ۔۔۔ (اس کے ذمہ) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یعنی اگر عذرِ شرعی سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ ساٹھ مساکین کو ایک ساتھ کھلا دے یا روزانہ ایک مسکین کو کھلاتا رہے یا پھر ساٹھ مساکین کے کھانے کے اخراجات کا اندازہ کر کے اتنا مال مساکین پر صدقہ کر دے تو تمام صورتیں جائز ہیں۔ اللہ کریم نے اس کے تین درجے رکھے، پہلی صورت یہ کہ غلام آزاد کرے۔ اتنی سکت نہ ہو تو ساٹھ روزے مسلسل رکھے اور اگر شرعاً معذور ہے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد:

فرمایا: ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ؕ وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ۔۔۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لے آؤ (فرماں بردار ہو جاؤ) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں اسلامی قانونِ سزا کی حکمت بیان ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ یہ جو اسلامی سزائیں یا حدود ہیں یہ محض کسی کو ایذا دینے کے لیے نہیں ہیں ان سے اصلاحِ احوال مقصود ہے اور بندے کا اللہ سے تعلق مضبوط کرنا مطلوب ہے۔ ان حدود کو ایمان کی زیادتی میں بھی دخل ہے کہ انسان سے بتقضائے بشریت خطا تو ہو گئی لیکن وہ اللہ سے اپنے تعلق کو کمزور ہونے نہیں دینا چاہتا تو جب مومن اپنی خطا پر سزا پا کر پاک ہوتا ہے تو اس کی کیفیتِ ایمانی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اسلامی سزاؤں کا یہ پہلو معاشرے کی اصلاح سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ گویا اسلامی حدود یا سزائیں اس لیے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح بھی ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان میں زیادتی بھی ہو۔ بندہ سزا پا کر پاک ہو جاتا ہے اس کا ایمان بچ جاتا ہے۔ یہاں اُن لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو برملا کہتے ہیں کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ حدود میں سب سے سخت سزا رجم کی ہے جو زنا کے صدور پر واقع ہوتی ہے۔ اس میں زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ ایک صحابیؓ پر یہ سزا جب قائم کی جا رہی تھی تو وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے۔ کسی نے پتھر مارا تو خون کا چھینٹا اُڑ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پڑا تو انہوں نے نفرت کا اظہار کیا، خون صاف کیا اور ناراض بھی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناراض نہ ہو، اللہ کے اس بندے نے

جو توبہ کی ہے اگر اسے اُمت پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے گناہ معاف کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسلامی سزائیں محض ایذا دینے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد معاشرے کی اصلاح، لوگوں کے لیے عبرت اور سزا پانے والے کی توبہ کا قبول ہونا ہے جس سے اللہ اس کا گناہ معاف فرما دیں۔ یہاں دس کوڑے کھانا جہنم کے کوڑوں سے زیادہ سخت نہیں ہیں۔ اگر اسی گناہ کا بدلہ عذابِ قبر یا عذابِ جہنم کی صورت میں بھگتنا پڑے تو وہاں لوگ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں کوڑے لگ جاتے!

اسلام میں طریقہ یہ ہے کہ یہ سزائیں عام لوگوں کے روبرو دی جائیں تاکہ عبرت ہو۔ وطنِ عزیز میں جب ان سزاؤں کا نفاذ کیا گیا تھا اور جرم پر سرِعام کوڑے لگائے گئے تو لوگوں نے جرائم چھوڑ دیے تھے۔ اس زمانے میں ایک بریگیڈیئر صاحب ہوتے تھے۔ اُن کا ایک رشتہ دار تھا جو بہت جابر اور ڈنڈے مار قسم کا بندہ تھا۔ وہ بندہ اُن کے پاس آیا کہ میری دکان کا کرایہ دار دکان خالی نہیں کر رہا تو آپ کسی پولیس افسر سے کہیں کہ میری دکان خالی کروا دے۔ بریگیڈیئر صاحب نے کہا کہ تمہیں پولیس کی مدد کی کیا ضرورت ہے، تم سے تو لوگ اتنا ڈرتے ہیں۔ تم چاہو تو کرایہ دار کو کان سے پکڑ کر باہر نکال سکتے ہو۔ وہ کہنے لگا اگر کوڑے لگنے کا ڈر نہ ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔ ایسے ایسے لوگ جرائم سے باز آ گئے تھے۔ اُسی دور میں یہاں ایک غریب، ضعیف بابا جی آئے اور اُس وقت کے حاکم کو بہت دعائیں دینا شروع ہو گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کیوں دعائیں دے رہے ہیں؟ کہنے لگے ہمارے گاؤں میں ایک بھٹہ ہے جس کا مالک بڑا جابر ہے میں نے بہت سال وہاں مزدوری کی تھی۔ اس کی طرف میرے کچھ واجبات تھے جو وہ ادا نہیں کرتا تھا۔ پچھلے دو سال سے اس سے اپنا حق مانگ رہا تھا لیکن وہ انکار کر رہا تھا۔ جب سے ملک میں اسلامی سزائیں ملنے لگی ہیں کوڑے لگنے شروع ہوئے تو اب میں نے جب اُس سے واجبات مانگے تو اُس نے فوراً ادا کر دیے۔ اسلامی سزائیں معاشرے کی اصلاح کا سبب ہیں کہ اس سے لوگ عبرت حاصل کر کے جرائم سے رک جاتے ہیں اور سزا پانے والا جرم سے پاک ہو جاتا ہے۔ آج بھی وطنِ عزیز میں بعض لوگ اُس دور پر اس حوالے سے بڑی تنقید کرتے ہیں، تبصرے کرتے ہیں کہ لوگوں کو کوڑے لگائے گئے حالانکہ جنہیں کوڑے لگے وہ آخرت کی سزا سے تو بچ گئے۔ آج بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ دہشت گردوں کو فوراً سزائیں دی جائیں اور سرِعام دی جائیں تو دہشت گردی رک جائے گی۔ فرمایا، یہ اللہ کی حدود ہیں اور یہ اس لیے ہیں کہ ان سے بندے کا اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتۂ ایمانی مضبوط ہوتا ہے۔ وہ سزا پا کر پاک ہو جاتا ہے اور اس کا ایمان بچ جاتا ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے جو کفر میں غرق ہیں۔ فرمایا: وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

قرآنِ حکیم کے نزول کا مقصد ہی ہدایت ہے۔ اللہ کریم یہاں بڑے واضح انداز میں بتا رہے ہیں کہ اسلامی سزاؤں سے انکار کرنے والوں میں ایمان نہیں ہے۔ اسلامی سزاؤں سے انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ کافروں نے تو اسلامی حدود کو مانا ہی نہیں انہیں تو اپنے کرتوتوں کے نتائج میں دردناک عذاب بھگتنا پڑیں گے وہاں کہیں گے کاش دنیا میں کوڑے لگ جاتے آخرت کے عذاب سے بچ جاتے جبکہ مومن سے غلطی ہوگئی تو اسے دنیا میں دس کوڑے لگ گئے، اسے غلام آزاد کرنا پڑا، اسے ساٹھ روزے رکھنے پڑے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑا تو مومن کو ہر طرح سے فائدہ ہوا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑا تو مسکینوں کی کفالت ہوگئی، غلام آزاد ہوگیا۔ دس کوڑے کی دنیوی سزا نے آخرت کی دائمی سزا سے بچالیا۔

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا انجام:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے اور بے شک ہم نے کھلی کھلی آیات نازل فرما دیں ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

اللہ کریم نے ایک قانون ارشاد فرمادیا کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل اور رسوا ہوں گے۔ ان کی آخرت تو تباہ ہوتی ہی ہے۔ امورِ دنیا میں اسلام کے اصول وقوانین سے انحراف یا ان کی مخالفت کریں گے تو دنیا میں بھی رسوا ہوں گے جیسے اُن سے پہلی قومیں رسوا ہوئیں۔ یہ مخالفت کیا ہے؟ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ کہہ دینا یا اُن کا مذاق اڑانا، یہی مخالفت ہے۔ یہ کافروں کا رویہ ہے۔ بھلا ایک مومن ایسے جملے کیسے کہہ سکتا ہے؟ ہمیں یہ سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ اہلِ مغرب یا ادیانِ باطلہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو اُن کی عزت کہاں باقی ہے۔ اُن کی معاشرتی اقدار کیا ہیں۔ کیا کسی کی عزت یا احترام باقی ہے؟ کسی کی ماں، بہن، بیٹی کی آبرو باقی ہے؟ مغربی ممالک میں یا یہاں جو لوگ مغربی معاشرے کی پیروی کرتے ہیں، اسلام سے روگردانی کرتے ہیں اُن کی آبرو کہاں ہے؟ بیٹیاں بے پردہ ہوتی ہیں اور لوگ تماشا دیکھتے ہیں۔ کیا یہ انسانی عزت ہے؟ ہاں! ضمیر مرجائے تو اور بات ہے۔ انسان جانور بن جائے تو بیٹی ناچ یا گا رہی ہوتی ہے اور باپ اور بھائی بیٹھے تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں۔ یہ ضمیر کے مرجانے کی نشانی ہے اس میں کوئی انسانی عظمت واحترام نہیں ہے تو جو لوگ بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وضوابط کی مخالفت کرتے ہیں قوانین اور احکام کی مخالفت کرتے ہیں اُن کے لیے آخرت کا عذاب تو ہے ہی وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے

ہیں۔ پہلی قوموں کی تاریخ پڑھی جائے تو اسی طرح اُنہیں بھی ذلیل کیا گیا تھا۔ جو لوگ کفر کی راہ اپناتے ہیں وہ دنیا میں ذلیل ہونے کے ساتھ آخرت میں بھی ذلت کے عذاب بھگتیں گے۔ مومن اگر گنہگار ہے اور گناہوں کی سزا میں جہنم بھیجا گیا تو سزا بھگتے گا لیکن ذلیل نہیں ہوگا۔ کافر سزا بھی بھگتے گا اور ذلیل و رسوا بھی کیا جائے گا۔ دعوت دی جارہی ہے کہ دنیا کی زندگی مہلتِ عمل ہے۔ اللہ نے واضح احکام بیان کردیے ہیں جن میں کوئی غلط فہمی نہیں نہ کج بحثی کی گنجائش تو حق کو مان لو!

اللہ کریم ہر حال پر خود گواہ ہیں:

فرمایا: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ۧ جس دن اللہ ان سب کو زندہ کریں گے تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو بتائیں گے (کیونکہ) اللہ کے پاس وہ سب محفوظ ہیں اور یہ اس کو بھول گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔

فرمایا، گھبراؤ نہیں ایک دن آرہا ہے جب سب انسانوں کو یکبارگی جمع فرمائے گا۔ اگلے پچھلے سب ایک ہی وقت میں زندہ کردیے جائیں گے اور ایک ہی مقام پر جمع کیے جائیں گے۔ پھر اُن کو اُن کا کردار بتایا جائے گا۔ دنیا میں انسان بہت سی باتوں کو جرم نہیں سمجھتا اور کر گزرتا ہے جبکہ بہت سے جرائم کر کے بھول جاتا ہے۔ فرمایا، وہاں کچھ نہیں چھپے گا۔ جو کام تم بھول چکے ہو وہ بھی تمہیں یاد کرائے جائیں گے کہ تم نے یہ بھی کیا تھا، یہ بھی کیا تھا۔ بعض ایسے اعمال جنہیں تم گناہ سمجھتے ہی نہیں تھے، جرم سمجھتے ہی نہیں تھے وہ بھی سامنے آجائیں گے اور تمہیں بتا دیے جائیں گے۔ جیسے ہمارے معاشرے میں بھی رواج ہے کہ رشوت کی کمائی کو اللہ کا فضل یا مہربانی کہہ دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تنخواہ تو کم ہے لیکن اللہ کا بڑا فضل ہے اوپر کی آمدن بہت ہے۔ دنیا میں تو مالِ حرام کو اللہ کا فضل کہہ رہے ہیں، آخرت میں معلوم ہوجائے گا کہ اللہ کے نزدیک دوسروں کا حق لینا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی سزا کیا ہے! فرمایا، انسان کام کر کے بھول جاتا ہے لیکن اللہ کے ہاں تو سارے کردار محفوظ ہیں۔ اللہ کریم ہر حال کے ذاتی طور پر گواہ ہیں۔ ہر بات وہ ذاتی طور پر جانتے ہیں، اُن کے علم میں موجود ہے۔ فرشتے بھی دیکھ رہے ہیں لیکن اللہ کریم خود بھی ہر چیز پر گواہ ہیں!

سورۃ المجادلہ رکوع 2 آیات 7 تا 13

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى
ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ
اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ
فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ
فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١١
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ
صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢

ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ سب کچھ جانتے ہیں کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھے وہ (اللہ) نہ ہوں اور نہ پانچ کی جس میں چھٹے وہ نہ ہوں اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ (ہر حال میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان سب کو قیامت کے دن وہ کام بتائیں گے جو یہ کرتے رہے ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کے جاننے والے ہیں ﴿۷﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر جس کام سے منع کیا گیا تھا وہی کام پھر کرنے لگے اور وہ گناہ اور ظلم اور پیغمبر کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس کہنے پر ہم کو سزا کیوں نہیں دیتے۔ ان کے لیے جہنم کافی ہے یہ لوگ اس میں (ضرور) داخل ہوں گے، سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۸﴾ اے ایمان والو! جب تم (کسی سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے سامنے تم سب جمع کیے جاؤ گے ﴿۹﴾ بے شک ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے ہے تاکہ ایمان والوں کو رنج میں ڈالے اور وہ اللہ کے چاہے بغیر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھیں ﴿۱۰﴾ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو، اللہ تم کو کشادگی بخشیں گے اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو، اللہ تم میں ایمان والوں اور جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، کے درجات بلند فرمائیں گے اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تم پیغمبر سے سرگوشی میں بات کرنا چاہو تو اپنی بات سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم نہ کر سکو تو یقیناً اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۲﴾ کیا تم بات کرنے سے پہلے صدقات کرنے سے ڈر گئے! سو اگر تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ نے تم پر عنایت فرمائی تو تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی وفاداری کرتے رہو اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ﴿۱۳﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ سب کچھ جانتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کریم ارض و سما کے ذرّے ذرّے سے واقف ہیں۔ ہر ذرّے میں حیات اور موت ہے اپنی اپنی خصوصیات ہیں، نمو ہے اور یہ سب اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہے۔ جو کام وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے خود کر رہے ہیں، کیا وہ ان سے واقف نہیں ہیں؟ ایک کاریگر جب کوئی چیز بنا رہا ہوتا ہے تو کیا وہ اس چیز سے واقف نہیں ہوتا؟ اگر وہ کوئی لکڑی کی چیز بنانا چاہتا ہے تو جب لکڑی کاٹ رہا ہوتا ہے، چھیل رہا ہوتا ہے تو اس کی نگاہ میں وہ شکل بھی ہوتی ہے جو اس نے بنانی ہے۔ ایک ماہرِ تعمیر جب گھر بنا رہا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کا نقشہ موجود ہوتا ہے کہ یہ بن کر کیسا لگے گا جبکہ ہمیں بن جانے کے بعد ہی نظر آتا ہے۔ اللہ کریم کی تو ہر لمحے ایک نئی شان ہے، ہر لمحے نیا کام ہو رہا ہے نئی نئی چیزیں سامنے آ رہی ہیں۔ ہر ذرّے میں فنا و بقا، پیدائش، جوانی، بڑھاپا، طاقت، کمزوری، سب کچھ جاری و ساری ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو جانتے ہیں۔

فرمایا: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا۔۔ کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھے وہ (اللہ) نہ ہوں اور نہ پانچ کی جس میں چھٹے وہ نہ ہوں اور نہ اس سے کم مگر وہ (ہر حال میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ فرمایا، اگر تین بندے یا اس سے زیادہ چھپ کر کہیں سرگوشیاں کرتے ہیں تو

انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُن کے ساتھ اللہ کریم بھی موجود ہیں۔ اُنہیں دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں اور جانتے ہیں۔ جہاں جس حال میں بھی کوئی ہے، اللہ اس کے ساتھ ہے۔ یہ معیتِ ربوبیت ہے۔ ہر انسانی وجود میں دس کھرب سیل (Cell) ہیں۔ ہر سیل میں آگے کروڑوں ایٹم (Atom) ہیں اور ہر سیل میں حیات ہے۔ ربِ کریم ایک ایک ایٹم کو اس کی جگہ پر موزوں کر رہے ہیں تو ہمہ وقت ہر ایک کے ساتھ موجود ہیں۔ فرمایا: ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷ پھر ان سب کو قیامت کے دن وہ کام بتائیں گے جو یہ کرتے رہے ہیں بے شک اللہ ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ رات کی تاریکی میں، تنہائی میں بھی کوئی کام کوئی بات یا سرگوشی بھی کرو تو یہ یاد رکھا کرو کہ اللہ تمہارے پاس موجود ہے۔ چنانچہ ہر حال میں دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھامے رکھو۔ زندگی کے ہر لمحے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سانچے میں ڈھال لو۔ تم دنیا سے چھپ سکتے ہو لیکن اللہ سے تمہارا کوئی پردہ نہیں ہے۔ وہ ہمہ وقت ہر جگہ ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے تمہیں دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے۔

کفار و منافقین کا وتیرہ:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ۔۔۔ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر جس کام سے منع کیا گیا تھا وہی کام پھر کرنے لگے اور وہ گناہ اور ظلم اور پیغمبر کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔

یہود و منافقین کی عادت تھی کہ جب مل بیٹھتے اسلام، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سرگوشیوں میں باتیں کرتے۔ یہ عمل سب سے پہلے یہود نے اس وقت شروع کیا جب مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے تھے لہٰذا اعلانیہ مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع بھی فرمایا مگر وہ باز نہ آتے تھے۔ یہ لوگ ایسی سرگوشیاں کرتے جن میں گناہ پوشیدہ ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور ظلم و زیادتی کی باتیں تھیں۔ گویا مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش سوچنا، خلافِ اسلام یا خلافِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات تصور ہوگی یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ وہ لوگ ایسی سرگوشیاں کرتے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پوشیدہ تھی۔ جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں آتے تو، فرمایا: وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ۔۔۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا۔

اللہ کریم نے مومن کو یہ دعا سکھائی ہے کہ جب دوسرے مومن سے ملے تو کہے السلام علیکم یعنی تم پر اللہ کی

سلامتی ہو۔ جب یہود و منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تو اللہ کریم کا بتایا ہوا انداز نہ اپناتے بلکہ خفیہ انداز میں گستاخی کرتے اور لفظ کو بدل کر السام علیکم کہتے۔ 'سام' کا معنی موت ہے تو اُن کا انداز ایسا ہوتا کہ سننے والے کو سمجھ نہ آئے اور وہ یہ کہہ دیں کہ آپ پر موت آجائے (معاذ اللہ!) ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سن لیا اور بڑی سختی سے جواب ارشاد فرمایا "اَلسَّامُ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَنَکُمۡ وَغَضِبَ عَلَیۡکُمۡ" یعنی تم پر موت آئے، تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ سختی سے جواب نہ دیں بلکہ نرمی اور دھیما انداز اختیار کریں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سنا نہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا، سنا بھی اور جواب بھی دیا۔ وعلیکم! اور تم پر ہو بس اتنا کافی ہے۔ اب کافر کی دعا کی اپنی حیثیت ہے کون سنے گا اس کی لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'وعلیکم' فرمادیا تو وہ صادر ہوجائے گی۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسام علیکم کے جواب میں 'وعلیکم' فرمایا تھا اُن کی روحانی موت وارد ہوگئی تھی۔ ظاہری موت سے روح اور باطن کی موت زیادہ خطرناک ہے کہ ظاہری موت سے تو زندگی ختم ہوتی ہے جبکہ روحانی موت سے ہمیشہ کی زندگی، آخرت تباہ ہوجاتی ہے۔ اُن لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر ہی مر کر جہنم کا ایندھن بن گئے۔ مومنین کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ادب سکھایا جارہا ہے کہ وہاں گزارش بھی اس انداز سے کی جائے جس انداز سے اللہ نے سکھایا ہے۔ منافقین اور کفار اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے اور کہتے، فرمایا: وَيَقُوۡلُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ⑧ اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس کہنے پر ہم کو سزا کیوں نہیں دیتے۔ ان کے لیے جہنم کافی ہے یہ لوگ اس میں (ضرور) داخل ہوں گے، سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔

یہ بے وقوف ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم نے اس قدر گستاخی کی مگر ہم پر کوئی عذاب تو نہیں آیا اگر یہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کی بارگاہ میں گستاخی پر اللہ کا عذاب آتا ہے پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ اللہ کریم فرماتے ہیں تم پر تو بہت بڑا عذاب وارد ہوگیا کہ تم جہنم کے ایندھن بن گئے ہو۔ مادّی عذابوں سے یہ روحانی موت کا عذاب کہیں بڑا ہے۔ تم نے بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں گستاخی کی جس کی سزا میں تم جہنم کا ایندھن بن گئے ہو اور تمہیں وہیں جانا پڑے گا۔ تمہارے مقدر میں دوزخ لکھ دیا گیا ہے، تمہارا فیصلہ ہوگیا ہے۔ تمہیں ہر حال میں دوزخ میں رہنا پڑے گا جہاں جانے سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

منافقین و کفار اتراتے تھے کہ ہم پر دنیا میں کوئی عذاب نہیں آیا۔ فرمایا، جہنم کا ایندھن بننے سے بڑا عذاب کیا ہوگا؟ اگر نجات نصیب ہو تو دنیا کے مصائب معمولی بات ہے۔ بیماری آگئی، مالی نقصان ہوگیا۔ یہ معمولی

باتیں ہیں کیونکہ دنیوی زندگی تو ویسے بھی ختم ہونے والی ہے۔ کفار سے کہا جارہا ہے کہ اس بے ادبی کی سزا میں اللہ نے تم پر جہنم کا عذاب مسلط کر دیا ہے اور تم سے توبہ کی توفیق چھین لی ہے۔ اب تمہیں کوئی سمجھاتا رہے تو بھی تمہیں بات سمجھ نہیں آئے گی۔ یہ بڑا سخت عذاب ہے۔ تم اپنی بات پر ہی اصرار کرتے رہو گے اور دوزخ میں داخل ہو جاؤ گے۔ جو بہت تکلیف دہ جگہ ہے۔

مومنین کے لیے حکم:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝۹ اے ایمان والو! جب تم (کسی سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے سامنے تم سب جمع کیے جاؤ گے۔

جن لوگوں کو نورِ ایمان نصیب ہوا انہیں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر سرگوشی میں بھی بات کریں، ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہیں تو بھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی بات نہ ہو یعنی اس میں شریعت کے خلاف بات نہیں ہونی چاہیے۔ مومنوں کو اس بات سے منع کیا جارہا ہے کہ منافقین وکفار کی طرح سرگوشیاں نہ کریں جس میں وہ گناہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اگر سرگوشی میں منافقین وکفار کی مشابہت کی اجازت نہیں ہے تو باقی امورِ زندگی میں کب جائز ہوگی! یہ بات مسلمانوں کو سوچنی چاہیے کہ ہمارے حلیے، لباس اور بود و باش ساری اُن جیسی ہوتی جارہی ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ کفار کی نقل میں مرنے والوں پر فاتحہ پڑھنے کی بجائے موم بتیاں جلانا شروع کر دی ہیں اور ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا طریقہ تو یہ تھا کہ مرنے والے کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ بھی دعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لے جایا کرتے اور اہلِ قبور کے لیے دعا فرمایا کرتے۔ قبرستان جانا سنت ہے اور وہاں جا کر اہلِ قبور کے لیے دعا کرنی چاہیے اور عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ چونکہ کافروں کے پاس عقیدہ ہے نہ اللہ سے تعلق نہ اُن کے پاس دعا کا کوئی طریقہ ہے لہٰذا وہ ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے آخر ہم اِن کفار کی مشابہت میں کہاں تک جانا چاہتے ہیں! اب تو یہ عالم ہے کہ ملک میں شہدا کے مزار پر ایک منٹ کی خاموشی کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مشکوٰۃ) کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا روزِ حشر اسی قوم

میں شمار کیا جائے گا۔انہی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا اور انہی کے ساتھ اس کا حساب کتاب ہوگا۔

فرمایا، مومنین نے اگر رازداری کی بات کرنی ہے تو اس سرگوشی میں بھی کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس میں گناہ کی بات ہو۔ ایسی سرگوشی نہ کریں جو شریعت کی حد سے باہر جاتی ہو یعنی کبھی ایسی سرگوشی نہ کریں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ٹپکتی ہو۔ یہ آداب ہیں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اللہ جل شانہٗ سکھا رہے ہیں۔ عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم ہے کہ جب کسی نے کلمہ طیبہ قبول کرلیا، اللہ نے اسے نورِ ایمان عطا کر دیا تو اب سرگوشی میں بھی بات کی جائے تو وہ اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے باہر نہ جانے پائے۔ اس بارگاہ کے آداب کا یہ عالم ہے کہ سوچوں پر بھی پہرہ ہے کہ خلافِ دین سوچے گا تو ہی چھپ کر بات کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ سرگوشی میں بھی کانا پھوسی کرنا جس میں گناہ کی بات ہو، ایسے خفیہ مشورے ہوں کہ فلاں کو مار دو یا فلاں کی چوری کر لیں یا سرگوشی میں کسی کی چغلی کرنا یہ سب حرام ہے۔ ایسی سرگوشی بھی حرام ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو۔ فرمایا، اگر سرگوشی میں ہی بات کرنا ہو تو نیکی اور تقویٰ کی بات کرو۔ ہر وہ بات جس کے کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے، اُسے سنت کے مطابق کرنا نیکی ہے۔ تقویٰ اللہ کریم سے تعلق ہے، اس تعلق کی بات کی جائے۔ اس بات کو دھیان میں رکھو کہ اللہ کریم سن رہے ہیں لہٰذا ایسی بات کرو جس سے اللہ سے تعلق قائم رہے، بگڑے نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی حدود کو ہرگز نہ پھلانگو، سرگوشی بھی اس حد کے اندر رہ کر کرو۔ چہ جائیکہ سرِ بازار شور شرابا کیا جائے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ سبحان اللہ! گویا اگر سرگوشی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی بات ہوگی تو وہ اللہ سے تعلق کو متاثر کرے گی۔ اللہ کریم تمہیں قبول نہیں فرمائیں گے تو ایسی باتوں سے باز رہو اور اُس سے اپنا رشتہ استوار رکھو۔ اس لیے کہ تمہیں واپس اسی کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اگر موت زندگی کا خاتمہ ہوتی۔ مر کر لوگ مٹ جاتے، ختم ہوجاتے پھر بھی کوئی بات تھی لیکن موت تو ایک نئی زندگی کا نام ہے۔ تمہیں میدانِ حشر میں اللہ کے روبرو جانا ہے جو تمہارا خالق ہے، پروردگار ہے، مالک ہے تو اُس سے بات نہ بگاڑو۔

شیطان کا حربہ:

فرمایا: اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ بے شک ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے ہے تاکہ ایمان والوں کو رنج میں ڈالے۔ فرمایا، ایسی سرگوشیاں جو آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوں وہ شیطانی کام ہیں۔ شیطان کا حربہ ہے کہ وہ تم سے ایسی باتیں کروائے جو تمہیں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کردے اور تمہارا اللہ سے تعلق بگڑ جائے، تم بارگاہِ الٰہی سے بھی دور ہوجاؤ۔ شیطان کی تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ ایمان

والوں کو تکلیف دے، دُکھی کرے۔ اس سے بڑا دکھ کیا ہوگا کہ کسی مومن کا بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ٹوٹ جائے! اس سے بڑے دکھ کی بات ہوگی کہ مومن اللہ کی بارگاہ سے رد کر دیا جائے! شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ کوئی ایسا حربہ آزمائے کہ مومنین کا تعلق اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ جائے۔

حفاظتِ الٰہیہ:

فرمایا، شیطان تو چاہتا ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے مسلمانوں کو رنج پہنچے لیکن، فرمایا: وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور وہ اللہ کے چاہے بغیر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

فرمایا جن کا ایمان کامل ہے، جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا خیال رکھتے ہیں، اُن کا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہاں! اللہ کسی سے اپنی حفاظت ہٹا لے تو اور بات ہے۔ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سرزد ہو جائے یا جو اللہ کی نافرمانی کرے تو وہ حفاظتِ الٰہیہ سے نکل جاتا ہے۔ پھر شیطان کا اس پر بس چلنے لگتا ہے اور وہ شیطان کے قابو آ جاتا ہے جو اُسے برائی میں آگے سے آگے لے جاتا ہے۔ ایک محاورہ زبانِ زدِ عام ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے بیسیوں جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح جب نافرمانی ہوتی ہے تو حفاظتِ الٰہیہ کا حصار ٹوٹ جاتا ہے اور آدمی بیسیوں گناہ مزید کرتا ہے۔ فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خلافِ ادب سرگوشی بھی کی جائے تو بات بگڑ جائے گی اور حفاظتِ الٰہیہ سے محروم ہو کر انسان شیطان کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ البتہ وہ لوگ جن کا ایمان کامل ہے، شیطان اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ انہیں اللہ کی حفاظت حاصل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کی حفاظت میں رہنے کے لیے اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مومنین کا تو قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اللہ انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

چند آدابِ مجلس:

آگے سارے آدابِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر جاری ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۔۔۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو، اللہ تم کو کشادگی بخشیں گے۔ فرمایا، اگر تم بارگاہِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے ہو کچھ اور لوگ بھی آ گئے ہیں تو اُنہیں جگہ دو۔ تم اپنی گزارشات پیش کر چکے تو اب اُنہیں بھی اپنی گزارشات

پیش کرنے دو۔ تم یہ لالچ نہ کرو کہ ہم ہی بیٹھے رہیں۔ تم اُن کے لیے جگہ چھوڑ دو۔ انہیں بھی جگہ دو۔ اگر پہلے قریب بیٹھے تھے اب ذرا دور ہو جاؤ گے تو اللہ کی رحمت سے محروم نہیں جاؤ گے۔ اللہ عطا کرنے والے ہیں وہ تمہارے لیے فراخی پیدا کر دیں گے۔ فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تم میں ایمان والوں اور جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے کے درجات بلند فرمائیں گے۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اور کچھ اور لوگ بھی وہاں آ جائیں تو انہیں جگہ دو یا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے ہیں کہ اب آپ فارغ ہیں آپ جائیں دوسروں کو باری دیں تو اٹھ جاؤ، دکھ محسوس نہ کرو کیونکہ ہر انعام اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ملے گا اور نعمتیں اللہ کریم ہی عطا فرماتے ہیں اگر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرو گے تو وہ زیادہ عطا فرمائے گا۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بات مختصر ترین الفاظ میں پیش کی جائے۔ مقصد کی بات کی جائے، فسانہ نہ بنایا جائے۔ آج بھی روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب یہی ہیں کہ جو سلام پیش کرنا چاہے، سلام عرض کرے اور زیادہ وقت نہ لے۔ دوسروں کو جگہ دے تاکہ دھکم پیل کی نوبت نہ آئے۔ ایک ہی جگہ اگر کوئی چمٹ کر کھڑا ہو جائے گا اس کے پیچھے دوسرا کھڑا ہوگا تو دھکے لگیں گے۔ آداب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ وسلام پیش کرے اور فارغ ہو کر دوسرے مسلمان بھائی کو جگہ دے۔ یہ نہیں کہ جالیٔ اطہر سے چمٹا رہے کہ اس طرح زیادہ انعام ملے گا۔ ایسا نہیں ہے۔

اہل اللہ، مشائخ عظام اور علمائے حق چونکہ انبیاؑ کے جانشین ہوتے ہیں تو اُن کی مجلس میں جانے کے بھی یہی آداب ہیں۔ لوگ اُن کے پاس عقیدت میں جمع ہوتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہاں چمٹ کر نہ بیٹھ رہیں بلکہ اپنی بات عرض کر کے دوسرے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔ اگر شیخ کہہ دیں کہ اب اٹھ جاؤ مجھے فرصت دو تو اُٹھ جایا جائے اور دل میں بھی برا نہ محسوس کیا جائے۔ جیسا وہ کہتے ہیں ویسا کیا جائے۔ غیر ضروری مفصل خط بھی اسی زمرے میں آ جاتے ہیں۔ خط مختصر الفاظ میں لکھا جانا چاہیے جس میں مقصد کی بات ہو۔ لمبے لمبے خط جن میں کام کی بات کم اور فالتو باتیں زیادہ ہوں۔ یہ شیخ کے وقت کا ضیاع ہے۔ شیخ کے وقت کی بھی قدر کی جانی چاہیے۔

فرمایا، جن لوگوں کو اللہ کریم نے علم دیا ہے یعنی جو عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں، جن کے دلوں میں اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ ہے اُن کے لیے درجات میں بلندی عطا کی جائے گی۔ عام طور پر جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو، محض بہت سی کتابیں پڑھ گیا ہو ہم اُسے عالم سمجھتے ہیں۔ یہ علم نہیں ہے بلکہ یہ لکھنا پڑھنا خبر کے

درجے میں ہے۔ اگر ان جملوں یا الفاظ کے اندر جو کیفیات ہیں وہ دل میں بھی اتر جائیں تو پھر وہ علم بنتی ہیں۔ عالم وہ نہیں جو ا ب ج پڑھ سکتا ہے بلکہ جس کے دل میں عظمتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ثبت ہوگئی اور اطاعتِ الٰہی کا جذبہ جم گیا، وہ عالم ہے۔ جو ساری عمر لکھتا پڑھتا رہا لیکن اس کے دل میں کیفیات نہ اتریں تو اس کے پاس اخبار جمع ہوتی رہیں۔ وہ عالم نہیں ہے۔ لکھنا پڑھنا تو کافروں کو بھی نصیب ہوجاتا ہے تو کیا انہیں عالم شمار کیا جائے؟ اہلِ مغرب کا ایک طبقہ ہے جو مستشرقین کہلاتا ہے جو عربی لکھنا، پڑھنا بولنا جانتے ہیں، علوم سیکھتے سکھاتے ہیں جنہوں نے دینی علوم پر تحقیق کی ہے لیکن ان کا مقصد صرف اسلام پر اعتراض کرنا ہے تو کیا ہم انہیں عالم تسلیم کریں گے؟ یہ جاہل ہیں اور اعتراض برائے اعتراض محض جہالت ہے۔ اسے لوگ کتابیں پڑھ لیتے ہیں تو کیا ہوا؟ اگر یہ لوگ تین چار زبانیں بول سکتے ہیں تو کیا ہوا؟ اگر ان کے دل میں وہ درد یا کیفیت نہیں، اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہی نہیں تو اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی! ایک بندہ بالکل ان پڑھ ہو لیکن اس کے دل میں اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہے، اللہ کی اطاعت کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ عالم ہے۔ جب بندے کی طلب سچی ہوتی ہے تو اللہ کریم یہ علم عطا کر دیتے ہیں۔ یہ مدرسوں میں نہیں ملتا بلکہ عطائے ربانی ہے۔ ایسے عالموں کے بلند درجات ہیں جن کے دل میں کیفیات آگئیں اور اُن کے عمل سے اُن کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اُن کا کردار سدھر جاتا ہے۔ فرمایا، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو سب پتا ہے سب خبر ہے۔

ایک تنبیہہ:

فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ اے ایمان والو! جب تم پیغمبر سے سرگوشی میں بات کرنا چاہو تو اپنی بات سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم نہ کر سکو تو یقیناً اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

فرمایا اگر کسی کو الگ بات کرنے کا وقت لینا ہو تو پہلے حسبِ توفیق صدقہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کے لیے یہود و منافقین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوجاتے اور فضول قسم کی لمبی بحث کرتے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے، یہ اس پر ایک اور سوال کھڑا کر دیتے یا کہتے یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے اور لمبی باتیں کرتے۔ اگر اعتراض نہ بھی کیا مگر سوال پر سوال کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت ضائع کرتے۔ کچھ مسلمان بھی نادانی میں لمبی بات کر جاتے۔ اللہ کریم نے یہ قید لگا دی کہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لیے وقت لینا ہو وہ پہلے اللہ کے نام پر صدقہ دے۔ مومنین کو تو

تنبیہہ ہی کافی تھی جبکہ یہود و منافقین کو مال خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہیں تو یہ ایک مصیبت نظر آئی کہ پہلے پیسے خرچ کریں پھر بات کرنے جائیں تو وہ از خود جانے سے باز آ گئے۔ یہی منشائے باری تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے سے رک جائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے کہ اس آیۂ کریمہ پر صرف انہوں نے عمل کیا۔ اُنہیں بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا تھا تو انہوں نے پہلے صدقہ دیا پھر حاضر ہوئے اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

اللہ کریم نے فرمایا: فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ پھر اگر تم نہ کر سکو تو یقیناً اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ اس حکم کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین و کفار کی ایذا سے بچانا تھا جب وہ رک گئے تو اللہ کریم نے حکم کو منسوخ کر دیا۔ جب منافقین اور یہود پیسے خرچ کرنے کے ہاتھوں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری سے رک گئے تو مقصد پورا ہو گیا اور اللہ کریم نے مومنین کو معاف فرما دیا۔ فرمایا تمہارے لیے مشکل ہو جائے گا کہ ہر بندہ صدقہ کرنے کی ہمہ وقت استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا اللہ کریم بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ اب صدقہ کیے بغیر بارگاہِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جایا کرو۔ یہ آیت باقی ہے قرآن کریم میں موجود ہے اور اس کی تلاوت ضروری ہے لیکن حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا حکم موجود ہے لیکن آیت منسوخ ہو گئی جیسے زنا کی سزا میں رجم کیے جانے پر جو آیت نازل ہوئی تھی وہ منسوخ ہو گئی۔ وہ اب نہیں ملتی لیکن حکم باقی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر عمل فرمایا اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا۔ اس کا حکم باقی ہے جبکہ آیت حذف کر دی گئی۔ جو آیتیں نسخ کی گئیں پھر وہ حافظہ سے بھی محو کر دی گئیں۔ کسی حافظ کو بھی یاد نہ رہیں۔ یہ کس قدر غور طلب بات ہے کہ جس بارگاہ کے آداب کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ مومنین تو کوئی غلط بات نہیں کرتے تھے سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت لیتے تھے، بات لمبی کر جاتے تو اللہ کریم نے یہ ادب سکھایا کہ بات مختصر اور با مقصد کی جائے۔ پھر سرگوشی میں بھی ایسی بات نہ کی جائے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو۔ ان سارے آداب کو ذہن میں رکھ کر اب جو ہمارا وتیرہ بن گیا ہے اُسے دیکھا جائے تو حال یہ ہے کہ روضہ اطہر پر بھی دھکم پیل ہے اور ملک میں جشنِ میلاد جس انداز سے منایا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اللہ کا دین ہمیں کیا ضابطے سکھا رہا ہے اور ہمارا عمل کیا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے:

فرمایا: ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ کیا تم بات کرنے سے پہلے صدقات کرنے سے ڈر گئے؟ سو اگر تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ نے تم پر عنایت فرمائی تو تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی وفاداری کرتے رہو۔ اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

مومنین کے لیے آسانی فرماتے ہوئے، اللہ کریم نے اُن پر رحم فرمایا اور حاضری سے پہلے صدقہ دینے کا حکم اٹھالیا کہ اکثر کے پاس مالی استطاعت نہیں تھی۔ اللہ کریم نے اُن کے لیے آسانی فرمادی کہ اسلام زندگی کو آسان بناتا ہے۔ فرمایا، اگر تمہیں ہر بار گزارشات پیش کرنے کے لیے صدقہ کرنے کے حکم سے مشکل پیش آتی ہے اور تم نہ کر سکنے کے سبب سے پریشان ہو تو اللہ اس حکم کو منسوخ فرماتا ہے۔ تم نمازیں قائم رکھو زکوٰۃ دو اور ہر معاملے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ جو عبادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں اس کے مطابق ان عبادات پر قائم رہو۔ اپنی طرف سے رسومات گھڑ لینا عبادت نہیں ہوتی جیسے ہم نے جشنِ ولادت گھڑ لیا ہے، یہ عبادات نہیں بنتی۔ عبادت وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی اور اس کی حدود و قیود معین فرمائیں۔ دینی معاملات ہوں، عقیدے اور عبادت کی بات ہو یا دنیوی معاملات، معاشی یا معاشرتی امور ہوں سب میں، ہر حال میں پوری کوشش کرو کہ حق اطاعت ادا کر سکو۔ اللہ کی اطاعت کرو، اطاعتِ الٰہی اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پنہاں ہے۔ تم اپنے طور پر نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ کس بات پر راضی ہیں، کس بات سے ناراض ہو جائیں گے اس کے لیے تمہیں اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرنا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں چلنا اللہ کی اطاعت ہوگی۔ یاد رکھو تم جو بھی کر رہے ہو وہ اللہ کے روبرو کر رہے ہو، اللہ کو تمہارے ہر حال کی خبر ہے۔

سورۃ المجادلہ رکوع 3 آیات 14 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا
مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ
اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ
اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ بُرے کام کیا کرتے تھے ﴿۱۵﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے ﴿۱۶﴾ ان کے اموال اور اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ذرا نہ بچا سکیں گے یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۷﴾ جس دن اللہ ان سب کو (دوبارہ) زندہ کریں گے تو اس کے روبرو بھی (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ ان کا کچھ کام بن گیا۔ خوب سُن لو! یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ﴿۱۸﴾ ان پر شیطان نے تسلط کر لیا ہے پھر ان کو اللہ کی یاد بھلا دی یہی شیطان کا گروہ ہے خوب سُن لو! کہ بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے ﴿۱۹﴾ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ نہایت ذلیل ہوں گے اللہ نے (اپنے حکم ازلی میں) یہ بات لکھ دی ہے ﴿۲۰﴾ کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے بے شک اللہ قوت والے غلبہ والے ہیں ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے پیغمبر کے مخالف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے (ثبت کر دیا ہے) اور ان (کے قلوب) کو اپنے فیضِ غیبی سے قوت دی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوں گے اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہوں گے یہ اللہ کا لشکر ہے خوب سُن لو! بے شک اللہ کا لشکر ہی مراد پانے والا ہے ﴿۲۲﴾

تفسیر و معارف

قرآن کا معیار اور آج کے مسلمان:

فرمایا: اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ مَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ ۙ وَ یَحۡلِفُوۡنَ عَلَی الۡکَذِبِ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں جب ہم قرآن کے معیار اور اپنی عملی زندگی کو دیکھتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا ہیں گو کہنے کو تو مسلمان ہیں۔ فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اُن لوگوں کو دیکھا جو ایسے لوگوں سے ایسی قوموں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے؟ یہ کیسے لوگ ہیں کہ اُن لوگوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ یہ اُن دشمنوں سے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، اُن کو خوش اور راضی رکھنا چاہتے ہیں۔

آج کے مسلمان حکمرانوں، مسلمان حکومتوں اور مسلمان معاشروں کو سوچنا ہوگا کہ وہ کفار کی دوستی میں کس حد تک جائیں گے! اب تو حکومتی فیصلے بھی کفار کی خوشنودی کو سامنے رکھ کر کیے جاتے ہیں کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں پتا نہیں ہم کہاں کھڑے ہیں!

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے کفار سے قطع تعلق کرنے کا حکم نہیں دیا۔ کفار کے ساتھ حلال چیزوں کا لین دین جائز ہے لیکن یہ اجازت نہیں ہے کہ اُن کے ساتھ شراب اور خنزیر کا کاروبار شروع کر لیا جائے۔ صرف جائز اور حلال تجارتی تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔ کفار سے تعلقات اس حد تک جائز ہیں جہاں تک دین مجروح نہ ہو، آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح نہ ہوں۔ جہاں آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہونے لگیں وہاں کفار سے تعلق ختم کر دیا جائے گا۔ یہ تعلق صرف اس لیے نہیں رکھا جائے گا کہ کافر راضی رہے تو فائدہ ہوگا اور کہیں ناراض ہو گیا تو نقصان ہو جائے گا، کافر ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے، بس اللہ راضی رہے۔ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ مسلمان کافروں کی پیروی کریں۔ اُن جیسا حلیہ اپنا لیں۔ کاروباری لین دین میں ویسا حرام اور سود شامل کر لیں، اُن جیسی سودی معیشت اپنا لیں۔ یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ جہاں تک کافر کے حقوق ہیں، اس کی جان، مال، آبرو

بلا عذرِ شرعی نہیں چھینی جا سکتی البتہ جہاں شریعت کا حکم ہو وہ الگ بات ہے۔

کافروں کی پیروی کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ یہ آدھے تیتر آدھے بٹیر ہیں یہ نہ کافر ہیں نہ مسلمان ہیں۔ ان کی شناخت بطور یہودی یا عیسائی ہے اور نہ ہی یہ مسلمان رہے ہیں۔ یہ کوئی الگ ہی قسم بن گئی ہے۔ یہ کیا بن گئے ہیں؟

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، یقین دلاتے رہتے ہیں کہ انہیں اللہ سے بڑی محبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بڑے ادب سے لیتے ہیں۔ یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں! یہ کیسی محبت اور غلامی ہے کہ عادات ورواج کفار کی اپناتے ہیں، دوستی کفار سے رکھتے ہیں اور خوش بھی کفار کو رکھنا چاہتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی کیا محبت ہے! یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ ہم رضائے باری اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کافر کی رضا کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ اتنے بھولے نہیں ہوتے کہ انہیں پتا نہ ہو۔ یہ جانتے ہیں کیا کر رہے ہیں لیکن پھر اپنے سچا ہونے پر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ فرمایا: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ برے کام کرتے تھے۔

ان کے لیے اللہ کریم نے کافروں سے بھی زیادہ سخت عذاب رکھے ہیں کہ یہی منافق ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النسآ: 145) بے شک منافق دوزخ کے نچلے درجے میں جائیں گے۔ یہ بات حدیث شریف میں بھی ارشاد ہوئی جس کی شرح میں علما فرماتے ہیں کہ دوزخ میں منافقین سب سے نیچے ہوں گے اور کفار کے زخموں سے نکلنے والی پیپ اور خون ان کی غذا ہوگی۔ اُن پر جو عذاب ہوگا وہ کفار سے زیادہ شدید ہوگا فرمایا، ان کے لیے اللہ کریم نے بہت سخت عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے کرتوت بھی بہت برے تھے۔ یہ کون سا اسلام ہے کہ یہ خود کو مسلمان کہتے تھے لیکن خوشنودی کافروں کی چاہتے تھے۔ فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

منافقین نے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ ان کے کرتوت کافروں جیسے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں حرام کھا رہے ہیں اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں۔ اسلام کو اپنے تحفظ کے لیے بطور ڈھال اپنا رکھا ہے تا کہ اسلامی ریاست سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ انہوں نے مسلمانی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن کام ایسے کرتے ہیں جو لوگوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب ہوں۔ لوگوں کو بھی سود کھلا رہے ہیں جھوٹ، حرام اور بدکاری میں مبتلا کر رہے ہیں۔ لوگوں کو تماشبینی کا عادی بنا رہے ہیں۔

آج ہمارے سرکاری ذرائع ابلاغ کی نشریات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ بھی شاید کام کی باتیں نہ ہوں باقی سارا وقت بے حیائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں کلمہ بھی پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا، ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں ذلت کے عذاب ہیں۔ یہ دنیا میں بھی ذلیل و رسوا رہتے ہیں۔

اس سے بڑی رسوائی کیا ہوگی کہ حکمران کے پیچھے پولیس لگی ہو، عدالتوں میں مقدمے چل رہے ہوں! جب سے ملک بنا ہے تب سے اب تک کون سا حکمران ہے جو عزت و احترام سے رخصت ہوا ہے؟ جس پر چوری کا الزام نہ لگا ہو یا وہ قید نہ ہوا ہو؟ جس کے پیچھے پولیس نہ بھاگی ہو اور جسے جیل نہ جانا پڑا ہو؟ یہ کیسے لوگ ہیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے! فرمایا، ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ عذاب بھی ہوگا اور ذلیل بھی ہوں گے۔

آخرت حقیقت ہے، دنیا اس کا سایہ ہے، آخرت کو دوام ہے جبکہ دنیا وقتی ہے لحاتی ہے تو مضبوط کا سایہ کمزور پر پڑتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی آخرت کا سایہ پڑتا رہتا ہے۔ جو آخرت میں ذلیل ہیں وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے رہتے ہیں خواہ ملک کے حکمران ہی کیوں نہ بن جائیں لیکن اُن کی کوئی عزت نہیں کرتا، احترام نہیں کرتا۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کافروں کو خوش کرنا چاہے گا اللہ کریم انہیں دنیا میں بھی ذلیل کریں گے اور آخرت میں ذلت کا عذاب دیں گے۔ اُس عہد کے منافقین بھی یہی کوشش کرتے تھے کہ مسلمان عملاً اسلام سے دور ہوتے جائیں۔ آج کے نام نہاد مسلمان حکمران بھی کفار کے ساتھ مل کر وہی کام کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو نظامِ اسلام کی برکات سے محروم کر رکھا ہے جو عملاً اسلام کا راستہ روکنے کا عمل ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت ہی ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ فرمایا: لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۔ ان کے اموال اور اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ذرا نہ بچا سکیں گے۔ فرمایا یہ جو لوٹ لوٹ کر دولت جمع کرتے رہے وہ انہیں دوزخ سے ہرگز نہ بچا سکے گی۔ یہ دولت انہیں دنیا کی ذلت سے بھی نہیں بچا سکے گی۔ ان کے پاس کھربوں جمع ہوں گے لیکن یہ دنیا میں بھی رسوا ہورہے ہوں گے اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور ذلیل بھی ہوں گے۔ اُن کے بیٹے بیٹیاں جن کی خاطر مال لُوٹ لُوٹ کر جمع کرتے اور محلات بناتے تھے وہ اُن کے کام نہ آئیں گے۔ اللہ کی بارگاہ سے یہ انہیں رتی برابر بھی

رعایت نہیں دلوا سکیں گے۔ ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ بظاہر خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن عملاً اسلام کے خلاف چل رہے ہیں اور دین کی مخالفت دوزخ جانے کا سبب بنتی ہے۔ یہ دوزخ کے باسی ہیں، انہیں ایمان کے زبانی دعوے نجات نہیں دلائیں گے۔ وہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ گویا ان کا ایمان ختم ہوگیا۔ دنیا میں غلطی ہوجانا یا گناہ کا صدور ہونا ایک بات ہے لیکن غلطی کو درست سمجھنا، حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ فقہا تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کی مرغی چوری کر کے کھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ اُسے ذبح نہ کرے اس پر تکبیر نہ پڑھے بلکہ کاٹ کر کھائے۔ اس نے چوری کی ہے لہٰذا حرام ہے، اُسے حرام سمجھ کر کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔ اگر تکبیر پڑھے گا تو سمجھے گا کہ حلال ہوگئی اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ حرام کو حلال نہ سمجھا جائے۔ جو ایسا کرے گا وہ خواہ خود کو مسلمان کہتا رہے، اسلام کو ڈھال بنائے رکھے لیکن وہ اندر سے مسلمان نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو جہنم میں داخل ہونا ہوگا اور ہمیشہ وہیں رہنا ہوگا۔

فرمایا: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۔۔۔ جس دن اللہ ان سب کو (دوبارہ) زندہ کریں گے۔ فرمایا، ایک دن آرہا ہے جب سب مخلوق کو اللہ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہوگا۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کلیم اللہ تھے، اُن کی امت تھے۔ اہلِ کتاب تھے اس کے باوجود جب یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو کفار میں شمار ہوئے۔ فرمایا، جب ان سب لوگوں کو ایک ہی بار جمع کیا جائے گا۔ سب اکٹھے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو، فرمایا: فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ ۔۔۔ تو اُس کے روبرو بھی (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں۔

قیامت کو یہ لوگ بڑی قسمیں کھائیں گے کہ اللہ! ہم نے تو تیرے نبی موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور تورات کو مانا ہم بھی ایمان دار تھے۔ جیسے اب یہ مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم اہلِ کتاب ہیں، اللہ کے نبی پر ایمان رکھتے ہیں اور تم بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو تو ہماری مخالفت کیسی! درحقیقت یہ اندر ہی اندر سخت مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا: وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور خیال کریں گے کہ ان کا کچھ کام بن گیا۔ خوب سن لو! یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔

یہ لوگ جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں جو انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی کیونکہ نتائج ہمیشہ کردار پر مرتب ہوتے ہیں، محض کہنے پر نہیں۔ اگر ایک شخص زبانی کہتا رہے کہ وہ مسلمان ہے تو یہ محض ایک دعویٰ ہوگا۔ جب تک وہ اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرے گا اس کے مسلمان ہونے کی تصدیق نہیں کی جاسکے گی۔ دعوائے اسلام

کے گواہ صالح اعمال ہوتے ہیں، شرع کے مطابق کردار ہوتا ہے۔لیکن ان کا کردار غیر اسلامی تھا۔

شیطان کے تسلط کا نتیجہ:

فرمایا: اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ۔۔۔ان پر شیطان نے تسلط کرلیا ہے پھر ان کو اللہ کی یاد بھلا دی۔

ان پر شیطان غالب آ گیا اور اس نے ان کے دلوں سے اللہ کی محبت ختم کردی کہ ان سے اللہ کی یاد ہی چھین لی۔ یہ اللہ کا ذکر ہی بھول گئے۔ ذکر اللہ کیا ہے؟ اللہ کے ذکر کے تین مدارج ہیں جن میں پہلا درجہ ایمان لانا ہے۔ جب کوئی اللہ کی عظمت کا، اس کی توحید کا اقرار کرتا ہے، اس کے رسولوںؑ اور کتابوں کے برحق ہونے کا اقرار کرتا ہے، قیامت، آخرت حساب کتاب اور فرشتوں پر یقین کرتا ہے تو یہ عمل ذکر اللہ ہے کہ اس میں اللہ کی یاد پوشیدہ ہے۔اس پر موت تک قائم رہنا ضروری ہے۔ جب بھی چھوڑے گا پچھلا سارا بھی ضائع ہو جائے گا۔ اگر ایک بندہ ساری عمر باایمان رہا اسی برس، سو برس جیا اور مرنے سے ایک دن پہلے اُس نے ایمان ترک کردیا تو کافر شمار ہوگا۔

ذکر اللہ کا دوسرا درجہ اعمال ہیں۔ اس میں لسانی ذکر بھی آ جاتا ہے اور سارا کردار بھی اسی میں ہے۔ ذکر کا تیسرا درجہ ہے ذکرِ قلبی جو حقیقی ذکر ہے کہ ہمہ وقت اللہ کی یاد دل میں آباد رہے۔خون کا ہر قطرہ، بدن کا ہر ذرہ ذاکر ہو جائے تو تب جا کر ذکر کا حق ادا ہوتا ہے۔ اعمال میں بھی یہی اصول حدیث شریف میں ارشاد ہوا، فرمایا: اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالۡخَوَاتِيۡمِ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (احمد بن حنبل) بے شک اعمال کا دارومدار انجام پر ہے۔

اعمال کا مدار بھی اُن کے انجام پر ہے کہ خاتمہ کس پر ہوا۔ اگر ساری عمر نمازیں پڑھتا رہا اور پھر کہہ دیا کہ یہ فضول کام ہے اس کی کیا ضرورت ہے تو پچھلی نمازیں بھی ضائع ہو گئیں۔ اسی طرح ذکرِ قلبی سیکھا اور مراقبات ہو گئے پھر چھوڑ دیا تو پرلے درجے کا جرم بن جاتا ہے نہ صرف یہ کہ پچھلا حصول ضائع ہو جاتا ہے بلکہ اتنی بڑی نعمت کو ضائع کرنا بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد ایمان ترک کرنے والا مرتد کہلاتا ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی شرعی سزا قتل ہے۔ اعمالِ صالح کا تارک بھی بہت بڑا مجرم بن جاتا ہے۔ ایمان ترک کرنے کی سزا قتل ہے تو بُرے کردار کی سزا اس سے زیادہ ہوگی اور ذکرِ قلبی سب سے زیادہ قیمتی ہے اس کو ترک کرنے کی سزا بھی زیادہ ہوگی۔ یہ ساری باتیں اللہ نے قرآنِ کریم میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بتا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی بتا دیں اور آخرت میں سامنے بھی آ جائیں گی۔ فرمایا، ان پر شیطان غالب آ گیا، اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی اور یہ اس کی باتیں ماننے لگے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ۔۔۔یہی شیطان کا گروہ ہے۔

یہ لوگ شیطان کے ساتھی بن گئے، اُس کے معاون و مددگار بن گئے۔ یہی لوگ شیطان کی فوج ہیں۔ 'حزب' فوج یا لشکر کو کہتے ہیں اور جس کا لشکر ہوتا ہے اُس کے غلبے کے لیے جان لڑا دیتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی گویا شیطان کے غلبے کے لیے ساری زندگی وقف کر دی ہے اور اس کے لیے برائی پھیلانے پر لگ گئے۔ آج بھی دیکھا جائے تو کفار ہمیشہ اسلام کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی وہ شیطانی لشکر ہے جو شیطان کے لیے جنگ کر رہا ہے۔

شیطانی لشکر ہمیشہ خسارے میں رہے گا:

فرمایا: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ خوب سن لو! کہ بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

فرمایا، یہ یقینی بات ہے کہ شیطان کی فوج ہمیشہ خسارے میں رہے گی۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ نقصان میں رہے گی۔ اللہ کریم کا ارشاد برحق ہے جس میں رائی برابر شبہ نہیں ہے لیکن آج دنیا میں کافر غالب نظر آتے ہیں۔ شیطان کا لشکر غالب نظر آتا ہے اور مسلمان جو اللہ کی فوج ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مغلوب نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کرتا ہے اور اس کی خوشنودی اور رضا کے لیے محنت کرتا ہے تو غالب رہتا ہے۔ آج کے مسلمان نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی چھوڑ کر کفار کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ اُن کی مشابہت اپنے نظام ہائے زندگی میں اختیار کر لی ہے۔ معاشی نظام، عدالتی نظام اور سیاسی نظام، سب میں کافروں کی پیروی کی جا رہی ہے۔ پیروکار قیادت پر غالب نہیں ہوتا بلکہ وہ قیادت کا مغلوب ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں نے مسلمان ہوتے ہوئے، نماز روزہ کرتے ہوئے کافروں کی پیروی کر لی تو پھر مغلوب ہونا یقینی تھا اللہ کریم تو فرماتے ہیں کہ کافروں کی طرح سرگوشی بھی نہ کرو۔ اُن کی پیروی میں برائی گناہ یا جھوٹ کی سرگوشی بھی نہ کرو بلکہ اُس میں بھی نیکی اور تقویٰ کی بات ہو۔ سرگوشی ہی کیا، ہم نے تو عملی زندگی میں کافروں کی پیروی شروع کر دی ظاہر ہے قیادت نے ہی غالب آنا ہے جبکہ پیروکار مغلوب ہوں گے۔ اللہ کے اصول برحق ہیں۔ ہمارے کردار نے ہمیں مغلوب کیا ہوا ہے۔ اللہ کریم ہمیں توفیق دیں اور ہم اپنا قبلہ درست کر لیں۔ اپنے قوانین اور تمام امور کو اسلام کے مطابق کر لیں خلافتِ راشدہ کو مثال بنائیں تو آج بھی ہم غالب آ سکتے ہیں۔ فرمایا:
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ نہایت ذلیل ہوں گے۔

جو بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا ذلت اس کا مقدر ہے۔ کافر اپنی طرح سے

ذلیل ہوتا ہے اور دعویٰ اسلام کے باوجود جو کافر کی پیروی کرتا ہے وہ اور طرح سے ذلیل ہوتا ہے۔اس سے بڑی ذلت کیا ہوگی کہ مومن کافر کا پیروکار اور محتاج ہو!اس سے بڑی ذلت اور کیا ہے کہ مسلمانوں کو کافرانہ نظام ہائے زندگی اور طریقہ ءحیات کی دعوت دی جائے۔کسی زمانے میں جو مغرب میں ہوتا تھا وہ آج ہمارے شہروں میں ہو رہا ہے۔ بیٹیاں ناچ رہی ہیں، بہنیں گا رہی ہیں اور باپ اور بھائی تالیاں بجا رہے ہیں، مست ہو کر سن رہے ہیں۔ یہ سارا کچھ ہم نے کہاں سے لیا؟ کافروں کی پیروی میں!ایک وقت تھا کہ گانے بجانے والوں کو شرفا اپنے محلے میں جگہ نہیں دیتے تھے لوگ ان سے ہاتھ ملانا پسند نہیں کرتے تھے۔آج اُنہیں قومی سرمایہ کہا جاتا ہے اور کیا کیا القاب سے نوازا جاتا ہے۔انہیں ستارے کہا جاتا ہے۔ یہ سب مغربی تہذیب ہے، یہود و نصاریٰ کا رویہ ہے۔ہم آخر کہاں تک اُن کے پیچھے جائیں گے؟ فرمایا جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جائے گی۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع چھوڑنا ہی اُن کی مخالفت ہے۔ کفار مخالفت پر ہیں تو اُن سے بڑا رسوا بھی دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔امریکہ میں قانوناً اگر باپ اپنی بیٹی کو بدکاری کرتا دیکھ لے تو اُسے کہنا پڑتا ہے HAVE A NICE TIME۔اس سے بڑی کسی ذلت کا تصور ہے؟ وہ اپنی زندگی میں ذلیل ہو رہے ہیں اور اُن کی پیروی کر کے ہم دوسرے انداز میں ذلیل ہو رہے ہیں۔

غلبہ، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے:

فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾ اللہ نے (اپنے حکم ازلی میں) یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے بے شک اللہ قوت والے غلبہ والے ہیں۔

اللہ کریم نے یہ طے کر دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام غالب رہیں گے۔سو جس نے غالب رہنا ہے عزت و احترام سے رہنا ہے قیادت کرنی ہے اُسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا ہوگا۔اس لیے کہ غلبہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ان سے الگ ہو کر کوئی غالب یا فاتح نہیں ہوسکتا۔اللہ کریم بہت قوت والے اور غالب ہیں۔

آج ،صرف غریب رسوا نہیں ہو رہا، امیر اور صاحب اقتدار بھی رسوا ہو رہا ہے۔ بدکار غریب، امیر کی محتاجی میں رسوا ہے تو امیر، حکمراں اپنے انداز میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ کسی کے پیچھے پولیس لگی ہے تو کسی کے خلاف نعرے لگ رہے ہیں۔کوئی کسی کو غدار کہہ رہا ہے تو کوئی کسی کو بدکار کہہ رہا ہے۔ کسی کو چور کہا جا رہا ہے کسی کو ڈاکو کہا جا رہا ہے۔اگر

حکمرانوں کو یہ القاب مل رہے ہوں تو اُن کی کیا عزت رہ جاتی ہے! ذلت اور کیا ہوتی ہے؟ ایسا نہیں ہے کہ صرف عام آدمی ذلیل ہو رہا ہے حکمران بھی ذلیل ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ غلبہ اللہ کے لیے ہے اسی کو سزاوار ہے اور اسی نے اپنے رسولوں کو غالب رکھا۔ چنانچہ جو دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لے گا وہ غالب اور باعزت رہے گا خواہ کوئی فقیر کسی جھونپڑی میں بھی ہو اس کا بھی احترام ہوگا۔ کوئی امیر ہوگا تو بھی عزت پائے گا۔

مومن کبھی اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے:

فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔۔۔ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ اُن کو نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے پیغمبر کے مخالف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی ہوں۔

فرمایا، ایک اصولی بات ایک قانون ارشاد ہوا ہے کہ جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہوگا اس کی اللہ کے دشمنوں سے دوستی ممکن نہیں ہے۔ ایماندار بندے کی نافرمانوں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی ناممکن ہے۔ وہ کبھی اُن سے دوستی نہیں کرے گا۔ خواہ اُن کفار میں مومن کے والدین ہوں اولاد ہو یا بہن بھائی اور رشتہ دار ہوں یعنی دور کی تو چھوڑو اگر اپنے کنبے میں حتیٰ کہ باپ بھی اگر کافر ہو جائے تو اس کا احترام بحیثیتِ والد الگ ہے لیکن شریعت کے معاملے میں اس کا لحاظ نہیں کرے گا۔ اس سے دوستی نہیں ہوگی۔ دوستی ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگی، مسلمانوں سے ہوگی، اسلام سے ہوگی۔ کفار کے انسانی حقوق ہیں اور اُن کا ادا کرنا ایک الگ بات ہے اور کافروں سے دلی دوستی کرنا دوسری بات ہے۔ فرمایا، مومن اور کافر میں دوستی کا کوئی تصور نہیں ہے جیسے آگ اور پانی میں دوستی کا تصور نہیں۔ کیا روشنی اور اندھیرے میں کوئی رشتہ ہے؟ کیا نور اور ظلمت میں کوئی تعلق ہے؟ دونوں میں سے ایک رہتا ہے، دوسرا نہیں رہ سکتا۔ جہاں نور ہوگا وہاں ظلمت نہیں ہو سکتی۔ جہاں روشنی ہوگی وہاں اندھیرا نہیں ہوگا اور جہاں روشنی نہیں ہوگی وہاں اندھیرا ہوگا۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں کافر سے دوستی نہیں ہوگی اور جہاں کافر سے دوستی ہوگی تو پھر ایمان نہیں ہوگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بدر کے بعد اسلام لائے تو ایک دن گھر میں باتیں ہو رہی تھیں بدر کا قصہ چھڑ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بدر میں اہلِ مکہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ابا جی! بدر کے روز جب مقابلہ ہوا تو آپ، ایک دو مرتبہ میری زد میں آ گئے تھے۔ میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا لیکن آپ میرے والد تھے اس لیے میری تلوار آپ پر نہ اٹھ سکی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن اگر تُو میری زد میں آجاتا تو میں تیرے پرخچے اڑا دیتا۔ تُو نے تو لحاظ کیا لیکن میں تیرے پرخچے اڑا دیتا۔ انہوں نے عرض کی آپ کو لحاظ نہ ہوتا کہ آپ کا بیٹا ہوں؟ فرمایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بیٹا کیا ہوتا ہے؟ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میدان میں آئے تھے وہاں بیٹا، باپ کیا ہوتا ہے!

حزبُ اللہ:

فرمایا، جس میں حقیقی ایمان ہے، جو مومن ہے وہ کافروں سے دوستی نہیں کرے گا خواہ اس کے باپ ہوں، بھائی ہوں رشتہ دار ہوں یا قبیلے سے ہوں۔ یہ ایسے لوگ ہیں، فرمایا: أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے (ثبت کر دیا ہے) اور ان (کے قلوب) کو اپنے فیضِ غیبی سے قوت دی ہے۔ اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوں گے اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا لشکر ہے۔ خوب سن لو! بے شک اللہ کا لشکر ہی مراد پانے والا ہے۔

فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کریم نے ایمان رقم کر دیا ہے، لکھ دیا ہے جیسے پتھر پر لکیر ہوتی ہے اور انہیں ہمیشہ اللہ کی غیبی مدد حاصل رہتی ہے۔ یہ لوگ ایمان پر جمے رہے۔ ان کا ایمان انہیں کافروں سے قلبی دوستی اور اُن کی پیروی کی اجازت نہیں دیتا۔ بندہ اُس کی پیروی کرتا ہے جو دل کو بھلا لگے۔ اس کا انداز اپناتا ہے جو اسے اچھا لگتا ہے مومنین کو نہ ہی کفر کے انداز اچھے لگتے ہیں کہ انہیں اپنائیں بلکہ یہ ہمیشہ اُس کے مقابلے میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو تائیدِ باری نصیب رہتی ہے ہر جگہ، ہر مقام پر ہمہ وقت۔ دنیا میں، قبر میں، برزخ میں، قیامت میں، آخرت میں ان سب کو جو ایمان پر جمے رہے اللہ جل شانہٗ کا کرم اور مہربانی نصیب ہوگی۔ انہی لوگوں کو اللہ کریم اُن باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں بہتی ہیں جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یاد رکھو اللہ ان سب سے راضی ہے۔ اس کے اوّلین مصداق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو قرآن کے سب سے پہلے مخاطبین ہیں۔ باقی انسانیت کو دین اُن ؓ کے طفیل پہنچا۔ اگر ہم نے خلوصِ دل سے عملی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرام ؓ کا اتباع کر لیا تو ہم بھی اس گروہ میں شامل ہو جائیں گے جن سے اللہ راضی ہوا لیکن ہمارا معاملہ تو قبر میں اور میدانِ حشر میں طے ہوگا کہ کون دوزخ میں جاتا ہے کون جنت میں جائے گا۔ یہ صحابہ کرام ؓ کی مقدس جماعت ہے جس کا فیصلہ اللہ کریم نے دنیا میں

سنا دیا اور قرآن میں اعلان فرما دیا کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔۔۔اللہ ان سے راضی ہوں گے۔اب اس کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تاریخی روایات کا سہارا لے کر صحابہؓ پر اعتراض کرے۔ یہ بہت بڑی جرأت اور گستاخی ہے اور ایمان سے محرومی کا اندیشہ ہے۔قرآن اور حدیث کے مقابلے میں تاریخ کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن وحی الٰہی ہے، حدیث وحی غیر متلو ہے اور تاریخ کی تعریف یہ ہے کہ اَلتَّارِیْخُ اَقْوَالُ اَفْوَاہُ النَّاسِ یعنی لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں۔ جو لوگ کہتے ہیں وہ تاریخ بن جاتی ہے۔

وطنِ عزیز کے دولخت ہونے کا واقعہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہے۔آدھے لوگ سیاسی حکمران کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں آدھے فوجی جرنیل کو، تو فیصلہ کون کرے گا؟ مؤرخ نے مختلف لوگوں کی رائے جمع کر کے تاریخ مرتب کر دی لیکن آج تک یہ طے نہیں ہوا کہ اصل میں کون ذمہ دار تھا! جو بات سامنے ہوئی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا تو پندرہ سو سال پہلے کے واقعات تاریخ سے لے کر صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرنا کتنی گستاخی اور جہالت ہے۔

الفاظ وحروف کو جان لینا علم نہیں ہے۔ یہ سب خبر کے درجے میں ہیں۔علم وہ کیفیات ہیں جو دل میں اترتی ہیں۔ سارے علوم کا مصدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔کیفیات کو حروف کی الفاظ کے ٹنڈوں اور گھیروں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ منجانب اللہ ہوتی ہیں۔انبیاؑ کے قلبِ اطہر سے آتی ہیں اور اتباعِ نبیؐ کرنے والوں کے قلوب سے آگے دلوں تک جاتی ہیں یوں دیئے سے دیئے جلتے ہیں۔ جسے کیفیاتِ قلبی حاصل ہیں وہ عالم ہے، جس کے پاس نہیں ہیں خواہ کتنا بھی پڑھا لکھا ہو، وہ جاہل ہے۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے کہ کوئی اپنے علمی زور کو صحابہؓ پر آزمائے۔طبری اور واقدی وہ مؤرخین ہیں جن سے تاریخی حوالے دیے جاتے ہیں اور وہ دونوں شیعہ ہیں۔ وہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا لکھیں گے! اُن سے حوالے لے کر صحابہؓ پر اعتراض کرنا بہت جرأت اور بے ادبی ہے۔ اللہ نے فرما دیا کہ اللہ سب صحابہؓ پر راضی ہیں، بات ختم ہوگئی۔فرمایا: وَرَضُوْا عَنْہُ۔۔۔اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔اللہ کریم اُن کو اتنا عطا فرمائے گا کہ وہ بھی راضی ہو جائیں گے۔ پکار اُٹھیں گے کہ اللہ! بس ہم سے اور نہیں سنبھالا جاتا۔ہم اتنا کیا کریں گے، ہم راضی ہیں! فرمایا، یہ اللہ کا لشکر ہے۔ یہ اللہ کی فوج ہے۔ یہاں سے دوقومی نظریہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی فوج ہے اور ایک شیطان کی فوج ہے۔ ایمان والے متقی لوگ، اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والے اللہ کی فوج ہیں اور اس کے مخالف سارے شیطان کی فوج ہیں۔ ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اگر باپ بھی کافر ہے تو اس سے دلی دوستی اور اس کی پیروی نہیں ہوگی۔ اس جیسا حلیہ یا انداز نہیں اپنایا جائے گا۔ گویا جو کافروں کی پیروی کرتے ہیں اُن کا ایمان مشکوک ہو جائے گا۔فرمایا، دو ہی لشکر ہیں ایک اللہ کا ہے، ایک شیطان کا اور یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کا لشکر ہمیشہ معزز ومکرم اور غالب رہے گا جبکہ ذلت وخسارہ شیطان کے لشکر کا مقدر ہے۔

سورة الحشر رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿١﴾
هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ
الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی
الْاَبْصَارِ ﴿٢﴾ وَلَوْلَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ۭ
وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ
یُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا
قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿٥﴾ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰی
رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ
رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٦﴾ مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ
السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَاۗءِ مِنْکُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىکُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ
الْعِقَابِ ﴿٧﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ غالب، حکمت والے ہیں ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے کفار اہلِ کتاب (بنونضیر) کو ان کے گھروں سے اکٹھا کر کے پہلی ہی بار نکال دیا تمہیں خیال بھی نہ تھا کہ وہ کبھی (گھروں سے) نکلیں گے اور انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے سو اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو (اس کا) گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے تو اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو ﴿۲﴾ اور اگر اللہ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکے ہوتے تو ان کو دنیا میں ہی سزا دیتے اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے ﴿۳﴾ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں ﴿۴﴾ کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کریں ﴿۵﴾ اور جو مال اللہ نے ان لوگوں سے اپنے پیغمبر کو (بغیر لڑائی کے) دلوایا سو اُس پر تم نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ولیکن اللہ اپنے پیغمبروں (علیہم السلام) کو

جن پر چاہتے ہیں مسلط فرما دیتے ہیں اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے ﴿۶﴾ جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو (بغیر لڑائی کے دوسری) بستیوں سے دلوایا تو وہ اللہ کے لیے اور پیغمبر کے لیے اور قرابت داروں اور یتیموں اور حاجت مندوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ تم میں جو لوگ دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے اور جو چیز تم کو پیغمبر دے دیں تو وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں سو (اُس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں ﴿۷﴾ اُن حاجت مند مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے اور اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبر (کے دین) کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں ﴿۸﴾ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو اِن (مہاجرین) سے پہلے (ہجرت کے) گھر میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے یہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اُن (مہاجرین) کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے بھی پہلے رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی مُراد پانے والے ہیں ﴿۹﴾ اور ان لوگوں کا (بھی مالِ فے میں حق ہے) جو ان کے بعد آئے، دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرمائیے اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں حسد (بخل) نہ پیدا ہونے دیجیے اے ہمارے پروردگار! بے شک آپ بڑے شفیق (اور) مہربان ہیں ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ حشر شروع ہوتی ہے۔ یہ اُن سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں لہٰذا مدنی کہلاتی ہیں۔

ذکرِ الٰہی میں ہر ذرّے کی بقا ہے:

فرمایا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اور وہ غالب حکمت والے ہیں۔

کائنات کا ہر ذرّہ اللہ کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ کائنات کے ہر ذرّے کی بقا ذکرِ الٰہی پر منحصر ہے۔ اس میں انسان بھی شامل ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اگر وہ کفر و شرک کرتا ہے، ذکر اللہ نہیں کرتا، اللہ کی عظمت کا اقرار نہیں کرتا تو بھی زندہ رہتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ حقیقتاً زندہ نہیں رہتا۔ اس کی روحانی زندگی ختم ہوجاتی ہے وہی زندہ رہتا ہے جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اس لیے کہ اللہ نے یہ قانون ارشاد فرمادیا ہے کہ ارض وسما کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کررہی ہے۔

یاد رہے مکلف مخلوق چار قسم کی ہے، فرشتے، انسان، جن اور شیطان۔ ان میں سے فرشتے سراپا نیکی ہیں اُن سے گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے جبکہ شیطان سراپا بدی ہے۔ اس سے نیکی کی توفیق ہی سلب ہوگئی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی اخروی زندگی تباہ ہوگئی اور اسے دنیا میں زندہ تصور نہیں کیا جاتا۔ اس سے بڑی کیا موت ہوگی!

باقی دو قسم کی مخلوق جنات اور انسان دونوں کا یہ حال ہے کہ اگر اللہ پر ایمان اور اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہے تو زندہ شمار ہوتے ہیں۔ نیکی کرتے ہیں تو حیات ہیں اور اگر چھوڑ دیتے ہیں تو عنداللہ ایسے ہوجاتے ہیں جیسے مردہ۔ مردے کی اپنی کوئی پسند نہیں رہتی۔ اُسے جہاں سے اُٹھادو، جہاں چاہو رکھ دو، جہاں چاہو رخ پھیر دو۔ جو شخص ذکرِ الٰہی چھوڑ دیتا ہے وہ بھی شیطان کے ہاتھوں میں میّت کی طرح ہوجاتا ہے، جیسے چاہے، جہاں چاہے اسے رکھ دے۔ جہاں سے چاہے اُٹھا دے، جہاں چاہے بٹھا دے۔ حیات میں اختیار ہوتا ہے، ایک زندہ آدمی اپنی پسند سے جیتا ہے۔ جس انسان کو حیات نصیب ہوتی ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو اختیار کرتا ہے۔ ہر چیز کا اللہ کی عظمت پر گواہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غالب ہے اور صاحب حکمت ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ اُس نے مکلف مخلوق کو آزمائش میں ڈال دیا اُسے تھوڑی سی فرصتِ عمل دی، جس کے نتائج اخروی زندگی میں سامنے آجائیں گے۔

بنونضیر کی عہد شکنی اور سزا:

مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کے قبائل میں ایک قبیلہ بنونضیر تھا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شرائط پر صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ ان شرائطِ صلح میں یہ باتیں تھیں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہیں دیں گے۔ اگر مدینہ منورہ پر کوئی باہر سے حملہ آور ہوا تو شہر کا دفاع مل کر کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام سے بنونضیر کے ہاں تشریف لے آئے تو انہوں نے قتل کی سازش کی جس کی اطلاع بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔ اُن کی سازش کامیاب نہ ہوسکی۔ اس سے بڑی خلاف ورزی اور کیا ہوسکتی تھی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ دس روز کے اندر مدینہ منورہ سے نکل جائیں۔ اپنے قلعے اور گھر خالی کردیں، جہاں جی چاہے چلے جائیں مگر اب خلاف ورزی کے بعد مدینہ منورہ میں نہیں رہ سکتے۔ بنونضیر کے پاس وسائل تھے اور اُنہوں نے بڑے مضبوط قلعے اور پکے گھر بنا رکھے تھے۔ منافقین کی جماعت نے بھی بنونضیر کو مدد کا یقین دلایا اور انہیں حوصلہ دیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی۔ حکم کے مطابق دس دن میں مدینہ منورہ سے نہ گئے۔

دس دن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اُن کے قلعے کا محاصرہ کرلیا تو منجانب اللہ اُن کے دلوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان میں مقابلے کی سکت نہ رہی۔ وہ اجازت مانگنے لگے کہ اگر اُنہیں راستہ دیا جائے تو وہ گھر چھوڑ کر نکل جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کرم فرماتے ہوئے نہ صرف جانے کی اجازت دی بلکہ فرمایا کہ ہر گھر ایک اونٹ پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتا ہے، لے جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہتھیار ضبط فرمائے تھے۔ چنانچہ جاتے وقت اپنے مضبوط مکانوں اور قلعوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے لگے۔ جو کچھ اٹھا سکتے تھے، یہاں تک کہ دروازے اور کھڑکیاں تک نکال کر لے گئے۔

ارشاد ہو رہا ہے: هُوَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔۔۔ وہی ہے جس نے کفار اہلِ کتاب (بنونضیر) کو ان کے گھروں سے اکٹھا کر کے پہلی ہی بار نکال دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو مدینہ بدر ہونے کا حکم دیا تو اللہ کریم نے اسے اپنا حکم بیان فرمایا اور لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔۔۔ میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ ان کا یہ گھروں سے نکلنا پہلی بار ہے لیکن یہ شرارت سے باز نہیں آئیں گے اور حکومتِ اسلامیہ انہیں پھر دیس نکالا دے گی۔ پہلی بار نکل کر خیبر کی طرف چلے گئے اور عہدِ فاروقی میں دوبارہ نکالے گئے کہ شرارتوں سے باز نہیں آتے تھے تو شام کی طرف نکل گئے۔

یہ دوسری بار نکالنا دوسرا حشر تھا، جس کا اشارہ یہاں مل رہا ہے، مدینہ منورہ سے نکالا جانا ان کا پہلا دیس نکالا تھا

پہلی جلاوطنی تھی حالانکہ، فرمایا: ۔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۲ تمہیں خیال بھی نہ تھا کہ وہ کبھی گھروں سے نکلیں گے اور انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے۔ سو اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو (اس کا) گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے۔ تو اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

بنونضیر کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ مادّی اور ظاہری وسائل کے اعتبار سے بہت مضبوط تھے۔ یہاں تک کہ مسلمان بھی ظاہری اسباب اُن کے حق میں پاتے تھے اور وہ خود بھی یہی سمجھتے تھے کہ اُن کے مضبوط قلعے اور مکان اُن کی حفاظت کے لیے کافی ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ ان قلعوں کو توڑنا اور ان پر غلبہ پانا ممکن نہیں ہے لیکن اللہ نے بنونضیر پر ایسی مصیبت ڈالی جس کا اُن کو گمان بھی نہیں تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اُن کے دلوں پر اللہ کریم نے ہیبت طاری کر دی ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ جن مضبوط مکانوں کے بھروسے پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر رہے تھے اور جنہیں اپنے بچاؤ کا سبب سمجھ رہے تھے انہی مکانوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑ رہے تھے۔ جو رہی سہی کسر تھی اللہ نے اہلِ ایمان کے ہاتھوں نکلوا دی۔ یہاں بھی صحابہ کرامؓ کی جماعت کو اللہ کریم نے مومنین کے لقب سے نوازا ہے۔ فرمایا، اے اہلِ بصیرت! عبرت کے لیے یہ بہت کافی ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو کہ وسائلِ دنیا عظمتِ الٰہی کے آگے دیوار نہیں بن سکتے اور فتح صرف وسائل کی محتاج نہیں ہے۔ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کامیابی کا تصور نہیں ہے۔ اس سے سوائے بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جو لوگ دنیا کی طلب میں زندگیاں ضائع کر دیتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے اطاعتِ الٰہی چھوڑ دیتے ہیں وہ بہت گھاٹے کا سودا کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے اسباب و وسائل پیدا کیے ہیں جنہیں اختیار کرنا اور جائز طریقے سے رزقِ حلال کمانا عبادت ہے۔ دنیا اگر حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر کمائی جائے تو وہ دین بن جاتا ہے لیکن دنیا کی محبت میں اللہ کو بھلا دینا اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینا ہے۔

اللہ کریم انسان کو توبہ کی مہلت دیتے ہیں:

فرمایا: وَلَوْلَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ۔۔۔ اور اگر اللہ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکے ہوتے تو ان کو دنیا میں ہی سزا دیتے۔

فرمایا، یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے اُن کے لیے جلاوطنی مقرر کردی، انہیں گھر چھوڑنا پڑا اور نہ ان کا جرم بہت بڑا تھا جس پر دنیا میں سخت ترین سزا دی جاتی۔ ابھی زندگی باقی تھی اگر توبہ کر لیتے تو عذابِ الٰہی سے بچ سکتے تھے۔ اللہ کریم انسان کو بار بار مہلت دیتے ہیں کہ وہ سنبھل جائے، توبہ کر لے انسان بار بار خطائیں کرتا ہے اور اللہ کریم بار بار مہلت دیتے ہیں۔ اگر تادمِ مرگ کوئی توبہ نہ کرے تو یہ اس کی اپنی پسند ہے۔ اللہ کریم کا یہ احسان تھا کہ اُن پر فی الوقت جلاوطنی مقرر فرمائی ورنہ اگر اُن پر عذاب نازل کر دیتے یا زمین میں دھنسا دیتے، اُن پر آگ برسا دیتے پانی میں غرق کر دیتے یا کوئی اور عذاب بھیج دیتے تو قادر تھے۔ انہیں جلاوطن نہ کیا جاتا تو اُن پر کوئی اور عذاب آجاتا لیکن اللہ کی طرف سے اُنہیں سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے لیے مہلت اور فرصت دی گئی۔ اگر اپنی بات پر ہی قائم رہے تو یہ طے ہے، فرمایا: وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے۔

اگر اپنی روش پر قائم رہے تو آخرت میں نہیں بچ پائیں گے وہاں مہلت نہیں ملے گی۔ دنیا میں تو اللہ کریم احسان فرماتے ہیں اور کفر پر، گناہ پر بھی کسی سے زندگی کے وسائل نہیں روکتے۔ صحت، رزق، اولاد، مال و زر، عہدے، اختیارات سب دیتے ہیں تو انسان کو بھی سوچنا چاہیے کہ سب چیزوں کا انجام کیا ہوگا! یہ سب چیزیں تو وقتی اور لمحاتی ہیں اور جب یہ چھٹ جائیں گی تو میرے دامن میں باقی کیا ہوگا؟ جب تک اللہ کریم نے مہلت دی ہے، جتنی زندگی ہے، وہ اس فکر کے لیے ہے کہ انجام کیا ہوگا!

اگر کفر پر ہی مر گئے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آخرت میں اُن کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

دنیا اور آخرت کی تباہی کا سبب:

ان لوگوں پر دنیا میں مصیبتیں آنے کا اور آخرت تباہ ہونے کا سبب کیا تھا، وجہ کیا ہوئی؟ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں۔

ان کے لیے دنیا اور آخرت کی مصیبتیں اس لیے مقدر ہوئیں کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ جب ان تک دعوت الی اللہ پہنچی تو انہوں نے قبول نہ کی اور الٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔ انکار کرنا بھی جرم ہے لیکن مخالفت کرنا اس سے بھی بڑا جرم ہے کہ کوئی احکامِ شرعی کو روکنے کے لیے کوشاں ہو جائے۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے اور تورات کو مانتے تھے، اہلِ کتاب تھے، مشرک یا کافر

نہیں تھے۔ اپنے زمانے کے مسلمان تھے کہ ہر نبیؑ کے عہد میں نبیؑ کی دعوت اسلام ہی تھا۔ یہود نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا راستہ اپنایا اس لیے رسوا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت دراصل اللہ کی مخالفت ہے۔ یہ قانون ارشاد فرما دیا کہ جو کوئی بھی اللہ کی مخالفت کرے گا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی مخالفت کرے گا وہ اپنے لیے بڑا سخت عذاب مول لے رہا ہے۔

ہم الحمدللہ! مسلمان ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے ایمان کا، اسلام کا اللہ قبول فرمائے لیکن ہم اس مسلمانی کے باوجود اتنے رسوا کیوں ہیں؟ آج مسلمان کو ہی دہشتگرد سمجھا جاتا ہے، ناقابلِ اعتبار اور جھوٹا سمجھا جاتا ہے، چور سمجھا جاتا ہے۔ کتنے مسلمانوں کے آئے دن سرقلم ہونے کی خبر آتی ہے جو حرمین کی سرزمین پر منشیات لے جاتے پکڑے جاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ اگر پکڑے گئے تو سزا کتنی سخت ہے۔ پھر بھی باز نہیں آتے اور شکوہ کرتے ہیں کہ سب مصیبتیں مسلمانوں پر ہی آتی ہیں۔ یہ مصیبتیں آتی نہیں ہیں، مسلمان مصیبتیں خرید رہے ہیں۔ وطنِ عزیز میں دیکھ لیں سارا دن ذرائع ابلاغ بھی اور ہمارے دانشور و سیاسی راہنما بھی چیخ چیخ کر آئین کی بالادستی کی نعرے لگاتے ہیں۔ یہ آئین و دستور کیا ہے؟ یہ وہ ہے جو بیس یا بائیس افراد نے بیٹھ کر طے کر لیا اور وہ کتابِ حیات، وہ دستور جو اللہ نے نازل فرمایا جو طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ آئین نہیں ہے؟ جب ہمارا قومی رویہ یہ ہوگا کہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر الگ دستور بنائیں گے تو انجام کیا ہوگا! جب ملک میں آئین و دساتیر ہی قرآن کے خلاف ہوں گے۔ جب ہم قرآن کو آئین و دستور نہیں مانیں گے، ہمارے حلیے سے لے کر کردار تک یہود و نصاریٰ سے مشابہ ہوگا، ہمارا طرزِ حیات اغیار سے مستعار لیا ہوا ہوگا تو پھر قانون کے مطابق رسوائی ہمارا مقدر ہوگی۔ یہ سیدھا سا قانون ارشاد ہوا ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرے گا وہ ذلیل ہوگا۔ اس ظلمت کے دور میں جو لوگ اللہ کی اطاعت اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم خلوص سے کرتے ہیں وہ بہت آرام میں ہیں۔ اُنہیں اللہ نے عزت بھی دی ہے اور ہر نعمت بھی عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وطنِ عزیز میں ایک اور رواج بن گیا ہے کہ ہر کوئی کہتا ہے مجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور ساتھ 'کالا' بھی لگا لیتے ہیں کہ کسی نے کالا جادو کر دیا یہ کالا، پیلا، نیلا، سفید جادو نہ جانے کون سا ہوتا ہے؟ یہ اپنے کردار کو نہیں دیکھتے کہ کہاں شریعت کی مخالفت کر رہے ہیں، توبہ کر لیں تو کالا جادو ختم ہو جائے گا۔ یہ جادو کسی دوسرے نے نہیں کیا اللہ کی نافرمانی کر کے یہ خود اپنے اوپر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کسی نے میری روزی بند کر دی ہے میرا کاروبار نہیں چلتا تو اُن سے کہتا ہوں کہ کسی نے بند نہیں کی آپ نے خود کی ہے۔ ذرا غور کرو کہ حصولِ رزق میں کہاں کہاں شریعت کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کہیں سود تو نہیں شامل کر لیا؟ یہ ایک عمومی رویہ بن گیا ہے کہ ہم اپنے

کردار پر نظر نہیں کرتے دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔ کیا نظامِ کائنات میں کسی جادوگر کو کوئی دخل ہے؟ اللہ جو کرنا چاہے کیا کوئی جادوگر روک سکتا ہے، جو اللہ نہ کرنا چاہے وہ کوئی جادوگر کرا سکتا ہے؟ جادوگروں کے ساتھ یہ امیدیں لگانے کا عقیدہ ہی غیر اسلامی ہے۔

یہاں قانون ارشاد ہو رہا ہے کہ قومیں جب اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑتی ہیں تو رسوا ہوتی ہیں۔ افراد جب اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑتے ہیں تو افراد بھی رسوا ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی، ذاتی زندگی سے لے کر قومی زندگی تک نظر دوڑانی چاہیے کہ اگر ہمیں کہیں دکھ ہے، تکلیف ہے یا ہم سمجھتے ہیں ہم پر کوئی مصیبت آرہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم نے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ رکھا ہوگا۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ ایوانِ سلطنت سے ماضی میں یہ بات بھی سنی گئی کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس سے بڑا توہین آمیز جملہ کیا ہو سکتا ہے!

مقامِ فنا:

فرمایا: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝۵ کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کریں۔

بنونضیر کے قلعوں اور گھروں کے گرد اگرد اُن کے کھجوروں کے باغات لگے ہوئے تھے۔ جب محاصرہ ہوا تو صحابہ کرامؓ نے کچھ درخت کاٹ دیے اور کچھ باقی رہنے دیے۔ جہاد میں اصول تو یہ ہے کہ کفار کے اسبابِ رزق خراب نہیں کیے جائیں گے، فصلیں تباہ نہیں کی جائیں گی نہ درخت کاٹے جائیں گے لیکن اگر جنگی نکتہءِ نظر سے ایسا کرنا ضروری ہو تو پھر درخت کاٹے جا سکتے ہیں۔ اگر کافروں کی شوکت توڑنے اور شکست دینے کے لیے ایسا کرنا پڑے تو یہ بھی جواز ہوگا۔ چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ نے کچھ درخت کاٹے اور بعض صحابہ کرامؓ نے یہ سوچ کر درخت نہ کاٹے کہ اب شکست بنونضیر کا مقدر ہے۔ یہ ذلیل ہو کر چلے جائیں گے تو درخت بعد میں مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو درخت تم نے کاٹ دیے اور جو باقی رکھے، یہ میری اجازت سے ہوا۔ یہ ہے مقامِ فنا۔ یہ فنا فی اللہ ہے کہ کام صحابہؓ نے کیا اللہ کریم فرما رہے ہیں یہ میرا کام ہے، یہ میں نے کیا ہے۔ جنہوں نے کاٹے اور جنہوں نے نہیں کاٹے دونوں طرف فنا فی اللہ ہے۔ یہ ایک اجتہادی فیصلہ تھا۔ جنہوں نے درخت کاٹے انہوں نے یہ فیصلہ اجتہاداً کیا کہ درخت کاٹنے سے دشمن کی قوت کمزور ہوگی اور وہ مایوس ہوگا۔ دوسرے صحابہؓ کا اجتہاد یہ تھا کہ بنونضیر کی شکست اور

جلاوطنی کے بعد یہ درخت مسلمانوں کے کام آئیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں درخت میں نے کاٹے ہیں، میں نے چھوڑ دیے ہیں یعنی مجتہد کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے۔ اگر اس کے اجتہاد میں کمی رہ گئی، کمزور فیصلہ کیا ہے تو ایک درجہ ثواب کا پائے گا۔ اگر فیصلہ صحیح ہے تو دو درجے ثواب کے پائے گا لیکن کمزور فیصلہ کرنے والے مجتہد پر طعن نہیں کیا جاسکتا چونکہ وہ دیانت وامانت سے رضائے باری کو نگاہ میں رکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اجتہاد کے لیے علم کا ایک خاص درجہ مقرر ہے، ماوشما اجتہاد نہیں کر سکتے۔ مجتہد کے لیے حدیث، فقہ، تفسیرِ قرآن، شانِ نزول، فہمِ قرآن تعاملِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ خلفائے راشدینؓ اور اجماعِ امت یہ تمام علوم جاننے ضروری ہیں۔

یہ علمی مقام صحابہ کرامؓ کو بغیر کسی مدرسے میں گئے نصیب تھا سینہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم کے خزانے اُن کے سینوں میں انڈیلے گئے تھے۔ اس لیے ان کے اجتہاد پر اللہ کریم نے اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی۔ صحابہ کرامؓ فنافی اللہ تھے۔ فنافی اللہ سے مراد ہے کہ وہ عمل کیا جائے جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے اور جو اس کی رضا کے خلاف ہے وہ چھوڑ دیا جائے اور یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ وہ فنافی اللہ تھے۔ اللہ کریم فرمارہے ہیں کہ کچھ درخت تم نے کاٹے کچھ کو اُن کے تنوں پر قائم رہنے دیا یہ اللہ کی اجازت سے ہوا۔ دونوں کے دلوں میں اللہ نے فیصلہ ڈالا۔ جن کا کٹ جانا اللہ کو منظور تھا وہ کٹ گئے اور جو رکھنے منظور تھے، وہ رہ گئے۔ فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد ہے کہ امتی کی اپنی پسند ناپسند باقی نہ رہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے وہ اُمتی کو پسند ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے وہ ناپسند ہو جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ سارا اس لیے ہوا کہ نافرمانوں کو رسوا کیا جائے۔ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے رسوائی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔

اگر ہمیں قومی طور پر یا ذاتی طور پر رسوائی کا شکوہ ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا تلاش کرنا ہوگا کہ ہم کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا فطری نتیجہ، رسوائی ہے۔

مالِ فے :

فرمایا: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

اور جو مال اللہ نے ان لوگوں سے اپنے پیغمبر کو (بغیر لڑائی کے) دلوایا سواس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ولیکن اللہ اپنے پیغمبروں (علیہم السلام) کو جن پر چاہتے ہیں مسلط فرما دیتے ہیں۔ اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

جہاں کفار یا مخالفین بغیر جنگ کے شکست تسلیم کرلیں تو اُس فتح میں جو مال حاصل ہوگا اُسے 'فے' کہتے ہیں۔ 'فے' سے مراد ہوتی ہے ڈھلنے والی چیز جیسے بعد دوپہر سایہ ڈھلتا ہے۔ مالِ فے کا قانون الگ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مالِ غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے جنگ کے بعد فتح پانے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا ہے۔ مالِ فے چونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس میں تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ اور نہ جنگ کی مشقت اٹھائی۔ اللہ نے جب چاہا اپنے رسولوں ؑ کو مخالفین پر غالب کر دیا اس لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، جیسا چاہیں کر سکتے ہیں۔ فرمایا: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔۔۔ جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو (بغیر لڑائی کے) دوسری بستیوں سے دلوایا تو وہ اللہ کے لیے اور پیغمبر کے لیے اور قرابت داروں اور یتیموں اور حاجت مندوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے۔

فرمایا، اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار پر غلبہ دے دیا تو اُن بستیوں کا حاصل شدہ مال صرف اللہ کا مال ہے، جو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ مالِ فَے پر پہلا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود رکھیں، چاہے قرابت داروں کو عطا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں۔ چنانچہ اللہ کریم نے مالِ فَے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کے لیے حلال فرمایا۔ یہ بنیادی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ہے، آپ اپنے قرابت داروں کو دیں، یتیموں اور مسکینوں کو عطا فرمائیں یا مسافروں کو دیں۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر ہے۔ مسافر اور قیدی گھر میں خواہ کتنے رئیس ہوں لیکن سفر اور قید میں صدقات کے مستحق ہوتے ہیں۔

اسلام ارتکازِ دولت کی اجازت نہیں دیتا:

فرمایا: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۔۔۔ تاکہ تم میں جو لوگ دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

اسلام کے مالی نظام نے دولت اس انداز سے تقسیم کی ہے کہ مال صرف امرا میں ہی نہ گردش کرتا رہے بلکہ عوام الناس تک بھی پہنچے، مستحقین، یتیموں اور مسکینوں تک پہنچے اور اس میں مسافروں کا بھی حصہ ہو۔ ایسے تمام راستے بند کر دیے جس میں دولت پر کچھ لوگوں کا قبضہ ہو۔ مثلاً جوا، سود، سٹہ وغیرہ حرام قرار دے کر شراکت کا نظام دیا۔ جو معذور ہوں ان کے لیے زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر اور کفارات وغیرہ کی صورت میں تقسیمِ زر کا قاعدہ عطا

فرمایا۔ تیسرا درجہ حصولِ زر کا مالِ غنیمت اور مالِ فَے کو قرار دیا اور اس کے قواعد وضوابط طے فرما دیے تا کہ مال صرف امراء ہی میں نہ گردش کرتا رہے۔

سنہری اصول:

اللہ کریم نے ایک سنہری اصول اور قانون یہ ارشاد فرمایا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ جو چیز تم کو پیغمبر دے دیں تو وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں (اُس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں یہاں یہ بات نہیں ہے کہ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دینے کا کہا گیا ہے تو ان سب کے حقوق برابر ہو گئے۔ فرمایا، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر ہے اور جو فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے وہی اللہ کا حکم ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیں وہ درست ہے اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رک جانا ضروری ہے۔ یہ بات طے ہوگئی کہ جو کام احادیث میں ملتے ہیں وہ اللہ ہی کا حکم ہے کہ حدیث بھی وحیِ الٰہی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا وہ اللہ کے حکم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں وہی اللہ کا حکم ہے۔ یہ ایک سنہری اصول ہے جو تمام اختلافات کو ختم کر دیتا ہے۔ یہاں اُن حضرات کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جو حدیث کو اہمیت دینے کو تیار نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن کی تفسیر حدیث شریف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سنتِ مبارکہ قرآن کی تشریح ہیں اور قرآن کا وہی مفہوم سمجھنا لازمی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا جس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے وہی مفہوم اختیار فرما کر عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ آج جب نفاذِ اسلام کی بات کی جاتی ہے تو حکمران اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اسلام نافذ کریں تو کس فرقے کا کریں کہ ملک میں مسلمانوں کے اتنے فرقے ہیں!

یاد رہے اسلام نام ہے، کتاب اللہ، قرآن حکیم کا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل کا یعنی حدیث اور سنت کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں اور جتنے فرقے مسلمانوں میں بستے ہیں وہ اس لیے بنتے ہیں کہ وہ اس مفہوم کو چھوڑ کر جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا تھا قرآن میں اپنی مرضی کا مفہوم داخل کرتے ہیں۔ اس طرح ایک نیا فرقہ بنا لیتے ہیں جبکہ اسلام خالص اللہ کا دین ہے۔ حکمرانوں کو چاہیے وہ اسلام نافذ کریں جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو عمل کرنے کا حکم دیا، انہوں نے جیسے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔ آج اگر سب مسلمان اس بات پر متحد ہو جائیں

کہ قرآن کا وہی مفہوم لیں گے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا تو ساری فرقہ بندی ختم ہو جاتی ہے۔

فرمایا، جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیں وہ لے لو، جہاں سے روک دیں وہاں سے رک جاؤ اور اللہ کریم سے اپنا تعلق درست رکھو۔ اللہ سے تمہارا جو رشتہ عبدیت ہے اس میں دراڑ نہ آنے دو۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی برائی ہے، چھوٹی ہے یا بڑی ہے۔ کفر ہے یا فسق و فجور ہے ہر برائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے اور شیطان کی اطاعت بھی ہے۔ کسی نے براہ راست شیطان سے سیکھا یا اس کے کسی سکھائے ہوئے فرد سے سیکھا کہیں سے تو انسان سیکھتا ہے کہ دنیا میں آیا تھا تو لوحِ دل صاف تھی، کچھ نہیں جانتا تھا۔ جو شیطان سے سیکھتے ہیں یاد رکھیں پھر اللہ کریم کے عذاب بھی بہت سخت ہیں۔

مہاجرینؓ وانصارؓ کی عظمت:

یہ مالِ فے اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ اس پر پہلا حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا ہے اور فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ اُن حاجت مند مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبر (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔

فرمایا، جب فقرا کو دینے کی باری آئے گی تو اولیت اُن فقرا، اُن حاجت مندوں کو دی جائے گی جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھر بار، مال و منال ہر چیز چھوڑ دی اور ہجرت کر کے فقیر ہو گئے۔ اُن کے کاروبار، جائیدادیں سب پیچھے رہ گیا اور وہ محض اللہ کی رضا اور کرم پانے کے لیے مہاجر بن کر آ گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد یعنی دین کی مدد کے لیے صرف کر دی۔ یہ لوگ زبانی، عملی، عقیدے کے اعتبار سے، دین پر عمل پیرا رہے اور اس پاداش میں انہیں ہجرت کرنا پڑی۔ رضائے الٰہی کے طالب یہ لوگ سب کچھ برداشت کر کے اللہ کے دین اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے۔ ان مہاجرین صحابہ کرامؓ نے دنیا کو صرف دین کے لیے ترک کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد جب مکہ میں ان کے گھر اسلامی ریاست کے قبضے میں آ گئے تو اگر صحابہؓ چاہتے تو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر سکتے تھے

کہ ہمیں واپس عطا کر دیے جائیں۔ سب نے یک زبان ہو کر یہی عرض کی کہ اب یہ گھر بار اور جائیدادیں ہماری نہیں ہیں۔ ہم نے ان کو اللہ کی راہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اب یہ اللہ کا مال ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ہے جسے چاہیں دیں۔ کسی مہاجرؓ نے اپنا گھر یا جائیداد واپس نہیں لی۔ فرمایا، ''یہ سچے اور کھرے بندے ہیں''۔ اللہ کریم مہاجرین کے خلوص اور صداقت کی گواہی دے رہے ہیں اور آج کا بندہ اپنے ناقص علم کے زور پر اُن پر اعتراض کرے تو یہ چاند پر تھوکنے والی بات ہے۔ اللہ کریم نے تمام صحابہ کرامؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔۔۔ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) سے پہلے (ہجرت کے) گھر میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے (اور) ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے یہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اُن (مہاجرین) کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے بھی پہلے رکھتے ہیں خواہ اُن کو خود احتیاج ہی ہو۔

اب اللہ کریم اُن صحابہؓ کی تعریف فرما رہے ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا چکے تھے یعنی انصارِ مدینہؓ انہوں نے مکہ مکرمہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی تھی۔ انصارِ مدینہؓ نے مکہ کی گھاٹی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ ہم پوری دنیا کی مخالفت قبول کر لیں گے اور اپنی جانیں نچھاور کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا حق ادا کریں گے۔ اُن کا ایثار مثالی تھا کہ انہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں سے دلی محبت کی اور اُن کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں بوجھ محسوس ہو رہا ہو کہ یہ کیا مصیبت آ گئی بلکہ اُنہوں نے دل کی گہرائی میں بھی ذرّہ بھر ناگواری محسوس نہیں کی۔ اللہ کریم انصارؓ کی کتنی تعریف فرما رہے ہیں بلکہ اُن کی دلی محبت کی گواہی دے رہے ہیں اور مجھے حیرت ہوتی جب آج کے دور کے انسان اُن ہستیوں پر اعتراض کرتے ہیں! کتنی حیران کن بات ہے کہ لوگوں نے تفسیرِ قرآن لکھی اور اس میں مہاجرینؓ وانصارؓ کے سرداروں پر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی اعتراض لکھے۔ اللہ کریم دلوں کے حال جانتا ہے اور وہ انصارؓ کے دلوں کے جذبہء ایثار کی گواہی دے رہا ہے۔ وہ ایسے عجیب لوگ تھے کہ خود بھی ضرورت مند تھے لیکن جو کچھ پاس تھا۔ وہ اللہ کی راہ میں مہاجرین کو دے دیا یعنی جو غریب انصارؓ تھے وہ بھی ایثار کرتے تھے۔ انسان کے پاس زائد از ضرورت ہو اور وہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے تو وہ بھی بڑی جرأت اور ہمت کا کام ہے ورنہ تو انسان مال سے چمٹا رہتا ہے۔ اس کے پاس جتنا زیادہ مال ہوتا ہی اس کی محبت بڑھتی ہے اور وہ اتنا ہی مزید چاہتا ہے۔ لیکن

انصارِ مدینہؓ کیا لوگ تھے کہ خود بھوکے رہ لیتے اور اپنے حصے کی روٹی بھی مہاجرین کو اللہ کی راہ میں کھلا دیتے۔ خود حاجت مند ہوتے ہوئے بھی اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کرتے۔

فرمایا: وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۹ اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی مراد پانے والے ہیں۔ فرمایا، جو لوگ اپنے نفس کے لالچ سے بچ گئے وہ کامیاب ہوگئے۔ نفس کا لالچ یہ ہے کہ کوئی میرا، میرا، میرا، کرتے ہوئے مرجائے۔ نفس کا لالچ کبھی ختم نہیں ہوتا، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ نفس کبھی سیر نہیں ہوتا، یہ ایسا برتن ہے جو کبھی نہیں بھرتا۔ اسے قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔ اسے صرف قناعت بھرتی ہے۔ جسے نورِ ایمان نصیب ہوجائے تو نورِ ایمان سے یہ بھر جاتا ہے، اللہ پر اعتماد اسے بھرتا ہے۔ فرمایا، جس نے اپنے نفس کی اس خواہش (لالچ) پر قابو پالیا اور خود کو اس کے شر سے بچالیا وہی ان لوگوں میں شامل ہے جو کامیاب ہوگئے، فلاح پاگئے۔

دنیا اور اس کی لذات مادّی ہیں۔ انسان ان لذات کو اپنی ظاہری حسیات سے محسوس کرکے ان کی طرف کھِچ کھِچا چلا جاتا ہے۔ کیا اس سے بچا جاسکتا ہے؟ انسان صرف مادّی وجود کا نام نہیں ہے بلکہ حقیقی انسان اس کی روح ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب 'الانسان' کہا جائے گا تو اس سے مراد روح ہوگی کہ حقیقی انسان روح ہے۔ جب بدن سے روح جدا ہوتی ہے تو انسان کو انسان کی بجائے میّت کہا جاتا ہے۔ کسی کا والد، بھائی یا بیٹا فوت ہوجائے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ والد کو غسل دو یا بیٹے کو غسل دو بلکہ کہتا ہے میّت کو غسل دو۔ اس کے سارے رشتے ختم ہوجاتے ہیں، اس کی وہ حیثیت ختم ہوجاتی ہے۔

اصل انسان روح ہے جو نورِ ایمان سے حیات پاکر اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت پاتا ہے۔ نفس کے لالچ سے بچنے کے لیے روح میں زندگی ہی نہیں بلکہ صحتمندی اور مضبوطی بھی ہو اور اُس میں روحانی لذتوں کو پانے کا ایک ادراک ہو تو پھر وہ دنیوی لذتوں کو قربان کرسکتا ہے۔ جس نے یہ کام کرلیا، اپنے نفس پر قابو پالیا اور اللہ کی عطا کی لذات کو محسوس کرلیا وہ دوعالم میں کامیاب ہوگیا۔ ایسے لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے تین طبقے:

فرمایا: وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۔۔۔ اور ان لوگوں کا (بھی مالِ فے میں حق ہے) جو ان کے بعد آئے۔

قرآنِ کریم نے پوری امت کے تین طبقے بیان کردیے۔ سب سے پہلے مہاجرینؓ کی تعریف فرمائی اور اُن کی صداقت، دیانت و امانت پر اللہ نے شہادت دی۔ اُمت کا دوسرا طبقہ انصارؓ مدینہ، جنھوں نے مہاجرینؓ کو اپنے گھروں اور اموال میں شریک کرلیا۔ اُن کی مدد اور خدمت دلی خلوص سے کی اور انہیں اپنے شہر میں بسایا۔ تمام صحابہ کرامؓ کی جماعت دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے مہاجرینؓ اور انصارؓ گویا خیر القرون میں سے مسلمانوں کے دو طبقے یہ ہو گئے جن کی تعریف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اُمت کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ سے لے کر قیامت تک مسلمان آئیں گے۔ پوری امتِ مسلمہ کے تین طبقے بن گئے۔ سب سے اوّل مہاجرین صحابہؓ، دوسرے درجے میں انصار صحابہؓ یہ دو طبقے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر گئے اور تیسرا طبقہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تابعینؒ سے لے کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا ہے۔ جو جہاں اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں تعمیلِ ارشاد کرتے ہیں، اللہ کی بخشش چاہتے ہیں۔ اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں تو یہ دعا بھی کرتے ہیں۔ فرمایا: يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا۔۔۔ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرمایئے اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں حسد (بخل) نہ پیدا ہونے دیجیے۔

فرمایا، وہ لوگ جو اُن سے بعد میں آئے وہ اللہ سے تمنا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش دے۔ اُن کی دلی آرزو اور مراد اللہ کی رضا کو پانا ہے یعنی وہ اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور صحابہؓ مہاجرین و انصار کے لیے بھی دعا کرتے ہیں۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اُن پر بھی اپنا کرم اور رضا نازل فرما جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے۔ جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پائی، اُن کی خدمت و نصرت کی اور دین کے نفاذ کا سبب بنے۔ قرآن نے یہ کیسی عجیب بات تعلیم فرمائی کہ جب اپنے لیے اللہ کی بخشش اور رضا چاہتے ہو یعنی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہو دین پر عمل کرتے ہو اور نتیجے میں اللہ کی رضا مانگتے ہو تو صرف اپنے لیے نہ مانگو۔ اُن مہاجرین و انصار صحابہؓ کے لیے بھی دعا مانگو۔ قرآنِ کریم کیا سلیقہ سکھا رہا ہے اور ایمان کی کیا نشانیاں بتا رہا ہے! فرمایا، یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ اے اللہ! اُن عظیم مسلمانوں کے لیے ہمارے دل عظمت و احترام سے بھر دے اور ہمارے دل میں اُن کے خلاف کوئی نامناسب خیال تک نہ آنے پائے۔

یاد رہے یہ باتیں زبانی کہنے کی نہیں ہیں۔ صحیح دعا وہ ہے جو عمل کر کے پھر اس کے نتائج کے لیے مانگی جاتی

ہے۔ دین پر عمل کر کے دعا مانگنا دعا ہے۔ اگر عمل دین کے خلاف کریں اور دعائیں مانگتے رہیں تو یہ مذاق ہے۔ اللہ سے بخشش اور رضا طلب کرنے کے لیے اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے۔ امت کے تیسرے طبقے کے لیے صحابہ کرام مہاجرینؓ وانصارؓ کی محبت اور عظمت سے سرشار ہونا ضروری ہے۔

فرمایا: رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ اے ہمارے پروردگار! بے شک آپ بڑے شفیق (اور) مہربان ہیں۔

مسلمانوں کا یہ تیسرا طبقہ دعا کرتا ہے کہ ہمارے اُن بھائیوں پر کرم فرما جو ایمان میں سبقت لے گئے اور پھر دعا کرتا ہے کہ اُن کے لیے ہمارے دلوں میں بھی کبھی کوئی ناگوار خیال نہ آنے پائے۔ اے اللہ! تُو دلوں کا مالک ہے، ہمارے دلوں میں اُن کی محبت ڈال کہ کوئی ناپسندیدہ شبہ بھی دل میں نہ آئے اس لیے کہ تُو بہت شفقت فرمانے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ گویا محبتِ صحابہؓ شفقتِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی کی دلیل ہے اور اس کا نہ ہونا اللہ کی ناراضگی اور غضب کی دلیل ہے۔

امام مالکؒ اور امام قرطبیؒ کا مسلک:

اس آیہء کریمہ سے امام مالک نے رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل لی ہے کہ جن کے دل میں صحابہؓ کی عظمت نہ ہو جو ان کی صداقت دیانت پر اعتراض کریں اُن کا ایمان مشکوک ہے۔ پھر اسی آیہء کریمہ سے استدلال فرمایا کہ جو شخص مہاجرینؓ وانصارؓ کی عظمت میں شبہ کرے وہ مالِ فے سے حصہ نہیں لے سکتا کیونکہ اس کا اسلام وایمان ہی مشکوک ہو گیا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیہء کریمہ سے محبتِ صحابہؓ کا واجب ہونا ثابت کیا ہے۔ اب محبت تو ایک دلی رغبت ہوتی ہے ایک اضطراری عمل ہے جو ہو جاتا ہے گویا اضطراراً بھی صحابہؓ سے جو رشتہ ہو وہ محبت کا ہو۔

عظمتِ صحابہؓ کے پاسبان، حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب راہِ سلوک میں قدم رکھا تو پہلے سولہ برس اپنے شیخ کے پاس لطائف اور مراقبات سیکھتے رہے۔ فرماتے ہیں، سولہ سال بعد مجھے سالک المجذوبی تک مراقبات ہو گئے تھے تو میں نے تہیہ کیا کہ اب باقی زندگی تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا۔ کاشتکاری میں روزی آجاتی ہے اس پر گزارا ہو جائے گا۔ چنانچہ ملنا جلنا باہر جانا چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں، ایک دن جب روحانی طور پر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست مخاطب نہیں فرمایا لیکن اہلِ مجلس سے ایک بات ارشاد

فرمائی۔ حیاتِ دُنیوی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہی تھی کہ مجلس میں براہ راست کسی بندے کو تنبیہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عمومی بات ارشادفرماتے جس سے وہ بندہ جس کو بتانا مقصود ہوتا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کو سمجھ لیتا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ یہ جو دین کی عمارت ہے اس میں پتھر نہیں میرے صحابہؓ کی ہڈیاں لگی ہیں۔ اس میں گارے کی جگہ صحابہؓ کا گوشت لگا ہے۔ اس میں پانی نہیں لگا بلکہ یہ عمارت اُن کے خون سے سینچی گئی ہے اور کوئی شخص جسے اللہ نے علم دیا ہو اور وہ عظمتِ صحابہؓ کا دفاع کر سکتا ہو لیکن وہ دامن بچا کر گھر بیٹھ جائے تو یہ کوئی مناسب بات نہیں۔ فرماتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ یہ تنبیہ میرے لیے ہے اور میں میدانِ عمل میں آ گیا اور مناظرے کیے، ساری عمر صرف کر دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دمِ واپسیں تک محنت کی، مناظرے کیے حتیٰ کہ جب چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو ہم حضرت رحمۃ اللہ کو وہیل چیئر پر گاڑی تک یا جہاز تک لے کر جاتے۔ آپؒ نے دین کی تبلیغ اور عظمتِ صحابہؓ کی پاسبانی کے لیے سفر اور محنت ومجاہدہ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ آپؒ کا وصال بھی اپنے گھر، علاقہ سے باہر ہوا۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہوتے ہیں جو بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات سن کر اپنی عمر اسی تکمیلِ ارشاد پر نچھاور کر دیتے ہیں۔ یہ ہے مسلمانی، یہ ہے اسلام!

سورۃ الحشر رکوع 2 آیات 11 تا 17

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ
قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا
يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ
الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ
مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا
وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ
اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ
عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾

کیا آپ نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کفار بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہلِ کتاب ہیں اگر تم نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملے میں بھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہیں کہ وہ (بالکل) جھوٹے ہیں ﴿۱۱﴾ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان کے ساتھ لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کو

کوئی مدد نہ ملے گی ﴿۱۲﴾ بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے یہ اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ﴿۱۳﴾ یہ سب مل کر بھی تم لوگوں سے نہ لڑیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (چھپ کر) ان کی لڑائی آپس میں بڑی شدید ہے (اے مخاطب!) تُو ان کو متفق خیال کرتا ہے اور ان کے دل الگ الگ ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ﴿۱۴﴾ ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کاموں کی سزا (کا مزہ دنیا میں) چکھ چکے ہیں اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۵﴾ ان (منافقوں) کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب انسان سے کہتا ہے تُو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں بے شک مجھ کو تو اللہ، عالمین کے پروردگار سے ڈر لگتا ہے ﴿۱۶﴾ سو دونوں کا انجام یہ ہے کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہو کر) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے ﴿۱۷﴾

تفسیر و معارف

کافر اور منافق بھائی ہیں:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔۔۔کیا آپ نے اُن منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کفار بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہلِ کتاب ہیں۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کا حال ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اپنے بھائیوں سے، اہلِ کتاب کفار سے کیا کہہ رہے ہیں۔

یہاں منافق کو کافر کا بھائی کہا گیا ہے اس لیے کہ منافق بھی ایک طرح کا کافر ہوتا ہے بلکہ کافر سے بدتر ہوتا ہے۔ کافر کا سیدھا سیدھا پتا چلتا ہے کہ یہ کافر ہے لیکن منافق بظاہر مسلمان ہوتا ہے کیونکہ منافق خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن درحقیقت ہوتا کافر ہے۔ دوسری بات ارشاد ہوئی کہ یہ اپنے کافر اہلِ کتاب بھائیوں سے 'یعنی اہل کتاب بھی'

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تو اللہ کریم نے انہیں کافر فرمایا ہے تو بھلا آج کے یہود و نصاریٰ اس سے ہلکے کیسے تصور کیے جا سکتے ہیں؟ فرمایا، یہ جو کافر ہیں اہلِ کتاب میں سے یہ منافقوں کے بھائی ہیں اور منافق انہیں سہارا دیتے ہیں۔ فرمایا: لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿11﴾ اگر تم نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی بھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہیں کہ وہ (بالکل) جھوٹے ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو شہر بدر ہونے کا حکم دیا تو منافقین نے بنونضیر سے کہا کہ اگر مسلمانوں نے تمہیں شہر بدر کیا تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ ہم کہیں گے کہ اگر ان کو شہر بدر کیا جاتا ہے تو ہم بھی ساتھ جائیں گے تو اتنے لوگوں کو نکالنا مسلمانوں کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ تمہیں شہر بدر وہی کر سکے گا جو تمہارے ساتھ ہمیں بھی نکال باہر کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے بارے میں ہم کسی کی بات نہیں سنیں گے کہ کوئی کہے کہ تم تو مسلمان ہو تم کفار کا ساتھ کیوں دے رہے ہو؟ یہ بات ہم نہیں سنیں گے، ہم کسی کی پروا نہیں کریں گے۔

یہود نے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کیے ہوئے تھے لیکن عہد شکنی کی اور اس عہد شکنی کے پیچھے منافقین کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے یہود کو اس بات پر بھی اکسایا کہ وہ مدینہ نہ چھوڑیں اور یقین دلایا کہ اگر انہیں شہر بدر کیا گیا تو منافقین بھی ساتھ جائیں گے اور اگر مسلمانوں نے اُن سے جنگ کی تو یہ یہود کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اللہ اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں کہ منافق کسی کا دوست ہوتا ہے نہ کسی سے سچی بات کرتا ہے۔ فرمایا: لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿12﴾ اگر یہ نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان کے ساتھ لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد نہ کریں گے۔

قرآنِ حکیم ایک ابدی کتاب ہے اور اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے ایک قانون اور اصول ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کو آج کے حالات کے تناظر میں دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اسلام کا دعویٰ رکھنے والے بھی حمایت کافروں کی کرتے ہیں اور کافروں سے مل کر انہیں مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ جب وہ کافر کسی مسلمان ملک پر حملہ کرتے ہیں تو یہ کافروں کا ساتھ دیتے ہیں لیکن میدان میں نہیں جاتے، لڑتے نہیں۔ اللہ کریم نے فرما دیا کہ منافق صرف اُکساتے اور ہشکاتے ہیں، عملی طور پر یہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ فرمایا، یہ منافقین جھوٹ

بول رہے ہیں اگر یہ یہود شہر بدر کیے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور جنگ ہوئی تو بھی ساتھ نہیں دیں گے۔ اگر منافقین جنگ میں کفار کے ساتھ شامل ہو بھی گئے تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس لیے کہ منافق اپنے مفاد نہیں چھوڑ سکتا چہ جائیکہ اپنی جان قربان کرے۔ اوّل تو منافقین میدان میں اتریں گے ہی نہیں اور اگر کفار یا اہلِ کتاب کی حمایت میں میدان میں اترے بھی تو انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اُنہیں بھی شکست ہوگی اور یہ پہلے بھاگ جائیں گے۔ دونوں طبقوں کا کوئی بھی معاون و مددگار نہیں ہوگا۔

منافق کی خصوصیات:

منافق کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنا ذاتی فائدہ تلاش کرتا ہے۔ خود کو مسلمان کہتا ہے لیکن ہوتا کافر ہے۔ یہ خود کو مسلمان کیوں کہلواتا ہے؟ یہ مسلمان صرف اس لیے کہلواتا ہے تا کہ کوئی دنیوی فائدہ حاصل کر لے مسلمان حکومت سے یا مسلمانوں سے کوئی مالی یا دنیوی فائدہ حاصل کر سکے۔ کفار سے دوستی کے باوجود، انہیں جنگ کی ترغیب اور مدد کے باوجود، اُن کا ساتھ نہیں دے گا اس لیے کہ اُن کا ساتھ دینے میں اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ منافق نقصان نہیں اٹھانا چاہتا۔ فرمایا: لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ۔۔۔ بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ منافق مسلمانوں سے ڈرتے ہیں اور اُن کے مقابلے میں نہیں آنا چاہتے۔ منافق اللہ کریم سے نہیں ڈرتے اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں لیکن مسلمانوں سے ہیبت زدہ ہیں یعنی انہیں ایمان بالغیب نصیب نہیں ہے۔ چنانچہ ظاہری اسباب میں جو چیز سامنے نظر آتی ہے اس سے ڈرتے ہیں۔ انہیں اللہ کی نسبت، ظاہری اسباب میں مسلمانوں کی ہیبت اور شان و شوکت سے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ دنیوی فائدہ چونکہ مادّی حسیات محسوس کرتی ہیں اور اُخروی فائدہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، اللہ کی کتاب نے بتایا تو اُس کو محسوس کرنے کے لیے ایمان بالغیب چاہیے، جس سے یہ محروم ہیں۔ منافق کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیوی فائدے کے لیے آخرت کو چھوڑ دیتا ہے۔ آخرت کے یقینی فائدے کو دنیا کے موہوم فائدے کے لیے چھوڑ دینا بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ دنیا کے لیے آخرت کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ نے دنیوی نقصان برداشت کیے، گھر بار، مال جائیدادیں سب کچھ چھوڑ کر ہجرتیں کیں لیکن آخرت حاصل کرلی۔ منافق اللہ سے زیادہ مسلمانوں سے کیوں ڈرتے ہیں؟ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾ یہ اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔

منافقین بنیادی طور پر عقل سے عاری اور بے وقوف قوم ہے جو اللہ کریم کی عظمت کا انکار کر دے، اپنے

ظاہری اسباب کو دیکھ کر اپنے لیے نفع نقصان طے کرے، اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی! ایک یقینی فائدے کو ایک موہوم فائدے پر قربان کر دیتے ہیں گویا عقل سے عاری ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے اور فرمایا: لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ۔۔۔ یہ سب مل کر بھی تم لوگوں سے نہ لڑیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (چھپ کر)۔ فرمایا، اگر انہیں کبھی مسلمانوں سے لڑنا بھی پڑا تو یہ دوبدو جنگ کی ہمت نہیں رکھتے لہٰذا یہ قلعوں میں پناہ لے کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر لڑنے کی کوشش کریں گے۔ یہ میدان میں آنے کی جرأت نہیں رکھتے، حیلے بہانوں سے جنگ کریں گے۔ منافق مومنین کے مقابل آ کر لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے ہمیشہ چھپ کر وار کرتے ہیں، نقصان کرنے کے بہانے کرتے ہیں۔ ظاہراً کہتے ہیں کہ ہم تمہارا فائدہ کر رہے ہیں جبکہ درحقیقت اس میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ ان آیاتِ کریمہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج بھی غیر مسلم دنیا دوستی کے پردے میں مسلمانوں سے دشمنی کرتی ہے۔

کفر میں اتحاد نہیں:

فرمایا: بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔۔۔ ان کی لڑائی آپس میں بڑی شدید ہے۔ (اے مخاطب!) تو ان کو متفق خیال کرتا ہے اور ان کے دل الگ الگ ہیں۔

کفر اور نفاق کی ایک بہت بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسی بات پر ان کا اتفاق نہیں ہوتا۔ کافر اور منافق کسی بات پر متحد نہیں ہوتے۔ ان کی آپس کی جنگیں بڑی شدید ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مفادات کو تہس نہس کرتے رہتے ہیں جبکہ مومنین کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہ بظاہر بڑے متحد نظر آتے ہیں لیکن اصل میں ان کے دل جدا جدا ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا عقیدہ ہے۔ اہلِ کتاب اور کفار کو تو چھوڑ دیں، اس بات کا تجربہ ہوا کہ جو فرقِ باطلہ اسلام کے نام پر بن گئے ہیں اُن میں کسی ایک کا عقیدہ دوسرے سے نہیں ملتا۔ مختلف فرقوں کے مختلف افراد سے مسائل پوچھے تو ہر ایک کی رائے الگ تھی۔ کفر یا نفاق میں اتفاق ممکن نہیں اس لیے کہ ان کے دل الگ الگ ہیں۔ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ بت پرست بھی کسی ایک بت پر متفق نہیں ہوئے۔ اگر ان میں اتفاق ہوتا تو بعثتِ عالی کے وقت بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت کیوں ہوتے؟ پھر یہی نہیں ان تین سو ساٹھ بتوں کے علاوہ ہر کافر و مشرک نے اپنے گھر کا ایک الگ بت بنایا ہوا تھا۔ آج برصغیر میں ہمسایہ ملک میں ہندوؤں کی MYTHOLOGY کا مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے کہ ہر ایک کا الگ بت ہے اور اس کی اس بات سے وابستہ امید الگ ہے۔ ہر کام کے لیے الگ الگ بتوں کو پوجا جاتا ہے۔ یہ کبھی ایک حقیقت پر متفق نہیں ہو سکتے اور آپس میں ان کی جنگیں جاری رہتی ہیں۔ آج بھی غیر مسلم ممالک جو

مسلمانوں کے خلاف تو متحد ہو کر لڑتے ہیں لیکن ان کی آپس کی جنگیں بہت شدید ہیں۔ ماضی قریب میں عالمِ کفر کی چالیس یا بیالیس بڑی بڑی طاقتوں نے مل کر افغانستان پر حملہ کیا جو ایک غریب قوم ہے۔ اُن کے پاس قدیم، بوسیدہ اسلحہ تھا لیکن زمین پر اُن سے میدان میں لڑنے کا حوصلہ نہ کر سکے لہٰذا آسمان سے اُن پر آگ برساتے رہے۔ جب اپنی دانست میں سارے ملک کو تہس نہس کر چکے تو فوج کو زمین پر اتارا اور وہاں قلعے بنا کر اندر بیٹھے ہیں۔ اب یہ چالیس کے قریب ممالک بظاہر تو متفق ہیں لیکن اگر دیکھا جائے تو اقتصادی امور میں سب ایک دوسرے کو مات دینے اور ایک دوسرے سے مفاد حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کی تگ و دو میں ہیں۔ اقتصادی امور میں سب کافروں میں گویا ایک جنگ لگی ہوئی ہے۔ ان کے دل الگ الگ ہیں۔

یہ تو صرف ایمان کی خصوصیت ہے کہ مومنین کے دل ایک عقیدے پر، توحید اور رسالت، آخرت وضروریاتِ دین پر متفق ہو جاتے ہیں۔ کافروں کے دل الگ الگ ہیں اور یہ کیوں ہیں؟ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے وقوف قوم ہے، عقل سے عاری لوگ ہیں۔ وہ عقل جو دنیوی فائدے کے لیے آخرت کو چھوڑ دے، فرمایا وہ عقل نہیں ہے بلکہ جہالت کی انتہا ہے۔ ایک شخص پی ایچ ڈی بھی کر لے تین چار ایم اے کر لے، تجربہ کار ہو لیکن اس کا آخرت پر یقین ہو نہ اُسے نماز آتی ہو نہ حلال حرام سے آشنا ہو تو جو دین کی نہیں جانتا وہ دنیوی علوم کتنے بھی حاصل کر لے قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ جاہل ہے۔ سب سے بڑی جہالت عظمتِ الٰہی سے ناآشنائی ہے۔ جو انسان عظمتِ باری کو پہچان نہیں سکتا وہ بے وقوف ہے۔ اُس کے عقلمند ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک دفعہ ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ انہی دنوں ہندوستان کے نامور وزیراعظم کا انتقال ہوا تھا تو کسی ساتھی نے تذکرہ چھیڑ دیا کہ مرنے والا شخص بہت مدبر اور دانا تھا۔ اس نے انگریزوں کے خلاف بڑی سیاسی جنگ لڑی اور کانگرس کا بڑا دانشور رکن تھا۔ جب اس طرح کے دو تین جملے آنجہانی وزیراعظم کے لیے کہے گئے تو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تڑپ اُٹھے۔ کہنے لگے ذرا یہ بتاؤ کہ وہ مسلمان تھا؟ ساتھی نے کہا نہیں وہ ہندو تھا۔ کہنے لگے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے آگاہ نہیں وہ دانشور کیسا ہے؟ اس سے بڑا بے وقوف کون ہوگا؟ اس کی دانش کی تعریف کیوں کر رہے ہو؟ اگر وہ عقلمند ہوتا، دانشور ہوتا تو اللہ کو پہچانتا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا۔ جو نہیں نہیں پہچان سکا اُسے آپ دانشور کہہ رہے ہیں! یہی بات قرآن فرما رہا ہے کہ یہ عقل سے عاری قوم ہے۔

فرمایا: كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۔۔۔ ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کاموں کی سزا (کا مزہ دنیا میں) چکھ چکے ہیں۔

فرمایا، ان سے پہلے بھی تو ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے جہالت میں عمریں ضائع کر دیں اور عظمتِ الٰہی سے نا آشنا رہے۔ ان سے پہلے ماضی بعید سے لے کر ماضی قریب میں کفارِ مکہ اور یہود کے بنی قینقاع بھی اپنے کردار کا نتیجہ چکھ چکے ہیں۔ سب قوموں نے اپنی کرتوتوں کا بدلہ پالیا کسی پر آگ برسی کوئی زلزلے سے تباہ ہوئی اور کوئی غرق ہوئی۔ اُن پر بہت مصیبتیں اور عذاب آئے۔ فرمایا: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی رسوا ہوئے تباہ و برباد ہو گئے لیکن ان کے کفر کا کفارہ ادا نہ ہو سکا تو آخرت میں پھر دردناک عذاب کی نذر ہو جائیں گے۔

منافق اور شیطان میں مماثلت:

فرمایا: كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ ان (منافقوں) کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب انسان سے کہتا ہے تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے بے شک مجھ کو تو اللہ، عالمین کے پروردگار سے ڈر لگتا ہے۔

فرمایا، ان منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے کہ وہ بھی اِن کی طرح انسان کو اللہ کی نافرمانی اور کفر اختیار کرنے کے مشورے دیتا ہے۔ ایسی باتیں کرتا ہے کہ چھوڑو اسلام میں کیا رکھا ہے۔ یہ سب قصے ہیں کہ آخرت ہوگی، کس نے دیکھی ہے، بس یہ دنیا ہے۔ دنیوی فوائد حاصل کرو۔ سود لو، اُس میں بڑی آمدن ہے۔ ورنہ یہ پیسے ختم ہوں جائیں گے تو کیا کرو گے، سود پر جمع کرا دو اور بے فکر ہو کر کھاتے رہو! آج کل بھی یہی ہو رہا ہے۔ لوگ بھول چکے ہیں کہ صرف اللہ ہی رازق ہیں فرمایا، ان منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے جو انسان کو مشورہ دیتا ہے کہ دین کی باتیں چھوڑ، دنیوی فائدہ اٹھا اور جب وہ بندہ شیطان کے کہنے پر کفر اختیار کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں تجھ سے بے زار ہوں۔ میں اس میں تیرا شریک نہیں ہوں۔ اگر تو کافر ہو گیا ہے تو تُو اپنی خود بھگتے گا، میں تیرے ساتھ ہرگز نہیں ہوں۔ فرمایا: اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو ساری کائنات کا پروردگار ہے۔

شیطان اور مومن دونوں اللہ سے ڈرتے ہیں، فرق کیا ہے؟

شیطان اللہ سے ڈرنے کا اقرار کر رہا ہے اور مومن کی بھی یہ بڑی صفت شمار ہوتی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے تو فرق کیا ہے؟ مومن کا اللہ سے جو رشتہء ایمان ہے اس کے دل میں جو عظمتِ الٰہی ہے، جو تعلق ہے، وہ اس تعلق میں بال

آنے سے ڈرتا ہے۔ مومن محبتِ الٰہی میں ڈرتا ہے کہ میرے رشتے میں کوئی بال نہ آجائے۔ شیطان کا ڈرنا ویسا ہے جیسا ایک کمزور طاقتور سے ڈرتا ہے۔ شیطان جانتا ہے کہ وہ ایک حقیر مخلوق ہے اور اللہ قادر ہے طاقتور ہے۔ شیطان نے جب سجدے سے انکار کیا تو تب بھی یہ اقرار کیا کہ اے اللہ! تُو خالق ہے، تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا یعنی سجدے سے انکار کیا لیکن یہ مانا کہ اللہ خالق ہے اور وہ مخلوق ہے۔ شیطان غضبِ الٰہی سے ڈرتا ہے محبتِ الٰہی میں نہیں ڈرتا۔

کافر، منافق اور شیطان کا ایک انجام:

فرمایا: فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾ سو دونوں کا انجام یہ ہے کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوکر) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

ان کا انجام یہ ہوگا کہ دھوکا دینے والا شیطان یا شیطان کا کردار ادا کرنے والا انسان اور ان سے دھوکا کھانے والا انسان، جو ان کی بات مان کر دین کی مخالفت کرے، سب جہنم میں جائیں گے۔ دونوں کا انجام، عاقبت ایک ہے کہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ظالموں کی سزا ہے۔

شیطان جنّات میں سے ہے اور جنات کے لیے کفر و شرک پر جہنم کی سزا ہے۔ جتنا عرصہ کفر و شرک کیا، اس پر خواہ صدیوں کی سزا مرتب ہوئی لیکن وہ ایک دن مکمل ہو جائے گی اور جنات کو فنا کر دیا جائے گا۔ جو جنات نیکی کرتے ہیں وہ جہنم جانے سے بچ جائیں گے انہیں پہلے ہی فنا کر دیا جائے گا۔ شیطان کے لیے اللہ نے خلود فرمایا ہے۔ دنیا میں بھی اسے استثنا حاصل تھا کہ اسے قیامِ قیامت تک مہلت دے دی جبکہ باقی جنات زندگی کی مدت پوری ہونے پر مر جاتے ہیں۔ شیطان کو آخرت میں بھی استثنا ہے کہ وہ فنا نہیں ہوگا۔ اُسے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا اور ظالموں، بدکاروں کا یہی نتیجہ یہی انجام ہونا چاہیے۔

جس طرح اطاعت اور فرمانبرداری پر انعام مرتب ہوتا ہے، اسی طرح کفر اور گناہ پر سزا مرتب ہونا اس کا فطری نتیجہ ہے۔ جس طرح میٹھا کھانے سے لطف آتا ہے اور کڑوا کھا کر تلخی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح کردار کے بھی نتائج ہیں۔ یہ حتمی نتیجہ ہے کہ گناہ پر سزا مرتب ہوتی ہے اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ گناہ کرتے ہوئے غضبِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے کہ گناہ کا یقینی نتیجہ اللہ کی ناراضگی، عذاب اور دکھ ہیں۔

جسے دو چیزوں میں انتخاب کا حق دیا جائے اور راہنمائی بھی کر دی جائے کہ ایک چیز سانپ ہے جو ڈس لے گا اور دوسری سونے کی ڈلی ہے تمہارے کام آئے گی۔ اب اگر وہ سونا چھوڑ کر سانپ کا انتخاب کرتا ہے تو نتیجے کا ذمہ دار خود ہوگا۔ وہ نیکی چھوڑ کر برائی کی طرف جاتا ہے تو یاد رکھے کہ ہر عمل کے نتائج ہوتے ہیں۔ جیسا کسی کا عمل ہوگا ویسا ہی پھر اسے نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

سورۃ الحشر رکوع 3 آیات 18 تا 24

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ
فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ
وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى
جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ
يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے واقف ہیں۔ اور ان لوگوں کی مانند مت ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس (اللہ) نے ان کو ایسا کر دیا کہ اُنہیں خود اپنی خبر نہ رہی۔ ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں ﴿۱۹﴾ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہو سکتے اہلِ جنت کامیاب لوگ ہیں ﴿۲۰﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا اور

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں ﴿۲۱﴾ وہ اللہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے وہ بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ﴿۲۲﴾ وہ اللہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات، سلامتی، امن دینے والا، نگہبان غالب، زبردست، بڑائی والا ہے اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے ﴿۲۳﴾ وہی اللہ پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اُسی کے لیے سب اچھے نام ہیں سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اُس کی پاکی بیان کرتی ہیں اور وہی زبردست، حکمت والا ہے ﴿۲۴﴾

تفسیر و معارف

تقویٰ اور فکرِ آخرت:

مومنین سے خطاب ہو رہا ہے، فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے واقف ہیں۔ فرمایا اے ایمان والو! اللہ سے اپنا تعلق، اپنا رشتہ مضبوط رکھو، اس سے ڈرتے رہو۔ اردو میں تقویٰ کا ترجمہ ڈر کر دیا جاتا ہے لیکن یہ وہ ڈر ہے جو رشتے میں دراڑ آنے کا ڈر ہو۔ اے ایمان والو! یاد رکھو کہ اللہ کریم تمہارے خالق ہیں، مالک ہیں، پروردگار ہیں ہر نعمت تمہیں عطا فرما رہے ہیں لہٰذا اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ اس کی اطاعت کرتے رہو اور بندگی کے اس رشتے کو قائم رکھو یعنی کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے اس رشتے میں بال آنے کا اندیشہ ہو۔ تم میں سے ہر ایک کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی اخروی زندگی کے لیے، اپنے آنے والے کل کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔ جو کچھ اس دارِ دنیا میں تم کرتے ہو، جو تمہارا یہاں کردار ہے اُس کے اخروی نتائج تمہی کو بھگتنا ہوں گے۔ اگر اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرو گے تو اپنے لیے اچھائی آگے بھیج رہے ہو لہٰذا آخرت میں انعام پاؤ گے۔ اگر نافرمانی کر رہے ہو تو یاد رکھو تم کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ یہ تو دیکھ لو اپنے لیے آگے کیا بھیج رہے ہو! دنیا میں انسان قتل کر کے سمجھتا ہے کہ میں بڑا بہادر ہوں میں نے فلاں کو قتل کر دیا۔ فرمایا، یہ آخرت میں پتا

چلے گا کہ قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی سزا کیا ہے! کسی نے رشوت لے لی، چوری کر لی، برائی کر لی اور یہ سمجھا کہ بڑا کمال کیا تو اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ آگے کیا اعمال بھیج رہا ہے۔ ہر کام کو کرتے وقت آخرت کو سامنے رکھو اور خیال رکھو کہ وہاں اس کا نتیجہ تمہی کو بھگتنا ہوگا۔ اگر اطاعتِ الٰہی اختیار کرو گے تو آخرت میں اللہ کے لطف و کرم سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ سو ہر متنفس کو اپنے کردار پر نظر رکھنی چاہیے کہ جو کچھ کر رہا ہے اپنے کل کے لیے کر رہا ہے۔ اُس روز کام آنے والا رشتہ تقویٰ ہے یعنی وہ رشتہ جو اللہ سے بندگی اور اطاعت کا ہے اور اللہ کے احسان کو قبول کرنے کا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ تم کوئی کام اللہ کریم سے چھپ کر نہیں کر رہے ہو کہ اللہ کریم کو ہر کام کی خبر ہوتی ہے۔

گناہ کا سبب، غفلت:

فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾

اور اُن لوگوں کی مانند مت ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس (اللہ) نے ان کو ایسا کر دیا کہ اُنہیں خود اپنی خبر نہ رہی۔ ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ کریم نافرمانی کا سبب ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ کی یاد بھلا دیتے ہیں۔ جنہیں یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ اس جہان کا کوئی خالق و مالک بھی ہے جس نے یہ نظام بنایا اور اس میں بعض کام کرنے کی اجازت دی ہے، بعض کاموں سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا، ان لوگوں جیسے مت ہو جانا جو اللہ کی عظمت کو بھول گئے، یاد بھلا بیٹھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے۔ انہیں اپنے بھلے برے کی تمیز نہ رہی۔ یہ اللہ کی یاد سے غفلت پر سزا مرتب ہوئی کہ انہیں اپنا آپ یاد نہ رہا اور وہ گناہ اور برائیاں کرتے رہے، جھوٹ بولتے رہے حرام کھاتے رہے۔ یہ سب اپنی تباہی کے اسباب ہیں۔ یہ لوگ کفر و شرک سے لے کر فسق یعنی گناہ تک اپنے اوپر بوجھ لادتے رہے، اپنا بھلا بھی یاد نہ رہا۔ اللہ کی یاد بھلا دینے کی سزا میں پھر وہ گناہ کی زندگی میں دھنس گئے۔ یہ زندگی تو چند روزہ ہے اس میں تو شاید فخر کرتے رہیں کہ ہم نے اتنی دولت جمع کر لی لیکن دنیا میں بھی حرام کی لوٹی ہوئی دولت اُن کے کام نہیں آتی۔ اللہ کی طرف سے ایسی تکلیفیں اور بیماریاں آجاتی ہیں کہ وہی دولت جس سے توقع تھی کہ شان بڑھائے گی وہ ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتی ہے۔ وہی دولت جس سے نعمتیں حاصل کرنے کی امید تھی، وہ پڑی رہتی ہے ایسی بیماریاں آجاتی ہیں کہ کچھ کھا پی نہیں سکتے اور آخرت میں عذاب کا سبب بن جاتی ہے۔ اللہ کو بھول جانے والے پھر اپنے بھلے برے کی تمیز سے بھی عاری ہو جاتے ہیں اور نافرمانی اور گناہ کی زندگی میں ڈوب جاتے ہیں۔

ذکر اللہ:

اللہ کا ذکر تین طرح سے ہے۔ پہلا ذکرِ لسانی کہ زبان کو عظمتِ الٰہی سے آشنا رکھنا۔ ایمان کا اقرار کرنا، تلاوتِ قرآن کرنا، تسبیحات، درود شریف پڑھنا اللہ کا نام لینا۔ ہر سچی اور اچھی بات جو زبان سے ادا کی جائے وہ اللہ کا ذکر ہے کہ ہر نیک بات میں اللہ کی یاد موجود ہے۔

ذکر کی دوسری قسم ہے، عملی ذکر اور یہ بہت اہم ہے کہ کردار میں عظمتِ الٰہی جھلکتی ہو۔ جو کام بھی کریں وہ اُس قاعدے کے مطابق کریں جو کائنات کے مالک نے مقرر فرمایا ہے۔ جس چیز کو جس طرح استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، اس طرح استعمال کرنا، یہ عملی ذکر ہے۔

تیسرا ذکر ہے، ذکرِ قلبی کہ یادِ الٰہی دل میں بس جائے۔ قرآنِ کریم کی ترتیب دیکھی جائے تو ایمان، ذکرِ لسانی اور عملی ذکر کے مختلف درجات ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر ذکرِ قلبی نصیب ہو جاتا ہے۔ ہر درخت کا پھل یعنی ماحصل ہی اس کا بیج بھی ہوتا ہے۔ اگر اُسے سینچا جائے، زمین میں کاشت کیا جائے، اس کی دیکھ بھال کی جائے تو پھر ویسا ہی پورا درخت بن جاتا ہے۔ ذکرِ قلبی عقیدے اور کردار کا ماحصل، پھل ہے لیکن اگر کسی کو ذکرِ قلبی پہلے نصیب ہو جائے تو اس کے عقائد اور اعمال سنورنے لگتے ہیں، پھر وہی درخت بن جاتا ہے۔ یہ تین طرح کے ذکر، اپنے اپنے مقام پر انتہائی ضروری ہیں۔ ورنہ جو اللہ کو بھول جائے وہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔

حق اور باطل ایک جیسے نہیں:

فرمایا: لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہو سکتے۔ اہلِ جنت کامیاب لوگ ہیں۔

جن لوگوں نے اللہ کو یاد رکھا اور اس کے انعام میں انہیں اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نصیب ہوئی گویا انہیں دنیا میں جنت نصیب ہو گئی۔ جنہیں اللہ کی عظمت بھول گئی، اللہ کو یاد کرنا ہی بھول گئے اور نتیجتاً کفر، شرک اور برائی کرتے رہے وہ دوزخ کے مستحق ٹھہرے۔ بھلا آگ میں جانے والوں اور جنتیوں میں برابری ممکن ہے؟

دنیا میں بھی دیکھا جائے تو ایک بندے کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور دوسرے کو حکومت واقتدار دے دیا جاتا ہے تو دونوں میں کتنا فاصلہ ہے! کیا وہ ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ دنیا تو عارضی اور لمحاتی ہے، آخرت ابدی ہے وہاں اہلِ جنت کو اعلیٰ مقامات عطا کیے جائیں گے اور اہلِ جہنم کا کیا ہی برا حال ہوگا۔ کیا دونوں میں کوئی موازنہ ممکن ہے؟

اہلِ جنت کو قربِ الٰہی نصیب ہوگا، رحمتِ الٰہی اور بے شمار نعمتیں ہوں گی جبکہ جہنم تو بے شمار عذابوں کا گھر ہے۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم میں برابری ممکن ہی نہیں۔

فہمِ قرآن کا حاصل، خشیتِ الٰہی:

فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔۔۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔

مادّی دنیا میں پہاڑوں کو مضبوطی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ شہروں، آبادیوں میں مادّی چیزوں میں، مکان، درخت وغیرہ میں سب سے زیادہ مضبوط تر پہاڑوں کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر قرآن انسانوں کی بجائے پہاڑوں پر نازل ہوتا یعنی قرآن کو سمجھنے کا جو شعور انسانوں کو عطا ہوا ہے اگر یہ پہاڑوں کو عطا کیا جاتا اور وہ عظمتِ الٰہی کو جان لیتے تو وہ لرز اٹھتے۔ قرآن میں عظمتِ الٰہی کا ایسا بیان ہے کہ اگر پہاڑ اس کو سمجھ سکتے تو خوفِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہوجاتے وہ اس کو برداشت ہی نہ کر پاتے۔ انسان کے علاوہ اگر قرآن فہمی کی صلاحیت مادّی چیزوں کو عطا کی جاتی اور قرآن اُن کے لیے نازل ہوتا تو وہ عظمتِ الٰہی کے احساس سے ریزہ ریزہ ہوجاتے۔ اے مخاطب! تُو دیکھتا کہ اُن پر کس قدر خوفِ الٰہی مسلط ہوجاتا اور وہ اس خوف سے پھٹ جاتے۔

انسانو! تم کیا بلا ہو! تمہیں شیطان اور نفس نے کن باتوں میں الجھا دیا ہے؟ تم اس مادّی وجود، مادّی ادراکات ولذّات کے ہی اسیر ہوگئے ہو حالانکہ یہ مادّی وجود اصل انسان نہیں ہے۔ اصل انسان تو تمہاری روح ہے اور وہی تمہاری عظمت کا سبب ہے ورنہ تم بھی ایک مشتِ غبار ہو، تم میں کیا رکھا ہے! تم اس مشتِ غبار کی حیات کے پیچھے ہی لگ گئے اور تمہارے اندر عالمِ امر کی جو روح تھی، عظیم نعمت تھی اس کی تم نے نگاہ درست رہنے دی نہ ادراکات وحواس درست رکھے۔ کیا تم نے اس روح کی بھی آنکھیں کھولیں؟ اُسے بھی بولنا سکھایا، اُسے بھی ضروری علوم مہیا کیے، اُس کی غذا اور دوا کا اہتمام کیا؟ اگر تم اس کا اہتمام کرتے تو وہ عظمتِ الٰہی سے آشنا ہوتی۔ اُس کو خوفِ الٰہی ہوتا، اُسے خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی۔ جس طرح مادّی وجود جب دنیا میں آتا ہے تو والدین اُسے بولنا سکھاتے ہیں چیزوں کی شناخت دیتے ہیں اور یوں وہ والدین سے لے کر معاشرے تک سے سیکھتا ہوا بڑا ہوتا ہے اور مادّی چیزوں کو جانتا ہے۔ کیا یہ بچہ صرف مادّی وجود ہی تھا؟ اس میں تو روح بھی تھی، اُس کی تربیت کا بھی اہتمام ضروری تھا۔

فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے

بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں۔ یعنی ایسی مثالیں انسانوں کے لیے اس لیے پیش کی جاتی ہیں تا کہ اُنہیں تفکر نصیب ہو وہ ان پر غور کریں، سوچیں اور سمجھیں۔ اپنی حالت پر غور وفکر کریں۔

اسمائے حُسنیٰ ، اللہ جلّ شانہٗ کی صفاتِ کمال:

فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ وہ اللہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یاد رکھو! وہ ذات ایسی عظیم، بے ہمتا اور لاشریک ہے کہ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ وہ خالق ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ سب مخلوق ہے۔ صرف خالق کی عبادت ہوگی۔ مخلوق اس قابل کہاں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ فرمایا: عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۔۔۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔

وہ اپنی مخلوق کے ہر حال سے واقف ہے۔ کسی چیز کی پوشیدہ صفت بھی اُس پر اتنی ہی عیاں ہے جتنا اس کا ظاہر واضح ہے۔ اس کے لیے ظاہر و پوشیدہ برابر ہے۔ علمِ الٰہی میں جس طرح ظاہر واضح ہے اسی طرح پوشیدہ چیزیں بھی واضح ہیں۔ اللہ ہمہ وقت ہر چیز کے ہر حال سے واقف ہے۔

ہم بعض چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں لیکن اُن کے اندر زہر ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی بڑا خوبصورت لگتا ہے کہ ہم اس کے حسن پر ریجھ جاتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اس کے اندر زہر ہے۔ یہ ظاہر اور پوشیدہ کا فرق ہمارے لیے ہے اللہ تو ہر راز کو بھی جانتا ہے اور ہر ظاہر بات سے بھی باخبر ہے۔ فرمایا: هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ وہ بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے جس میں اوصاف کے اظہار میں دوام نہیں ہوتا۔ اس وزن پر جو اوصاف آتے ہیں جیسے غضبان یعنی بہت غصّے میں یا عطشان بہت پیاسا تو یہ وقتی ہیں۔ غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، پانی پیے گا تو پیاس بجھ جائے گی اسی لیے کہا جاتا ہے، اَلرَّحْمٰنُ لِلدُّنْیَا وَالرَّحِیْمُ لِلْاٰخِرَةِ۔ دنیا میں اس کی رحمانیت ہے اور بے حد وسیع ہے جو رحمانیت کے سائے میں پل رہے ہیں ان میں کافر و مشرک بھی شامل ہیں اُن کو بھی رزق مل رہا ہے، صحت اور اولاد مل رہی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ توبہ کی فرصت مل رہی ہے مہلت مل رہی ہے اس تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچ رہا ہے۔ اللہ کی کتاب موجود ہے لیکن جب زندگی کی مہلت ختم ہو جائے گی تو رحمانیت کے ظہور کا دور بیت جائے گا۔ اس کے آگے ابدی زندگی ہے جس میں اللہ کی رحمت کا ابدی ظہور ہوگا کہ وہ الرحیم ہے۔ رحیم فعیل کے وزن پر ہے۔ اس وزن پر وہ اوصاف آتے ہیں جو دائمی ہوتے ہیں جیسے حکیم، علیم۔ جس نے دنیا میں رحمت کو پالیا وہ آخرت میں بھی پائے گا۔ فرمایا، وہ بہت بڑا مہربان بہت رحم کرنے والا ہے اس کی رحمت بے حد وسیع ہے۔

فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ وہ اللہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی وہی ایک ذات ایسی جس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ عبادت غیر مشروط اطاعت کا نام ہے۔ جو حکم ملے بے چون وچرا تعمیل ہو۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

جو حکم ملے قبول کرنا، یہ اطاعت صرف اللہ کے لیے ہوگی۔ اللہ کے علاوہ اگر اطاعت کی جائے گی تو وہ مشروط ہوگی۔ اگر حکیم صاحب کوئی دوا تجویز کر رہے ہیں تو اُسے اس شرط پر قبول کیا جائے گا کہ اس میں کوئی حرام شامل نہ ہو۔ والد، بھائی، بیٹا یا دوست جو مشورہ دے رہے ہیں یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں کہیں اللہ کی نافرمانی کی بات تو نہیں ہے۔ اگر کسی کی بات مانی جائے گی تو وہ اطاعتِ الٰہی کے ساتھ مشروط ہوگی۔ اللہ کریم جو بات فرماتے ہیں وہ حق ہے اور غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کا حق ہے۔ فرمایا: اَلْمَلِكُ ۔۔۔ بادشاہ (حقیقی) وہ حکمران ہے اسی کی شہنشاہیت ہے یعنی بااختیار صرف اللہ ہے۔ اگر کسی کے پاس کوئی اختیار یا وصف ہے، کوئی کمال ہے تو اللہ کی عطا ہے۔ جب چاہے دے دے اور جب چاہے سلب کر لے۔ دینے پر بھی قادر ہے اور لینے پر بھی قادر ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی ہیں جو کسی نے اس کو دیے ہیں نہ ہی کسی نے اس سے لینے ہیں۔ وہ ذات واحد ولاشریک ہے۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے اور فرمایا: اَلْقُدُّوْسُ ۔۔۔ پاک ذات۔ وہ ہر طرح کی کمزوری سے پاک ہے۔ اس کی ذات میں کسی خامی یا کمزوری کا تصور نہیں۔ وہ پاک ہے اور فرمایا: السَّلٰمُ ۔۔۔ سلامتی۔ ہر معاملے میں اس کی ذات سلامتی کی ضامن ہے۔ جہاں سے اس کی اطاعت کا دامن چھوٹا وہاں سے تباہی اور ٹوٹ پھوٹ شروع ہوجائے گی کہ نافرمانی، عدم سلامتی کا باعث بنے گی۔ فرمایا: الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ ۔۔۔ امن دینے والا نگہبان۔ وہی امن دینے والا ہے، پناہ دینے والا ہے نقصان اور گھاٹے سے تحفظ صرف وہ عطا کرتا ہے وہی نگہبان ہے، وہی رکھوالا ہے، محافظ ہے۔ امن دینے والا حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ ہر طرح کی نگہبانی کرنا اسی کو سزاوار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تحفظ نہیں دے سکتا۔ انسان دنیا میں اس لیے عہدے یا دولت کا خواہاں ہوتا ہے کہ اس سے عزت اور تحفظ ملے گا۔ بہت سے جرائم بھی اسی امید پر کر گزرتا ہے کہ فلاں کو ماردوں گا تو اس کے شر سے بچ جاؤں گا یا فلاں کا مال لے لوں گا تو میری عزت اور دبدبہ میں اضافہ ہوگا۔ فرمایا، یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ عزت، شان وشوکت دینا امن اور حفاظت دینا یہ اللہ کا کام ہے۔ اس کی اطاعت کے دامن میں پناہ لو گے تو یہ سب چیزیں نصیب ہوں گی۔ اگر نافرمانی کرو گے تو دنیا میں بھی ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا جبکہ آخرت یقیناً تباہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ، الْعَزِيْزُ ۔۔۔ زبردست ہے۔ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ: الْجَبَّارُ ۔۔۔ بڑائی والا ہے، جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ مخلوق میں کسی کو انکار کی

جرأت نہیں۔ کوئی چاہے نہ چاہے حکم اسی کا نافذ ہوتا ہے۔ جو اس کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے کفر وشرک کرتے ہیں، جو نافرمانی کرتے ہیں اُن کے وجود کا بھی ایک ایک ذرّہ اُسی کے حکم کے مطابق کام کرتا ہے۔ اسی کے دستِ قدرت میں سب ہیں لیکن جو انکار کر رہے ہیں وہ اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ انسان بیمار ہونا نہیں چاہتا لیکن جب اس کا حکم ہو تو بیمار ہونا پڑتا ہے، مرنا نہیں چاہتا لیکن جب اللہ چاہتا ہے تو اُسے مرنا پڑتا ہے۔ اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ فرمایا: الْمُتَكَبِّرُ۔۔۔ بڑائی والا ہے۔ بڑائی صرف اُسی کو سزاوار ہے جو کسی کا محتاج نہیں کہ حقیقی بڑائی تو یہی ہے۔ جب محتاجی ہو تو پھر بڑائی کس بات کی! انسان ہوا کا محتاج ہے، پانی کا محتاج ہے، سانس لینے کا محتاج، دل کی دھڑکن کا محتاج، معالج اور طبیب کا محتاج، دوا، غذا، نیند، سر پر سائبان کا محتاج ہے۔ انسان کو کتنی احتیاج ہے تو پھر کس بات پر اکڑتا ہے؟ کبریائی صرف اُسے سزاوار ہے جو کسی چیز کا، کسی کام میں، کسی شعبے میں محتاج نہیں ہے۔ فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

مشرکین جس طرح کی باتیں کرتے ہیں، جس طرح کے انہوں نے بت اور دیوتا بنا رکھے ہیں تو انہوں نے دیوتا بھی اپنی طرح محتاج بنا رکھے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں فلاں دیوتا کو بُرے دیوتا نے قتل کر دیا یا فلاں اچھے نے بُرے دیوتا کو مار دیا۔ ان مشرکین کے دیوی دیوتا بھی اُن جیسے ہی ہیں۔ اللہ کریم اُن سب اوہام سے پاک اور بالاتر ذات ہے۔ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اُس کی ذات اس سب سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔ فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ۔۔۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے۔ وہ خود خالق ہے اُسے کسی نے نہیں بنایا۔ اُن کے تو دیوتا پیدا ہوتے ہیں پھر اُنکی دیویاں اور اولادیں بھی ہیں لیکن اللہ کریم تو خود خالق ہے۔ وہ مخلوق کا بنانے والا ہے۔ ہر ذرّے کا بنانے والا وہ خود ہے اور فرمایا: الْبَارِئُ۔۔۔ ایجاد کرنے والا ہے۔ کچھ بھی نہیں تھا اس نے عدم سے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔ کوئی ذرّہ اُس کی خصوصیت یا وصف کسی دوسری چیز کو دیکھ کر نہیں بنایا بلکہ اس نے خود ایجاد کیا ہے۔ فرمایا: الْمُصَوِّرُ۔۔۔ صورتیں بنانے والا۔ ہر چیز کو اُس نے ایک الگ شکل دے دی ہے کہ حقیقی تصویریں وہی بناتا ہے۔ ہر ذرّے کی شکل الگ ہے۔ پانی کے ہر قطرے میں نہ جانے کتنے ذرّے ہیں، ہر ذرّے کی تصویر الگ ہے۔ اُن ذرّات کی تصاویر اب منظر عام پر آ گئی ہیں تو ہر ذرّہ خوبصورت پھول کی طرح نظر آتا ہے۔ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے اللہ کی قدرت کو دیکھ کر۔ خون کے ایک قطرے میں بے شمار ذرّات ہیں ہر ذرّے کی اگر تصویر لی جائے تو وہ الگ ہوگی کیونکہ اُس مصوّر نے اس کو جیسا چاہا بنا دیا۔ مخلوق کا کوئی ذرّہ اپنی مرضی سے اپنی شکل نہیں بنا سکتا۔ وہ ذات مصوّر ہے، وہ سب تصویریں بناتا ہے۔ وہ سب کو شکلیں عطا کرتا ہے۔ فرمایا: لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔۔۔ اسی کے لیے سب اچھے نام ہیں۔ سب خوبصورت اور پیارے نام اسی کو سزاوار ہیں۔ دنیا میں جتنے خوبصورت نام ہیں سب اُسی کے لیے ہیں۔ تمام پاکیزہ اور

عیوب سے پاک نام صرف اسی کے ہیں۔ فرمایا: یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں۔

ارض وسما کی ہر چیز اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ وہ سب کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور ہر شے اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اپنے اعمال سے اس کی پاکیزگی اور تقدس پر گواہ ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔

فرمایا: وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ مخلوق کو اس نے عارضی اوصاف عطا کر رکھے ہیں۔ جانداروں اور بے جان چیزوں میں بے شمار اوصاف رکھ دیے ہیں یہ ساری نعمتیں اسی نے عطا فرمائی ہیں لیکن وہ غالب ہے جب چاہے جس سے جو چاہے نعمت واپس لے لے۔ اس چیز کو ہی نابود کر دے یا اس میں سے وہ صفت منہا کر دے، یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ قادر ہے۔ وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے یہ اس کی حکمت ہے کہ چیزوں میں جو اوصاف اس نے رکھے ہیں ان کی تاثیر کو جس کے لیے چاہے اور جب چاہے بدل دے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا تھا۔

چوں قضا آید حکیم ابلہ شود
روغنِ بادام خشکی می دہد

جب کسی کی قضا آتی ہے تو وہ چیزوں کی تاثیر بدل دیتا ہے تو حکیم و دانا بے وقوفوں جیسے کام کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ چیز کی تاثیر بدلنے پر قادر ہے۔ روغنِ بادام سب سے تر چیز ہے لیکن وہ قادر ہے اس کی تاثیر بدل دیتا ہے اور روغنِ بادام دینے سے مریض کی خشکی بڑھ جاتی ہے۔ وہ غالب ہے چیزوں کے اوصاف بدلنے پر قادر ہے۔ جس کو جو وصف دیا اس نے دیا، بڑھا دے تو بڑھانے پر قادر ہے، کم کر دے تو کم کرنے پر قادر ہے ویسا ہی رکھے تو رکھنے پر بھی قادر ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس نے ہر چیز حکمت سے ترتیب دی ہے لہٰذا انسان کو اس کے بنائے ہوئے طریقوں کو پسند کرنا چاہیے۔ انسان کو ذاتی انتخاب نہیں کرنا چاہیے کہ جو چاہوں وہ لوں۔ اگر اللہ اس چیز کی اجازت دیتے ہیں تو وہ یقیناً اچھی ہے اور اگر اُس نے منع کر دی ہے تو اگر وہ دیکھنے میں اچھی بھی ہے تو نتیجتاً اچھی نہیں ہے۔

سورۃ الممتحنۃ رکوع 1 آیات 1 تا 6

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ
اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ
اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ
يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ
وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ
لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ
تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥

اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان کو دوستی کا
پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آ چکا ہے، وہ اس کے منکر ہیں
پیغمبر کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم اللہ، اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہو، شہر بدر کر چکے
ہیں اگر تم میرے رستے پر جہاد کرنے اور میری رضامندی پانے کی غرض سے
(گھروں سے) نکلے ہو، تم ان سے چپکے سے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھے
خوب معلوم ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا
کرے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۱﴾ اگر یہ تم پر قابو پائیں تو (فوراً)
تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لیے تم پر اپنے ہاتھ (بھی) چلائیں اور اپنی
زبانیں (بھی) اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ ﴿۲﴾ قیامت کے دن نہ تمہارے
رشتہ دار کام آئیں گے اور نہ تمہاری اولاد وہ (اللہ) تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں
گے اور اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتے ہیں ﴿۳﴾ یقیناً تمہارے لیے ابراہیم
(علیہ السلام) میں اور جو لوگ (اطاعت میں) ان کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ
ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ بے شک ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا
پوجتے ہو، ان سے بے تعلق ہیں ہم تمہارے (عقیدے کے) منکر ہیں اور ہم میں
اور تم میں ہمیشہ کے لیے کھلی دشمنی اور بغض رہے گا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ
لاؤ ہاں ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے
لیے ضرور بخشش طلب کروں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے لیے کسی بات کا اختیار
نہیں رکھتا اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ ہی کی
طرف رجوع کرتے ہیں اور (ہمیں) آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے ﴿۴﴾ اے
ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کے ہاتھ سے مصیبت میں نہ ڈالیے اور اے
ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرمائیے بے شک آپ زبردست حکمت
والے ہیں ﴿۵﴾ بے شک ان لوگوں (کے طرزِ عمل) میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ
ہے ایسے شخص کے لیے جو اللہ (کے سامنے جانے) اور قیامت کے دن کی امید رکھتا

ہو۔ اور جو روگردانی کرے تو یقیناً اللہ ہی بے نیاز، تعریف کے سزاوار ہیں ﴿٦﴾

تفسیر و معارف

سورۂ ممتحنہ اُن سورتوں میں سے ہے جو مدنی حیاتِ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کے بارے میں بہت اہم اصول ارشاد ہوئے۔

دنیوی فائدے کے لیے کافر سے دوستی حرام ہے:

قرآنِ کریم کی ترتیبِ نزولی کے اسباب میں جب بھی کوئی واقعہ ہوا اور اس کے نتیجے میں سوال پیدا ہوئے تو جواب میں قرآن نازل ہوا۔ اس کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے ظاہراً جو دو سامنے ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ واقعہ جو نزولِ قرآن کا سبب بنا وہ اس آیت کو یاد کرنے کا سبب بن گیا کیونکہ واقعات عموماً یاد رہتے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ جب آیت نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معنی ارشاد فرما دیے تو اس کے مفہوم و معنی کا تعین ہو گیا اور بات طے ہو گئی۔

سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول بھی ایک واقعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی۔ ایک غریب مہاجر صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جن کے بیوی بچے ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھے اور مشرکینِ مکہ کے ہی رحم و کرم پر تھے کہ اُن کا کوئی کنبہ یا قبیلہ بھی مکہ میں نہیں تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اہلِ مکہ پر احسان کریں تو شاید اُن کے اہل و عیال کے لیے تحفظ کا سامان ہو جائے۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ فتح تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہونی ہے اور اُن کا مقصد مسلمانوں کو نقصان یا ضرر پہنچانے کا نہیں تھا۔ وہ اہلِ مکہ کو پیشگی اطلاع دے کر اُن پر احسان کرنا چاہتے تھے تاکہ اُن کے اہل و عیال کی حفاظت ہو جائے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر مکہ جانے والی ایک عورت کے حوالے کیا جس میں اطلاع کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کل یا پرسوں تو اہلِ مکہ کو پتا چل ہی جانا ہے جب لشکر پہنچ جائے گا تو اگر انہیں پہلے بتا دیا جائے تو شاید یہ ایک وجہ بن جائے کہ ان کے بیوی بچوں کو اُن کی حمایت مل جائے اور انہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اس عورت کے پیچھے بھیجا چنانچہ وہ راستے میں روک لی گئیں اور خط برآمد ہو گیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی غرض دین کی مخالفت نہیں تھی محض خاندان کا تحفظ تھا پھر بھی اس پر شدید گرفت ہوئی۔ یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ

ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا، اللہ نے بھی معاف فرما دیا۔ آج کے کسی دانشور یا عالم کو اُن پر اعتراض کی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ اُن کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آچکا ہے، وہ اس کے منکر ہیں۔ پیغمبر کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم اللہ، اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے ہو، شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میرے رستے پر جہاد کرنے اور میری رضامندی پانے کی غرض سے (گھروں سے) نکلے ہو، تم ان سے چپکے سے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھے خوب معلوم ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اللہ کریم نے ایک قانون ارشاد فرمایا کہ اپنے کسی دنیوی فائدے کی لالچ میں کافروں کے ساتھ دوستی نہ کی جائے۔ اللہ کریم نے اُنہیں اپنا اور مسلمانوں کا دشمن فرمایا اللہ کے دشمن اس لیے کہ وہ اس کے بھیجے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ان کے لائے ہوئے دین کا انکار کرتے ہیں۔ مومنین کے دشمن اس لیے کہ اُنہیں دین کی وجہ سے اس قدر ایذائیں دیں کہ انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔ گھر بار، شہر، مال و منال رشتے سب چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور کیا۔

اُن لوگوں نے دینِ حق، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اللہ کی کتاب قرآن کی اس شدت سے مخالفت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا صرف اس جرم میں کہ مومنین اللہ پر ایمان رکھتے تھے ورنہ اس کے علاوہ دشمنی کا کوئی دنیوی سبب نہیں تھا۔ انہوں نے مومنین سے ایمان کے سبب اس قدر دشمنی کا ثبوت دیا لہٰذا ایسے لوگوں کو دوستی کا پیغام بھیجنا یا دوستی کرنا کسی طور مناسب نہیں بلکہ ممکن نہیں ہے۔ فرمایا، ایک طرف تو تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہو، ہجرت کر چکے ہو اور تمہارا مقصد اللہ کی رضا کو پانا تھا۔ دوسری طرف تم اللہ کے دشمنوں سے بھلائی کی امید رکھتے ہو کہ اُن سے خفیہ دوستی کی کوشش بھی کرتے! اللہ کریم تمہارے ہر کام کو جانتے ہیں خواہ ظاہراً کرتے ہو یا چھپ کر کرتے ہو۔ مومنین میں سے جو بھی ایسا کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا یعنی راہِ ہدایت سے بھٹک جائے گا۔

کافروں سے تعلقات کی حدود ہیں اور اس پر بار ہا بات ہو چکی ہے۔ کافر کے انسانی حقوق بحال ہوں گے۔ اس کی جان مال آبرو کو بھی تحفظ دیا جائے گا۔ اس کے بچوں کو بھی تعلیم، علاج معالجے اور روزگار کی سہولیات دی جائیں جیسی مسلمانوں کے بچوں کو میسر ہوں گی لیکن کافر سے دلی دوستی حرام ہے جہاں کافر سے تعلق کی زد اسلام پر یا کسی اسلامی حکم پر آئے گی تو وہ تعلق حرام ہو جائے گا۔ کاروباری معاملات میں خرید و فروخت ہو سکتی ہے، صلح کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ معاشرتی معاملات میں بھی تعلقات رہ سکتے ہیں لیکن اُس حد تک جہاں تک دین پر حرف نہ آئے۔ ایسا کوئی کام، کوئی تعلق جہاں دین مجروح ہوتا ہو وہ کافر سے رکھنا قطعی حرام ہے۔

اس آیہء کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ اس عظیم انسانؓ سے اگر یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے لیے یہ قدم اٹھایا تو اللہ کریم نے اصلاح فرما دی۔ یہ قانون ارشاد فرما دیا کہ مومن کا کافر سے ایسا رشتہ شرعاً حرام ہوگا جس میں دنیوی فائدے کی طلب میں کافر کو خوش کیا جائے۔ دنیا اور آخرت کا نفع و نقصان اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہے لہٰذا آخرت کے بدلے دنیا خریدنا، نہایت گھاٹے کا سودا ہے۔ اللہ کریم صحابہ کرامؓ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں، یہ کیسے عجیب لوگ تھے کہ اگر بتقضائے بشریت اُن سے کوئی غلطی بھی ہو گئی تو اس پر احکامِ الٰہی نازل ہوئے اور وہ غلطی بھی اصلاحِ امت کا سبب بن گئی، رحمتِ الٰہی کا سبب بن گئی۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے راہنمائی اور ہدایت کا سبب بن گئی۔

آج اگر دیکھا جائے تو دنیا بھر کے اسلامی ممالک کی مسلمان حکومتوں نے کافرانہ نظام اپنا رکھا ہے جس میں مسلمانوں کو جکڑ رکھا ہے۔ سارا معاشی نظام سودی ہے جو کافرانہ ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے مسلمان ممالک میں اس حرام کو کیوں جاری رکھا ہوا ہے؟ مسلمان حکمران، کفار کی خوشنودی اور اُن سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ وطنِ عزیز کا نظامِ سلطنت آج بھی وہی ہے جو انگریز نے ملک کو غلام بنا کر غلاموں پر مسلط کیا تھا۔ نظامِ عدالت، سیاست اور نظامِ تعلیم سب وہی غلامانہ نظام ہے اور یہ شرعاً حرام ہے۔ اس کے ذمہ دار حکمران ہی نہیں ہم سب ہیں۔ حکمرانوں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کافروں کی خوشنودی کے لیے مسلمانوں کو کافرانہ نظام میں نہ جکڑیں۔ اس کے ذمہ دار ہم بھی ہیں کہ ہم بھی جب حاکم بنتے ہیں، ووٹ ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے بھی ہمارے دنیوی مفاد ہوتے ہیں ہم بھی دین داری یا صداقت دیکھ کر ووٹ نہیں دیتے۔ یہ رویہ شرعاً حرام ہے۔ ایک شخص کو آپ ملک کی باگ ڈور سونپنے کے لیے ووٹ دے رہے ہیں تو گویا آپ اس کی دیانتداری، امانتداری اور اہلیت کی گواہی دے رہے ہیں۔ حکمران از خود تو نہیں بن جاتے ہمارے ووٹ سے بنتے ہیں تو بنیادی طور پر اس سارے کافرانہ نظام کو جاری رکھنے کے ذمہ دار ہم بھی ہیں۔ یہ چند روزہ زندگی ہے جو بیت رہی ہے یہ تو سب

پتا چلے گا جب جوابد ہی ہوگی۔ جو قبر میں پہنچ چکے ہیں انہیں سمجھ آ چکی ہوگی۔ ہم جب جائیں گے، ہم بھی بھگت لیں گے۔ اللہ کریم معاف فرمائیں۔

ہمارے ہاں تحریکیں چلتی رہتی ہیں حکومتیں گرانے اور نظام تبدیل کرنے کی لیکن کوئی بھی کافرانہ نظام نہیں بدلنا چاہتا۔ جو تحریکیں چلا رہے ہیں وہ بھی اقتدار کی لالچ میں نظام کی بات کرتے ہیں تا کہ کسی حیلے بہانے سے اقتدار چھین لیں۔ گزشتہ ستر برسوں سے یہی کھیل جاری ہے۔ کتنے لوگ آئے، کتنی سیاسی پارٹیاں آئیں، حکومتیں آئیں لیکن اس کافرانہ نظام کو کوئی نہیں بدلنا چاہتا۔ کافروں کو ناراض کرنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا جبکہ اللہ کی ناراضگی کی کسی کو پروا نہیں ہے۔

کافروں سے بھلائی کی اُمید نہ رکھو:

مسلمان اگر یہ لالچ رکھتے ہیں کہ کافروں کو خوش کرنے سے اُن کا دنیوی فائدہ ہوگا تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کو کافروں سے بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ فرمایا: اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَكُمۡ اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝۲ اگر یہ تم پر قابو پائیں تو (فوراً) تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لیے تم پر اپنے ہاتھ (بھی) چلائیں اور اپنی زبانیں (بھی) اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔

کفار مسلمانوں سے اتنی دشمنی رکھتے ہیں کہ اگر مسلمان اُن کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ مسلمانوں سے کوئی رعایت نہ کریں گے اور انہیں قتل بھی کریں گے، ایذا دیں گے اور طعنے بھی دیں گے۔ کافر تو صرف اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ایمان چھوڑ کر کافر ہو جائیں۔ یہی ایک بات ہے جس پر کافر خوش ہوں گے کہ مسلمان ایمان ترک کر دیں۔ آج اس آیہء کریمہ کی حقیقت کی جھلک افغان اُمریکہ جنگ کے نتیجے میں امریکیوں کے ہاتھوں مسلمان قیدیوں کی حالتِ زار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اصولاً قیدی کی آزادی سلب کی جاتی ہے لیکن اس کے باقی انسانی حقوق بحال رہتے ہیں۔ اسے زندہ رہنے کا حق، لباس پہننے کا، سونے جاگنے کا اور اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کا حق رہتا ہے۔ امریکیوں نے گوانتاناموبے میں جو قید خانے بنائے تھے جہاں مسلمان قیدیوں کو رکھا گیا تھا اس میں وحشت اور درندگی کی تمام حدیں پار کی گئیں۔ وہاں سے نکل کر آنے والے قیدیوں نے اپنی سوانح لکھیں اور وہاں کے حالات سے پردہ اٹھایا ہے۔ جنگ سے پہلے پاکستان میں جو افغانی سفیر تھے وہ بھی وہاں قید رہے۔ اُن کی سوانح نظر سے گزری تو وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے لباس چھین لیے گئے اور ہم ننگے تیمم کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ قرآنِ کریم

کو پھاڑ کر پاؤں کے نیچے پھینکا جاتا اور زبان سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں بکی جاتیں یعنی جو اُن کے بس میں تھا، وہ ایذا انہوں نے پہنچائی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تم کافروں سے دوستی کی امید رکھتے ہو حالانکہ اگر تم اُن کے قابو آ گئے تو وہ تم سے دشمنی کی حد کر دیں گے۔ تمہیں ہاتھوں سے بھی ایذا دیں گے اور زبانوں سے بھی دیں گے۔ ایک ہی بات پر تم سے صلح کریں گے کہ تم بھی ایمان چھوڑ دو۔

آج ہمارے حالات اس بات کے شاہد ہیں کہ ہماری کافروں سے جو تھوڑی بہت دوستی چل رہی ہے وہ اسی اصول پر کہ 'اسلام پر عمل کرنا چھوڑ' پر چل رہی ہے۔ ہم بھی اُن کے ساتھ سودی نظام میں جکڑے گئے۔ زندگی کے اطوار اُن جیسے بنا لیے۔ اسلامی طرزِ حیات کو چھوڑ کر ہم نے تو کفار جیسا حلیہ بھی اپنا لیا۔ فرمایا، یہ دنیا کا لالچ کس لیے؟ اگر مال کے لالچ میں یا کفار سے اس لیے دوستی کر لو کہ تمہارے بچوں کو تحفظ مل جائے گا تو جان لو، فرمایا: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار کام آئیں گے اور نہ تمہاری اولاد۔ وہ (اللہ) تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتے ہیں۔ فرمایا، جن بچوں کی حفاظت کے لیے کافروں سے دوستی کرنا چاہتے ہو کیا یہ اولاد قیامت کو کام آئے گی؟ قیامت کو یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہاری اولاد کتنی تھی بلکہ تمہارا کردار دیکھا جائے گا۔ اس دن اللہ کریم تمہارے درمیان فیصلے فرمائیں گے جن کی بنیاد عقیدہ اور کردار ہوگی، اولاد اور مال نہیں۔ اللہ کریم سب کچھ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تمہارا سارا کردار اللہ کے روبرو ہے بلکہ جو تم سوچتے ہو، جو ارادے رکھتے ہو وہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ دنیوی عدالتوں میں تو جھوٹے گواہ پیش ہو جاتے ہیں، بے گناہ سزا پاتے ہیں اور گنہگار بری ہو جاتے ہیں لیکن وہاں یہ معاملہ نہیں ہے۔ اللہ کریم کسی کے بتانے سے نہیں جانتے بلکہ اپنے علم کے مطابق فیصلے کریں گے کہ ہر چیز اُن کے سامنے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ:

فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔۔ یقیناً تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور جو لوگ (اطاعت میں) ان کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ ہے۔ فرمایا، مسلمان اور کافر کا رشتہ کیسا ہو، اسلام اور کفر میں تعلق کی کیا نوعیت ہو اس میں قابلِ تقلید مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اسوہ حسنہ ہے۔ فرمایا: اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ۔۔

جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ بے شک ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان سے بے تعلق ہیں۔ ہم تمہارے (عقیدے کے) منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے کھلی دشمنی اور بغض رہے گا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو ایمان لائے تھے وہ معاشرے میں کوئی حثیت و مقام نہیں رکھتے تھے، کمزور لوگ تھے۔ پوری قوم دوسری طرف تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، ایک طرح سے تن تنہا ایک طرف تھے، کیونکہ اُن کے ساتھی معاشرے میں کوئی اثر ورسوخ نہیں رکھتے تھے۔ پھر بادشاہ بھی مطلق العنان تھا جو خدائی کا دعویدار تھا، جسے سجدے کیے جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے قوم سے بھی، اپنے خاندان سے اور بادشاہ سے بھی صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے بتوں سے الگ ہوتے ہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور ہم تمام بتوں اور بت پرستوں سے بے زار ہیں۔ ہم اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے۔ ہم تمہاری کافرانہ اداؤں اور فلسفے کا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے درمیان صرف دشمنی اور بغض کا رشتہ ہے۔ تم ہمارے دشمن ہو اور ہم تمہارے دشمن ہیں۔ گویا کفر اور اسلام میں آگ اور پانی کا رشتہ ہے، نور اور ظلمت کا رشتہ ہے۔ دونوں میں مخالفت ہے عداوت ہے اور ایک دوسرے کو اچھا نہ سمجھنا یعنی بغض ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ فرمایا، ہاں! ایک صورت ہے کہ تم کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لو پھر ہمارے بھائی ہو۔ پھر دوستی ہو سکتی ہے، تعلق بن سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ کافر کفر پر ہی رہے اور مومن سے اس کا رشتہ بھی ہو حتیٰ کہ باپ کافر ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو وہ باپ کی وراثت کا مستحق نہیں ہوتا نہ ہی باپ بیٹے کی وراثت کا کوئی حق رکھتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ کی لیکن چند افراد کے سوا اُنکی قوم نے انکار کیا اور اُنہیں ایذائیں دیں۔ بالآخر دست بدعا ہوئے کہ بارِ الٰہا! یہ لوگ مان کر رہنے والے نہیں۔ انہیں تباہ کر دے اور روئے زمین پر ایک کافر بھی زندہ نہ چھوڑ اس لیے کہ ان کی نسلوں سے بھی آئندہ بھلائی کی امید نہیں۔ فرمایا: وَلَا يَلِدُوٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:27) اور ان سے بدکار اور کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ اُن کی دعا مقبول ہوئی اور طوفان آیا جس میں سوائے اُن چند افراد کے جو ایمان لائے تھے، ساری انسانی آبادی غرق ہوگئی۔ اُن میں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک سگا بیٹا اور بیوی بھی شامل تھے۔ جس نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ایک عمر گزاری تھی۔ جب بیٹے کو غرق ہوتا دیکھا تو حضرت نوح علیہ السلام کے دل سے دعا نکلی کہ اللہ یہ میرے خاندان کا فرد ہے اور آپ کا وعدہ تو یہ تھا کہ میرے خاندان کو محفوظ رکھیں گے۔ فرمایا: اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ (ھود:45) بے شک میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے۔ فرمایا: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ھود:46) بے شک وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ

صَالِحٍ (حود:45) یقیناً اس کے اعمال ناشائستہ ہیں۔اس کا عقیدہ اور کردار کافروں جیسا ہے نسبی بیٹا ہونے کے باوجود اس کا آپؑ سے کوئی رشتہ نہیں، کوئی تعلق نہیں۔

فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جو چند افراداُن کے ساتھ ایمان لائے تھے انہوں نے یہی کیا کہ پوری قوم کو، سلطنت، ریاست بادشاہت بادشاہ سب کو دوٹوک فرما دیا کہ ہمارا تمہارے بتوں سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ ہم سب کا انکار کرتے ہیں۔اب ہماری تمہاری ہمیشہ کے لیے دشمنی ہے۔ہاں!ایک بات پر صلح ہوسکتی ہے کہ تم ایمان لے آؤ، اللہ کی توحید قبول کرلو۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد سے اتنی رعایت کی، وہ بھی اس لیے کہ اُنہیں امید تھی کہ شاید اُن کے کہنے سے ایمان لے آئے تو فرمایا: اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ۔۔ہاں!ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے ضرور بخشش طلب کروں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے لیے کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نجات کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ یہ وعدہ فرمایا کہ میں آپ کے لیے دعا کروں گا لیکن کسی فیصلے کا اختیار نہیں رکھتا۔دعا تو ایک عاجزانہ درخواست ہوتی ہے۔فرمایا، میں اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کروں گا کہ آپ کو توبہ کی توفیق دے دے لیکن یہ وعدہ نہیں کرسکتا کہ آپ کی نجات ہوجائے گی چونکہ وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور آج ہماری آرزوئیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (ہمیں) آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کے ہاتھ سے مصیبت میں نہ ڈالیے اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرمائیے۔بے شک آپ زبردست، حکمت والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فیصلہ کن بات کی کہ ہم اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں خواہ مادّی وسائل، حکومت وسلطنت کافر کے پاس ہے نمرود جو خدائی کا دعویدار بھی ہے۔سارے لاؤلشکر، مال ودولت عدالتیں سب اس کے اختیار میں ہیں لیکن ہمارے پاس ہمارے پروردگار کی ذات ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں ہمیں دنیا کی کوئی پروانہیں۔ہم اللہ کی ذات کے ساتھ، اس کے نام کے ساتھ

ہی وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ چونکہ بالآخر ہر ایک نے پلٹ کر اُسی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ یہ دنیا کا اقتدار وحکومت، دولت اور طاقت سب وقتی اور عارضی باتیں ہیں۔ بالآخر ہر کوئی عاجز و درماندہ، مجبور و بے بس اللہ کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑا ہوگا۔ عرض کیا، اے اللہ! ہمیں کبھی کافروں کے تسلط میں نہ دے۔ ہمیں اس امتحان میں نہ ڈال کہ یہ بہت سخت آزمائش ہے۔ اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے تو ہمیں معاف فرما دے۔ اس کی سزا میں ہمیں کافروں کے قبضے میں نہ دے۔

قرآنِ کریم کے یہ ارشادات کتنی راہنمائی فرما رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والے اللہ کے بندے اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ کسی دنیوی فائدے کے لیے ہم کافروں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں چونکہ دنیا میں سدا نہیں رہنا اور پلٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اگر ہم سے کوئی قصور ہو جائے تو معاف کر دینا اس کی پاداش میں ہمیں کافروں کے قبضے میں نہ دے دینا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کسی طرح دارالکفر چلے جائیں۔ گھر، زمینیں بیچ کر یا ادھار لے کر پوری کوشش کی جاتی ہے کہ دارالکفر میں سکونت اختیار کی جائے۔ وہاں کیا ملے گا؟ پیسے ملیں گے۔ کھانے کو حرام ہے تو ہوتا رہے، دین رہے نہ رہے، بس پیسے ملیں۔ پیسے بھی کیا ملیں گے، وہاں جا کر بھی ملتا تو نصیب ہی ہے۔ وہاں جا کر پھر لمبے لمبے خط اور ای میل آتے ہیں، فون کرتے ہیں کہ یہاں حلال گوشت نہیں ملتا، مجبوراً حرام کھانا پڑتا ہے۔ حلال جانور کو بھی مشینیں ہی کاٹتی ہیں، وہ بھی حرام ہوتا ہے۔ میں اُنہیں کہا کرتا ہوں کہ تم یہاں دال سبزی کھاتے گئے ہو۔ یہاں دیہات میں کون سا گھر ہے جہاں روز گوشت پکتا تھا۔ یہ تو اب ذرا خوشحالی آ گئی ہے ورنہ لوگ عیدالاضحیٰ پر گوشت کھاتے تھے یا کسی کے بیل بکری کی ٹانگ ٹوٹ جاتی تو وہ ذبح کر لیتے پھر شادی بیاہ کے موقع پر گوشت کھانے کو مل جاتا۔ میں نے کہا مچھلی حلال ہے، وہ کھالو یا اپنا جانور خرید کر ذبح کر لو تو وہ کہتے ہیں کہ اس کی اجازت نہیں، وہی لینا پڑتا ہے جو مشینیں کاٹتی ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ پھر تم وہاں کیا لینے گئے ہو؟ پاکستان بھی دارالاسلام تو نہیں ہے کہ یہاں انگریز کا لایا ہوا کافرانہ نظام آج بھی مسلط ہے لیکن یہاں ایک بچت تو ہے کہ جو حلال کھانا چاہتا ہے اُسے کوئی زبردستی حرام کھانے پر مجبور نہیں کرتا۔ جو حلال کھانا چاہتے ہیں اللہ اُنہیں نصیب کرتے ہیں۔ جو نیکی کرنا چاہتے ہیں، اُنہیں نیکی سے، عبادت سے، دینی تعلیم حاصل کرنے سے کوئی روکتا نہیں ہے۔ پھر وہاں جا کر یہ بھی خط آتے ہیں کہ بچے آوارہ ہو گئے ہیں، بیٹیاں شادی نہیں کرتیں۔ جواب میں یہی عرض کیا کرتا ہوں کہ بچے جس ماحول میں رہتے ہیں، جہاں کی فضا میں پلتے ہیں اور غذا کھاتے ہیں، ویسے ہی ہوں گے۔ تم کون سا اُن کو بیت اللہ شریف لے گئے تھے کہ وہ پارسا نہیں ہوئے! تم نے اُنہیں دارالکفر لے جا کر کفر میں غرق کیا، حرام کھلایا، کافرانہ ماحول فراہم کیا تو وہ ویسے ہی بنیں گے جیسا ماحول ہے۔

فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے سارے دنیوی اسباب چھوڑ کر پھر یہ دعا بھی کہ اگر ہم سے کوئی کوتاہی بھی ہو جائے تو اُس کی سزا بھی یہ نہ دینا کہ ہم کافروں کے ہتھے چڑھ جائیں۔ گویا یہ بھی گناہوں کی سزا ہے کہ کوئی اسلامی ماحول چھوڑ کر کافرانہ ماحول میں چلا جائے۔

فکرِ آخرت:

قرآنِ کریم دوبارہ ارشاد فرما رہا ہے، فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ بے شک ان لوگوں (کے طرزِ عمل) میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے ایسے شخص کے لیے جو اللہ (کے سامنے جانے) اور قیامت کے دن کی اُمید رکھتا ہو۔ ارو جو روگردانی کرے تو یقیناً اللہ ہی بے نیاز، تعریف کے سزاوار ہیں۔ کتنی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اُس کی محبت کے طالب ہیں اور اپنی ابدی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں۔ آخرت میں اچھا گھر حاصل کرنا چاہتے ہیں وہاں کی نعمتیں پانا چاہتے ہیں یعنی دنیا کے طالب نہیں ہیں بلکہ آخرت کی طلب رکھتے ہیں اُن کے لیے قابلِ تقلید مثال وہ انداز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کا تھا۔ جو کوئی لاپروائی کرے گا، منہ پھیر لے گا، جسے اپنی آخرت کی فکر نہیں ہوگی تو اللہ بھی بے نیاز ہے اور تمام تعریفوں کا مالک ہے۔ اُسے کوئی احتیاج نہیں ہے۔ تمہارے جنت جانے سے اُس کی شان میں اضافہ نہیں ہوگا اور تمہارے نہ جانے سے اُس کی شان میں کمی نہیں ہوگی۔ اُس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ معاملہ تمہارا ذاتی ہے۔ اگر تم نیکی کرتے ہو، حرام کھانے کی بجائے بھوک سہہ لیتے ہو، جھوٹ بولنے کی بجائے نقصان اٹھا لیتے ہو لیکن بات سچی کرتے ہو اور دنیوی فائدے کے لیے کافروں سے دوستی نہیں کرتے تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ اس کا احسان اللہ پر نہ رکھو بلکہ تمہاری اپنی آخرت بن رہی ہے۔ اللہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ کوئی اس کی اطاعت کرے۔ تم اپنے فائدے کے لیے اللہ کی رضا کو پانے کے لیے اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے محنت کرو۔ اللہ تو غنی ہے اور تمام خوبیاں اُسی کو سزاوار ہیں۔

سورۃ الممتحنۃ رکوع 2 آیات 7 تا 13

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ
قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧﴾ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٨﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ
الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ
عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا
هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَاۤ
اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ
فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْۤ اَنْتُمْ
بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا
يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا

يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ
مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ
كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

عجیب نہیں کہ اللہ تم میں اور جن لوگوں سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا فرما دیں اور اللہ قادر ہیں اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۷﴾ جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تمہیں منع نہیں فرماتے بے شک اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں ﴿۸﴾ بے شک اللہ ان لوگوں سے تم کو منع فرماتے ہیں جنہوں نے دین کے بارے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (اوروں کی) مدد کی، کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہیں ﴿۹﴾ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتے ہیں پس اگر تم ان کو ایمان والیاں سمجھو تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو نہ وہ عورتیں ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان عورتوں کے لیے حلال ہیں اور انہوں (کافروں) نے جو کچھ خرچ کیا ہو ان کو ادا کر دو اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لو اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس کر دو) اور ان پر جو خرچ کیا ہو ان سے طلب کر لو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کر لیں یہ اللہ کا حکم ہے جو تم میں فیصلہ کیے دیتے ہیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۰﴾ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے تو ان (کافروں) سے جنگ کرو (اور ان سے تم کو

غنیمت ملے) تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں ان لوگوں کو اتنا دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو ﴿۱۱﴾ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب مومن عورتیں آپ کے پاس اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی (کہ بہتان کی اولاد لے آئیں) اور نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو اُن سے بیعت لے لیجیے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱۲﴾ اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا وہ آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار قبر والوں (کے دوبارہ جی اٹھنے) سے ناامید ہیں ﴿۱۳﴾

تفسیر و معارف

مومنین کی شان اللہ پر بھروسہ کرنے سے ہے:

فرمایا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور جن لوگوں سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا فرما دیں اور اللہ قادر ہیں اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

فرمایا، اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو تو اللہ قادر ہے، تمہاری ایک شان، ایک عظمت بن جائے گی۔ کافروں کو تمہارے اصولوں اور قاعدوں کا پتا چل جائے گا اور انہیں ان کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ وہ اُن حدود و قیود میں آ کر تم سے دوستی کریں گے اس لیے کہ اُنہیں پتا ہو گا کہ اس سے باہر تم سے بات نہیں منوائی جا سکتی۔ اللہ قادر ہے وہ کافروں کو تمہارا محتاج کر دے گا اور انہیں ضرورت پیش آ جائے گی کہ تم سے معاہدہ کیے بغیر اُن کی گزر نہ ہو۔ اللہ کریم ایسے حالات بنا دیتے ہیں۔ وطنِ عزیز کے حالات میں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو جس کافر سے ڈر کر ہم کافرانہ ادائیں اپنائے ہوئے ہیں ہم اس کے محتاج نہیں بلکہ خطے میں سب اس کے دشمن ہیں لہٰذا اُسے ہماری

ضرورت ہے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے دشمن زیادہ ہیں لیکن محتاج ہم بنے ہوئے ہیں۔

فرمایا، اگر تم اپنے دین پر ڈٹ جاؤ، تمہاری اقدار مضبوط ہوں اور کافروں کو یہ یقین ہو کہ یہ اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے تو پھر وہ اُن شرائط پر بھی تم سے دوستی کرلیں گے جن میں تمہارا دین بھی محفوظ رہے اور کافروں سے معاملات بھی چلتے رہیں، لین دین اور کاروبار بھی چلتا رہے اور سب معاملہ دین کی حدود کے اندر بھی رہے۔ اللہ قادر ہے تم اس پر بھروسہ کرو تو وہ تمہارے اور اُن کے درمیان تعلقات بھی بنادے گا۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے اور وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر آج توبہ کرلو، اپنی اقدار کو زندہ کرلو، آج اپنا ایک معیار بنالو تو جو آج تک کر چکے ہو وہ معاف کرنے والا ہے۔ وہ معاف کردے گا۔ وہ بہت بخشنے والا ہے تمہاری پچھلی لغزشیں معاف کردے گا اور تمہیں عزت واحترام دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے جتنے بھی صلح کے معاہدے کیے اس میں کفار کو یہ اچھی طرح پتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین دین کی حدود سے پیچھے نہیں آئیں گے نہ سمجھوتہ کریں گے لیکن اس کے باوجود کفار نے معاہدے کیے۔ یہ معاہدے خود کفار نے ہی توڑے۔ مدینہ کے یہود سے میثاق مدینہ کیا گیا جس کی یہود نے خلاف ورزی کی اور سزا کے طور پر جلاوطن کیے گئے اور قتل بھی کیے گئے۔ اہلِ مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ ہوا جسے خود اہلِ مکہ نباہ نہ سکے چنانچہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی اور مکہ فتح ہوگیا۔

کافروں سے تعلقات کی نوعیت:

فرمایا: لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ۔۔۔ جن لوگوں نے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تمہیں منع نہیں فرماتے۔

مسلمانوں اور کافروں کے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اس کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کافر مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے یا انہیں ہجرت پر مجبور نہیں کرتے اُن سے اچھے تعلقات رکھنا منع نہیں ہیں۔ یاد رہے یہ ہجرت فتح مکہ تک تھی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو وہ گھر چھوڑنے والی ہجرت تو تمام ہوئی لیکن کفر سے اسلام، گناہ سے توبہ اور برائی سے بھلائی کی طرف ہجرت قیامت تک جاری ہے۔ وہ کافر جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے اور انہیں غلط رواج و رسومات غیر اسلامی قوانین چھوڑ کر اسلامی راہ اپنانے سے نہیں روکتے اُن سے اچھے تعلقات رکھنے کی اجازت ہے لیکن عدل اور انصاف کے ساتھ رکھے جائیں گے۔

اس تعلق میں اُن کے حقوق محفوظ رہیں گے عقیدہ اور عمل محفوظ رہے گا اور مسلمانوں کا عقیدہ اور تعاملِ اسلامی بھی مجروح نہیں ہوگا۔ ایسے تعلقات سے اللہ کریم منع نہیں فرماتا اور حکم دیتا ہے کہ ہر حال میں عدل کرو۔ اگر کافر سے بھی تعلق ہو تو انصاف کے مطابق ہو اور مومن سے رشتہ ہو تو بتقاضائے ایمان کے مطابق ہو۔ عدل پر قائم رہنا اس لیے ضروری ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ بے شک اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔ جو لوگ عدل پر قائم رہتے ہیں وہ اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم اُن سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے اُن کافروں سے دوستی منع کی، فرمایا: اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۔۔ بے شک اللہ اُن لوگوں سے تم کو منع فرماتے ہیں، جنہوں نے دین کے بارے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (اوروں کی) مدد کی، کہ اُن سے دوستی کرو۔

اُن کفار سے دوستی کی اجازت نہیں ہے جو مسلمانوں پر جنگ مسلط کریں یا انہیں بے دین کرنے کی کوشش کریں۔ جو مسلمانوں کے ملکوں اور شہروں کو تباہ کریں، گھروں کو برباد کریں اور مسلمانوں کو ہجرتوں پر مجبور کریں۔ اُن کے عقیدے کو تباہ کریں اور انہیں کفر کی طرف ہانک کر لے جانا چاہیں اُن کفار سے دوستی نہیں کی جائے گی۔ اُن کافروں سے بھی دوستی نہیں ہوگی جو اُن کافروں کی مدد اور پشت پناہی کریں جو مسلمانوں کو دین سے نکلنے پر مجبور کریں یا شہروں اور گھروں سے نکالنے والے ہوں۔ اللہ کریم منع فرما رہے ہیں کہ اُن کافروں کے مددگاروں سے بھی دوستی کا کوئی جواز نہیں ہے، کوئی صورت نہیں بنتی اگرچہ عدل سب کے ساتھ ہوگا۔ فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اور جو ان سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔

اگر دعوئے اسلام کے باوجود کوئی ایسے ظالموں سے دوستی کرے گا جو مسلمانوں کے گھر اجاڑ رہے ہیں اور ممالک تباہ کر رہے ہیں اور انہیں کافر بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ بہت بڑا ظالم ہوگا۔ اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا! ایسے کافروں سے دلی دوستی حرام ہے اور ایسا لین دین جو اُن کی طاقت بڑھانے کا سبب بنے جس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں وہ بھی حرام ہے۔ ایسا کرنے والا ظالم ہوگا۔ اگر اُن سے دوستی کرو گے تو تم بہت بڑے ظالم ہو گے۔

دارالکفر سے ہجرت کر کے آنے والی خواتین کا معاملہ:

صلح حدیبیہ کے بعد کچھ خواتین مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچیں تو چونکہ معاہدے میں ہجرت کے حوالے سے یہ عہد تھا کہ اگر کوئی مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا تو وہ اسے واپس کریں گے لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ

والوں کے پاس جائے گا تو وہ لوٹایا نہیں جائے گا۔ مکہ مکرمہ سے کچھ مسلمان خواتین جن کے خاوند مسلمان نہیں ہوئے تھے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو مکہ والے مطالبہ لے کر آئے کہ انہیں واپس کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاہدہ مردوں کے بارے ہے، خواتین نہیں لوٹائی جائیں گی چنانچہ اللہ کریم کا حکم آ گیا۔ فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۔۔۔ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتے ہیں۔ پس اگر تم ان کو ایمان والیاں سمجھو تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو۔

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی خواتین کو لوٹایا نہیں جائے گا لیکن اُن کو آزما کر دیکھا جائے کہ کس مقصد سے آئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جاسوسی کے ارادے سے آئی ہوں یا محض گھریلو ناچاقی کی وجہ سے آ گئی ہوں لیکن اگر اسلام قبول کرنے، ایمان لانے کی وجہ سے ہجرت کر کے آئی ہیں تو پھر یہ کافروں کو واپس نہیں کی جائیں گی۔ اس لیے کہ، فرمایا: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۔۔۔ نہ وہ عورتیں ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان عورتوں کے لیے۔

مومن عورت کافر مرد کے لیے حلال نہیں ہے۔ اگر زمانہء کفر میں نکاح تھا اور دونوں اسلام قبول کر لیتے تو وہی نکاح قائم رہتا لیکن عورت نے اسلام قبول کر لیا، مرد کفر میں رہ گیا تو نکاح ختم ہو گیا۔ وہ عورت اسلامی ریاست میں پہنچ گئی اور نکاح ٹوٹ چکا تو اب وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، لہٰذا اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۔۔۔ اور انہوں (کافروں) نے جو کچھ خرچ کیا ہو اُن کو ادا کر دو۔

فرمایا، اُس کے کافر خاوند نے اگر بطور مہر اُسے کوئی مال دیا تھا تو وہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اُس کافر خاوند کو مال لوٹائیں۔ اس کا مال رکھنے کا مسلمانوں کو حق نہیں ہے۔ فرمایا: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۔۔۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو اُن کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لو۔

فرمایا مسلمان خاتون کا نکاح کافر سے باطل ہو گیا اور اس کافر کا حق ہے کہ جو مال اس نے بطور مہر دیا تھا اُسے واپس کیا جائے لہٰذا اُسے وہ لوٹا کر اس خاتون سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر مسلمان اپنی طرف سے مہر دے کر نکاح کر لیں تو وہ اُن کے نکاح میں حلال ہوں گی۔ مہر ادا کرنا واجب ہے لیکن شرطِ نکاح نہیں ہے۔ نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے۔ مہر ادا نہ کرنے والا تارکِ واجب کا گنہگار ہو گا جبکہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوْا

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس کردو) اور ان پر جو خرچ کیا ہو اس سے طلب کرلو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کرلیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو تم میں فیصلہ کیے دیتے ہیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں۔

فرمایا، اگر تمہارے پاس آنے والی خواتین کافر ہیں یا تم نے ہجرت کی اور تمہاری بیوی نے اسلام قبول نہیں کیا تو ایسی خواتین کو اپنے پاس مت رکھو بلکہ کفار کو لوٹا دو۔ تمہیں یہ حق ہے کہ اس عورت کو اگر کوئی مال دے چکے ہو بصورتِ مہر یا کسی اور طرح سے تو واپس مانگ لو۔ تم کفار سے کہہ سکتے ہو کہ اپنی بیٹی یا بہن لے جاؤ اور اتنا مہر جو میں نے اسے دیا تھا مجھے واپس کردو یعنی عورت اگر کافر ہے تو اسے نکاح میں نہ رکھو بلکہ کافر کو لوٹا دو اور اُن سے اپنا مہر واپس لے لو۔ یہ حکم اللہ کریم کی طرف سے ہے جو تمہارے باہمی تعلقات بناتا ہے۔

یہ بات مومن کے لیے کس قدر باعثِ صد افتخار ہے کہ اُس کے سونے جاگنے، خرید وفروخت، نکاح طلاق، دوستی دشمنی کے سارے پروگرام اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور عین حق ہوتے ہیں۔ ان پر عمل دونوں جہانوں میں مفید ہوتا ہے اور یہ بہت اعزاز کی بات ہے۔ مومن کتنا خوش نصیب اور عظیم انسان ہے کہ اس کے جینے مرنے کے انداز اور احکام اللہ کریم خود مرتب کر کے بھیجتے ہیں اور اللہ کریم بہتر جاننے والے، صاحبِ حکمت ہیں۔ جو نظام وہ عطا فرماتے ہیں اس کے نتائج دو جہاں میں کیا ہوں گے، اُنہیں یہ علم ہے، وہ سب جانتے ہیں۔ وہ حکیم ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سا حکم کہاں اور کیسے ہونا چاہیے۔ شریعت کا کوئی حکم مصلحت کے خلاف نہیں ہوتا لہٰذا دشوار نہیں ہوتا اور باعثِ زحمت نہیں بنتا۔ اگرچہ آج کل لوگ یہ کہتے بھی سنے گئے ہیں کہ اسلام کی پرانی تشریح پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہیے بلکہ نئی تشریح ہونی چاہیے۔ گویا ان کی نظر میں جو تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جو صحابہؓ نے سمجھی اور آگے اُمت کے علمائے حق سینہ بسینہ امانتاً پہنچا رہے ہیں وہ پرانی ہوگئی ہے، اُسے ماننے کی ضرورت نہیں۔

میں سمجھتا ہوں یہ ہمارا جرم اور گناہ ہے کہ ہم دنیوی لالچ میں ایسے لوگوں کو اقتدار میں لانے کا سبب بنتے ہیں۔ ہر ووٹ دینے والے کا اپنا کوئی مفاد وابستہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں عوام مسلمانوں کا اقتدار و اختیار ایسے لوگوں کے سپرد کردیتے ہیں۔ ہم سب کو ووٹ ڈالتے وقت آخرت کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے اللہ کرے وطنِ عزیز پر ایسا زمانہ بھی آئے کہ قوم باعمل اور باعلم مسلمانوں کو ہی آگے لانا چاہے اللہ قادر ہے ہماری خطائیں معاف فرمائے اور ایسی گھڑی بھی لائے۔

فتح کی بشارت:

فرمایا: وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ⑪ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے تو ان (کافروں) سے جنگ کرو (اور ان سے تم کو غنیمت ملے) تو ان لوگوں کو اتنا دے دو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں جتنا اُنہوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

فرمایا، اگر مسلمانوں کی بیبیاں یا بچیاں کافروں کے قبضے میں چلی جائیں تو پھر اُن کو آزاد کرانے کے لیے کفار سے جہاد ہوگا۔ اگر بفرضِ محال وہ واپس نہیں آسکتیں، مرجاتی ہیں تو پھر جو مالِ غنیمت جہاد میں ہاتھ آئے گا اُس میں سے اُن کے خاوندوں کو وہ مال لوٹایا جائے گا جو انہوں نے مہر میں دیا تھا۔

اس آیہء کریمہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں کہ اگر کافر مسلمانوں کی کچھ عورتوں پر قابض ہو جاتے ہیں یا کہیں اکیلے دو اکیلے پر چھاپہ مارتے ہیں اور بیبیوں کو قید کر کے لے جاتے ہیں تو پھر اس پر جہاد ہوگا اور انہیں رہا کرایا جائے گا۔ اگر وہ گم ہو جاتی ہیں یا مرجاتی ہیں یا واپس نہیں آسکتیں تو پھر اُن کے مسلمان خاوندوں نے جو مال اُن پر خرچ کیا تھا وہ انہیں مالِ غنیمت میں سے دیا جائے گا۔ گویا اگر کافر مسلمانوں کی آبرو چھین لیں تو اس پر جہاد ہوگا اور وہ واپس لائی جائیں گی اور اس جہاد میں فتح کی بشارت بھی ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ شاید تمہیں فتح ہو بلکہ فرمایا کہ تمہیں مالِ غنیمت حاصل ہوگا یعنی یقیناً فتح ہوگی۔ اس مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اُن عورتوں کے خاوندوں کو ان کا مال لوٹایا جائے گا پھر باقی مال بیت المال میں یا مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ یہ فتح مشروط ہے تمہارے تقویٰ پر، اللہ کریم سے تعلق پر سو اللہ سے تعلق قائم رکھو، تقویٰ قائم رکھو۔ اگر اللہ سے تعلق ہوگا تو اسلام میں شکست کا کوئی تصور نہیں ہے، ان شاء اللہ فتح ہوگی بس یہ تعلق مع اللہ کمزور نہ ہو۔ اے مسلمانو! تمہیں اس تعلق کو کمزور نہیں ہونے دینا، چاہیے اس لیے کہ تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرے اسے اپنا خالق، مالک، رازق، ہمہ وقت نگہداشت کرنے والا پالنہار مانے اور پھر اسی کی نافرمانی کرے!

ایک کلمہ گو کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا تصور بھی زیب نہیں دیتا۔

خواتین کی بیعت:

خواتین کے لیے بھی یہ قانون ارشاد فرمادیا، فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ

عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب مومن عورتیں آپ کے پاس اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی (کہ بہتان کی اولاد لے آئیں) اور نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔ تو اُن سے بیعت لے لیجیے اور اُن کے لیے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں۔ بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر مومن عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے حاضر ہوں تو بیعت ان باتوں پر ہوگی۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا عقیدہ کھرا، صاف ستھرا اور درست ہوگا۔ ذات یا صفات باری میں شرک نہیں کریں گی نہ ہی کسی کو اللہ کے برابر جانیں گی کہ عقیدے میں شرک کی رمق کا مل جانا سارے عقیدے کو تباہ کر دیتا ہے۔ عقیدے کے بعد کردار کی باری آتی ہے کہ عقیدہ درست ہو اور کردار بھی صحیح ہو تو کردار میں پہلی بات یہ کہ چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ یہ قتل معاشرے کی بہت بڑی برائی ہے جو اندر ہی اندر خفیہ خفیہ چلتی رہتی ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور پیدائش سے پہلے ہی اسقاطِ حمل کرا دیا جاتا ہے، بچے ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ اس کا شرعی جواز نہیں ہے۔ اللہ قادر ہے، رازق ہے، جسے پیدا فرماتا ہے اُسے روزی بھی دیتا ہے۔ اگر حمل کے تین ماہ بعد جب بچے میں جان پیدا ہو جاتی ہے اسقاطِ حمل کیا جائے تو وہ قتل کے برابر ہے۔ فرمایا، عورتوں سے اس بات پر بیعت لی جائے کہ وہ بچوں کو قتل نہیں کریں گی۔ عورتوں کو لگائی بجھائی کی عادت بھی ہوتی ہے ادھر کی بات اُدھر کرتی ہیں جو محض بے بنیاد باتیں یعنی بہتان ہوتے ہیں حالانکہ یہ قطعاً شرعاً حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے کہ کسی بندے کے جھوٹے ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جو بات سنی وہی آگے بیان کر دی او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عورتوں میں مردوں کی نسبت یہ عادت زیادہ ہوتی ہے کہ سنی سنائی باتوں پر بلا ثبوت ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتی رہتی ہیں اسی سے گھروں میں لڑائی اور خاندانوں میں ناراضگیاں پیدا ہوتی ہیں تو یہ سب بھی ترک کر دیں گی۔ عزت و عصمت کے بارے بھی بہتان تراشی نہیں کریں گی اور ہر بھلے کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گی یعنی ہر برائی سے بچنے کی پوری پوری کوشش کریں گی۔ فرمایا، ان عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت فرما لیجیے اور اُن کے لیے اللہ کریم سے بخشش کی دعا فرمائیے۔ اللہ کریم بہت بخشنے والے، معاف کرنے والے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں دو تین مسائل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ پہلا سوال جو بہت زیرِ بحث رہتا ہے کہ عورتوں کی بیعت ہونی چاہیے یا نہیں تو اس کا جواب یہاں مل گیا۔ قرآنِ کریم نے عورتوں کو بھی یہ حق دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے بیعت لینے کا ارشاد فرمایا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک یا کوئی کپڑا اُن کے ہاتھ میں دے کر دوسری طرف سے خود پکڑ کر بیعت لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نامحرم عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ خواتین کی بیعت مردوں کی طرح ہاتھ میں ہاتھ دے کر نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیعت کیوں کی جاتی ہے؟ پیر کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ یہ پیری مریدی آخر کس لیے ہے؟ اطاعت کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے پھر ایک اور بوجھ سر پر لادنے کی کیا ضرورت ہے؟

پیر کا کام مرید کے عقیدے اور کردار کی اصلاح کرنا ہے۔ مرید خواہ مرد ہو یا عورت پیر اُسے اسلامی عقیدہ بتائے۔ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بتائے۔ آخرت، حساب کتاب، ثواب عذاب کے بارے بتائے اور تمام عقائد میں اس کی اصلاح کرے تاکہ کردار میں اصلاح ہو۔

مرید کو پیر سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ مرید کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کا کردار درست ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

افسوس کہ آج یہ چیزیں عنقا ہو گئیں! مرید اپنے پیروں کو اللہ کی جگہ سمجھ لیتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ بیعت ہو گیا اب جو چاہے کروں چوری چکاری، نیکی بدی بس پیر ضامن ہے، مجھے بخشوا لے گا۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ بیعت کر کے یہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب دولت ملے گی، اولاد ملے گی یا بیماری میں پیر کام آئے گا۔ یہ بھی غلط رویہ ہے۔ یہ سب اوصاف اللہ کے ہیں۔ پیری مریدی کا حاصل صرف یہ ہے کہ پیر صاحب کی تربیت کے سبب عقیدے اور کردار کی اصلاح ہو جائے۔ اگر یہ کام ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیر سے فیض مل رہا ہے، برکات آرہی ہیں۔ پیر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر یہ کام نہیں ہو رہا تو پھر محض رسمِ دنیا ہے، پیری مریدی نہیں ہے۔ یہ رسومات تو ہر فرقے مذہب بلکہ مذاہب باطلہ میں بھی جاری ہیں۔ وہ بھی کسی نہ کسی کو مذہبی پیشوا بنا کر پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ ہمیں جہلا میں پیری مریدی کی جو شکل نظر آتی ہے یہ مسخ شدہ ہے جس میں فائدہ نہیں ہے۔ ان کے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے نہ کردار کی تو پھر بیعت ہونے کا کیا فائدہ! تیسری بات یہ واضح ہو رہی ہے کہ شیخ کا یہ کمال نہیں کہ طالب کو مکاشفات یا مشاہدات ہو جائیں۔ یہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے کسی کو کشف کرائے نہ کرائے۔ شیخ کا کمال یہی ہے کہ طالبین کے کردار کی اصلاح ہو عقائد درست ہو جائیں۔ جن سالکین کو یہ جستجو ہوتی ہے کہ اُن کے مراقبات کہاں تک ہیں تو انہیں اپنے کردار کو دیکھنا چاہیے۔ جتنی اصلاح ہوئی ہے اتنی اُن کی منازل ہیں اور اگر کردار میں ہی اصلاح نہیں ہوئی تو جان لیں کہ کوئی مقام کوئی منزل نہیں ہے۔ منازل و مقامات کو کشف و مشاہدے

سے ماپنا درست نہیں ہے بلکہ کردار سے جانچنا چاہیے۔

کفر و شرک میں مبتلا ہونا غضبِ الٰہی کی دلیل ہے:

فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَوَلَّوْا۟ قَوْمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا۟ مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ ٱلْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْقُبُورِ ﴿١٣﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا وہ آخرت سے ایسے نا اُمید ہو گئے ہیں جیسے کفار قبر والوں (کے دوبارہ جی اٹھنے) سے نا اُمید ہیں۔

اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کے لیے قانون ارشاد فرما دیا کہ جن قوموں پر اللہ کا غضب ہے ان سے دلی دوستی نہ رکھو۔ جو ایمان سے نا آشنا، اسلام سے بیگانہ ہیں وہ دنیا میں غضبِ الٰہی کا شکار ہیں گویا کفر و شرک میں مبتلا ہونا غضبِ الٰہی کی دلیل ہے۔ آخرت میں اس غضب کا اظہار جہنم میں پھینک کر عذاب دے کر ہوگا۔ فرمایا جس پر اللہ کے غضب کا اظہار ہو رہا ہے اُن میں دلی دوستی نہ رکھو۔ دنیوی امور میں برتنے کی ایک حد ہے۔ اس میں ایسا کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے جس سے کفر کو قوت ملتی ہو اور وہ اس قوت کو اسلام کے خلاف استعمال کرتا ہو۔ آج اگر ہم دیکھیں تو ہمارے ملک میں جس کے پاس کچھ پیسے ہوتے ہیں وہ یہاں سے لے جا کر کفار کے بینکوں میں جمع کراتا ہے۔ اس کا سرمایہ ان کافر ممالک کی طاقت کا سبب بنتا ہے۔ اگر آج مسلمان ممالک اور حکومتیں اپنا سارا سرمایہ امریکہ سے واپس لے لیں تو وہ چل نہیں سکتا۔ اس کا نظام بیٹھ جائے گا۔ مسلمانوں کے لیے وہاں سرمایہ رکھنا شرعاً حرام ہے۔ ان مسلمان ممالک کو چاہیے کہ اپنا اسلامی بینک بنالیں، اپنا نظام بنائیں اور اپنا سرمایہ اپنے پاس رکھیں۔

اسی طرح عام مسلمان کے لیے بھی کسی کافر سے ایسا تعلق رکھنا جس سے کفر کو تقویت ملتی ہو، شرعاً حرام ہے۔

یہ لوگ جن پر اللہ کا غضب ہے یہ آخرت سے نا اُمید ہیں۔ ان کے خیال میں جب مر گئے تو بات ختم ہو جائے گی۔ یہی عقیدہ کفار کا تھا کہ وہ اہلِ قبور سے نا اُمید تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اب یہ دوبارہ نہیں اٹھائے جا سکتے انہیں مٹی کھا گئی اب کہاں دوبارہ زندہ ہوں گے لہٰذا قیامت بھی نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ سب کفار میں قدر مشترک ہے۔

کفار میں بھی کئی اقوام ہیں اور اُن کے اپنے اپنے عقیدے ہیں لیکن وہ سب انکارِ قیامت کے عقیدے پر متفق ہیں۔ یہ سب میں مشترک ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات میں شرک سب اپنے انداز سے کرتے ہیں لیکن شرک میں مبتلا سارے ہی ہیں۔ اسی لیے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول نقل کیا ہے: اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔۔۔ کہ کفر ایک ہی قوم ہے۔ اُن کے انداز الگ الگ ہیں لیکن قومی لحاظ سے دنیا میں دو ہی قومیں ہیں، مومن اور کافر۔ مومن اور کفار دو الگ قومیں ہیں۔

سورۃ الصف رکوع 1 آیات 1 تا 9

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ
تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا
كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ
وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۖ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ
يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ
لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ غالب ہیں، حکمت والے ﴿۱﴾ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ﴿۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو

تم کرو نہیں ﴿۳﴾ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑتے ہیں ﴿۴﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! تم مجھے کیوں دکھ پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر ہوں تو جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتے ﴿۵﴾ اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم (علیہا السلام) نے فرمایا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر ہوں مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا پھر جب وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ لوگ کہنے لگے یہ تو صاف صاف جادو ہے ﴿۶﴾ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے ﴿۷﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور (اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نُور کو پورا فرما کر رہیں گے خواہ کافروں کو یہ بات کتنی ہی ناپسند ہو ﴿۸﴾ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور خواہ مشرک کتنے ہی ناخوش ہوں ﴿۹﴾

تفسیر و معارف

سورہ صف شروع ہوتی ہے۔ یہ اُن سورتوں میں شمار ہوتی ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اسی لیے مدنی سورت کہلاتی ہے۔

کائنات کی ہر شے کی بقا کا سبب، ذکرِ الٰہی:

فرمایا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① جو کچھ آسمانوں

میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ غالب ہیں، حکمت والے۔

فرمایا، زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے خواہ ایک باریک ذرّہ خاک ہے یا کوئی عظیم الجثہ جانور ہو۔ نباتات، جمادات، دریا، پہاڑ ہر شئے اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ تمام مخلوق زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی، اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ ہر چیز کی اپنی زبان ہے جس سے بارگاہِ الٰہی میں وہ اس کی تعریف کرتی رہتی ہے، اللہ کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ گویا جو چیز ہے وہ ذکر کرتی ہے اور جو ذکر نہیں کرتی وہ ہوتی ہی نہیں، وہ باقی نہیں رہتی۔ جس چیز سے ذکرِ الٰہی چھوٹ جائے اس کی بقا نہیں رہتی البتہ مکلف مخلوق کو مہلت دی گئی ہے گو حقیقتاً یہ بھی مرجاتے ہیں۔ جنہیں اللہ کی یاد بھول جائے قرآنِ کریم انہیں مردہ تصور کرتا ہے۔ یادِ الٰہی کے بغیر روح مرجاتی ہے اور بدن روح کی قبر بن جاتا ہے۔ ایک عرب شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

اَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُهُمْ

گویا اُن کے بدن قبر میں جانے سے پہلے اُن کی روحوں کی قبریں بن گئیں۔ حیات کا مدار ذکرِ الٰہی پر ہے۔ جو چیز ذاکر ہے وہ زندہ ہے، جو غافل ہے وہ حیات نہیں ہے۔ اللہ غالب ہے جو چاہے کرسکتا ہے لیکن وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اُس نے مکلف مخلوق کو ایک مدت تک مہلت دے رکھی ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناپسندیدہ ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

فرمایا، اے ایمان والو! اے مسلمانوں! جو تم نے کرنا نہیں ہوتا وہ کہتے کیوں ہو؟ ایسے وعدے کیوں کرتے ہو جنہیں پورا کرنے کا دل میں ارادہ نہیں ہوتا لیکن لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے کرتے ہو۔ اس آیہء مبارکہ کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ دعوے عموماً سیاست میں کیے جاتے ہیں۔ انتخابات آتے ہیں تو ہر سیاسی جماعت عجیب و غریب دعوے کرتی ہے جبکہ خود جانتی ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اسلام کے نام پر ووٹ لیتے ہیں لیکن جیتنے کے بعد نافذ نہیں کرتے۔ اس لیے کہ وہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ کوئی روٹی، کپڑا، مکان دینے کا وعدہ کرتا ہے لیکن دیتا نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ دینا چاہتے ہی نہیں تھے لوگوں سے جھوٹ بولتے تھے۔ اسی طرح عمومی زندگی میں عام آدمی بھی دوسرے بندے سے ایسے وعدے کرلیتا ہے جبکہ نیت یہ ہوتی ہے کہ اس وقت کام نکال لوں بعد میں پورا نہیں کروں

گا۔ فرمایا، ہرگز ایسا نہیں کرو۔ وہ وعدہ کرو، وہ دعویٰ کرو، وہ بات منہ سے نکالو جسے کرنے کا تمہارا پوری دیانتداری سے ارادہ ہو۔ جو کام نہیں کرنا، وہ وعدہ نہ کرو صرف وہ کہو جسے کرنے کا تمہارا مصمم ارادہ ہو۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ اس بات کا دعویٰ کیا جائے جو تم کرتے نہیں۔ اس ضمن میں ایک بات دعوت و تبلیغ کی بھی آجاتی ہے۔ ہم جب دوسروں کو نیکی کی تبلیغ کرتے ہیں تو ہمارا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ اس معیار کی نیکی خود ہم سے نہیں ہو پاتی۔ کیا ایسا بندہ جس کے اپنے اعمال اس درجے کے نہ ہوں دوسروں کو تبلیغ نہ کرے؟ تبلیغ تو ہمیشہ اعلیٰ پائے کی نیکی کی طرف بلانے کا نام ہے اور ممکن ہے کہ مبلغ جس پائے کی دعوت دے رہا ہے اُس پائے کا ورع تقویٰ نہ رکھتا ہو تو پھر وہ کیا کرے؟ اس میں علمائے حق کا مسلک یہ ہے کہ دعویٰ اور دعوت میں فرق ہے۔ دعویٰ کرنا کہ میں یہ کروں گا، ایک بات ہے اور دعوت دینا کہ ایسا کرو، یہ اور بات ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے کردار میں کوئی کمزوری ہے اُسے چاہیے کہ اس کے حوالے سے لوگوں کو دعوت دے۔ اس دعوت سے اس کی اپنی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اُس دعوت کی برکت سے اسے اللہ کریم کی طرف سے توفیقِ عمل مل جاتی ہے۔ اُسے خود احساس ہونے لگتا ہے کہ جس کام سے دوسروں کو منع کر رہا ہوں خود کیوں کروں اور یہ تبلیغ کی برکت بھی ہوتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی یہ شکایت کرتا کہ اُس کے کردار میں کوئی کمزوری ہے تو وہ فرماتے، تم اس پر وعظ کیا کرو۔ جب تم لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرو گے اور انہیں اس سے باز رہنے کی دعوت دو گے تو اللہ کریم تمہیں اس سے رک جانے کی توفیق عطا کر دیں گے۔ سو دعویٰ اور دعوت میں یہ فرق ہے، اسے الگ الگ سمجھا جائے۔

اللہ کی راہ میں ڈٹ جانے والے اللہ کے محبوب ہیں:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑتے ہیں۔

فرمایا، اللہ کریم ان بندوں سے محبت کرتے ہیں جو اس کی راہ میں ڈٹ جاتے ہیں۔ وہ اللہ کو محبوب ہیں جو جان دے دیتے ہیں لیکن میدان سے بھاگتے نہیں۔ سر کٹوا لیتے ہیں، سینے شق کرا لیتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹے رہتے ہیں۔ اُنہیں کوئی ہلا نہیں سکتا۔ دنیا میں بہت سی ایجادات ہیں جو نہایت مضبوط ہیں لیکن سب سے مضبوط ایجاد سیسہ ہے۔ اس میں سات دھاتیں گرم کر کے، ایک محلول بنا کر لوہے کے جوڑے ہوئے ٹکڑوں پر انڈیل دیا جاتا ہے۔ جب وہ جم جاتا ہے تو ایک چٹان کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔ اسے سیسہ پلائی دیوار

کہتے ہیں اور تمام ایجادات میں یہ مضبوط تر ہے۔

اللہ کو وہ بندے پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح جم جاتے ہیں کہ کوئی اُنہیں اُن کی جگہ سے ہلا نہیں سکتا۔ اگر جہاد بالسیف ہو تو یہ بندے جانیں دے دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ نفس سے جہاد اس سے بھی بڑا جہاد ہے ساری زندگی جیسے بندہ ہمہ وقت میدانِ جنگ میں ہو اور دشمن سے مقابلہ کر رہا ہو۔ ایک انسان کے مقابل دو دشمن ہر وقت موجود ہیں، ایک اس کا نفس اور دوسرا شیطان تو زندگی بھر اطاعتِ الٰہی پر جم جانا پڑتا ہے۔ اللہ ان بندوں سے محبت کرتے ہیں جو زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اطاعت پر جم جاتے ہیں کہ حلال حرام، جائز ناجائز، سچ جھوٹ کا پورا خیال رکھتے ہیں۔

جب جنگ ہوتی ہے تو اس وقت جوش و جذبے میں ایک عام بندہ میدانِ کارزار میں کود جاتا ہے۔ ایک بدکار بھی جان دے دیتا ہے لیکن ساری زندگی جذبات میں بسر نہیں ہوتی۔ ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے۔ یاد رہے نیکی کبھی امورِ عادی نہیں بنتی بلکہ نیکی کا ہمیشہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

اکثر لوگ خط میں لکھتے ہیں، زبانی بھی کہتے ہیں کہ ایک عرصے سے نماز پڑھ رہے ہیں لیکن پھر بھی نماز کی عادت نہیں ہو رہی۔ ہر دفعہ وضو کرنا، وقت نکالنا اور ادا کرنی مشکل سی لگتی ہے۔ نماز یا دین پر عمل کبھی عادت نہیں بنتی۔ اگر عادت بن جائے تو پھر اس میں ثواب نہیں ہوگا کہ عادتاً کر رہا ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی سو سال بھی نمازیں پڑھتا رہا تو بھی نماز پڑھنا عادتِ ثانیہ نہیں بنتی۔ ہر نماز کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، کام چھوڑنا پڑتا ہے۔ لوگوں سے باتیں کرنا بند کرنا پڑتا ہے اور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ہر روز اطاعتِ الٰہی پر ڈٹ کر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نیکی کی عادت ہوگئی ہے تو نیکی کرتا ہے بلکہ نیکی کا ہمیشہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

ایذائے رسول ﷺ قلوب کو ٹیڑھا کر دیتی ہے:

فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! تم مجھے کیوں دکھ پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر ہوں۔ تو جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتے۔

قوم یا امت اپنے نبی کو کیا دکھ دیتی ہے، کیسے ایذا دیتی ہے؟ نبی علیہ السلام کا اتباع نہ کرنا نبی علیہ السلام کو دکھ دینا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم حالانکہ بعض باتوں میں اُن کے ساتھ رہی، ہجرت کی، سمندر میں کودنے کا حکم ملا تو کود

گئے اللہ نے راستے بنا دیے لیکن اس کے باوجود قوم نے اپنے کاموں میں نماز اور عبادت میں کوتاہی کرنی شروع کر دی۔ کھانے پینے میں، بول چال کے انداز میں کوتاہیاں شروع کر دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تم ایسے کام کیوں کرتے ہو جو میری ایذا کا سبب بنتے ہیں جبکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؑ ہوں۔ پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ گویا کافر اگر ایذا دیتا ہے تو بڑا جرم ہے لیکن رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول جاننے اور ماننے کے بعد اگر کوئی ایسے کام کرے جو ایذائے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سبب ہوں تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ قوم جب خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتی ہے اور اطاعت کا حق ادا نہیں کرتی تو یہ گناہ ہے۔ یہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ چونکہ اللہ کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے حکم سے ارشاد فرماتا ہے لہٰذا بندہ جب خلافِ شریعت کام کرتا ہے تو اس کا یہ عمل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ دیتا ہے، ایذا کا سبب بنتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے بات نہ مانی اور اپنی بات پر مصر رہے۔ جب انہوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا، اس بات کی لطافت اور نزاکت کو نہ سمجھ سکے اور اپنے عمل پر اصرار کیا تو اللہ کریم نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ دل ٹیڑھے ہونے سے کیا مراد ہے؟ جب دل کو برائی اچھی لگنے لگے اور اچھائی سے بےزار ہو جائے تو سمجھیں وہ ٹیڑھا ہو گیا یعنی غلط سمت میں چل پڑا، راستے سے بھٹک گیا۔ فرمایا، جب کوئی نبی علیہ السلام کی ایذا کا سبب بنتا ہے تو اُسے یہ سزا دی جاتی ہے کہ اُس کا دل ٹیڑھا کر دیا جاتا ہے۔ اُسے برائیاں مرغوب ہو جاتی ہیں اور نیکیوں سے بےزاری ہونے لگتی ہے اس سے نیکیاں چھوٹنے لگتی ہیں اور برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ایذائے رسولؐ کا سبب بنتے ہیں انہیں منجانب اللہ دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ انہیں ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ان سے نیکی کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔

قرآنِ کریم کا نزول تو خاص ہے لیکن اس کے احکام عام ہیں اور قیامت تک کے لیے ہیں۔ یہ آیہء مبارکہ ہمیں آئینہ دکھا رہی ہے کہ آج ہمارا رویہ بحیثیتِ امتی کیا ہے۔ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیوی رسومات اور کفار و مشرکین کی طرح ڈھول باجے بجا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اطاعتِ حق میں ہے، اتباعِ شریعت میں ہے، اسلام پر عمل میں ہے۔ یہ دو باتیں آ گئیں کہ اسلام پر عمل کرنے سے اللہ کی رضا حاصل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ ہم گناہ کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن کوئی گناہ معمولی نہیں ہوتا چونکہ ہر گناہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوتا ہے تو خلافِ اسلام عمل، نظریہ یا عقیدہ رکھنا یا کلام کرنا سب توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار ہوتا ہے۔ ہم رسومات کے اسیر ہو گئے ہیں۔ ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ آتا ہے تو ہم خوشی کے نام پر عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہیں، شور و غل

مچاتے ہیں جبکہ مسجدیں ویران پڑی ہوں گی، نمازیں چھوٹ جائیں گی اور جلوس نکال رہے ہوں گے۔ ڈھول بج رہے ہوں گے، تماشا ہو رہا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ضرور مناؤ لیکن اسلامی طریقے سے خوشی کا اظہار کرو۔ اللہ کی بڑائی بیان کرو شکر ادا کرو نئے کپڑے پہنو، اللہ کی عبادت کرو، مزید سجدے کرو۔ جیسے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ منانے کا طریقہ اللہ کریم نے تعلیم فرمایا ہے۔ خوشی منانے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ڈھول باجے جمع کر کے ایک طوفانِ بدتمیزی بپا کر دو۔ یہ ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بنتا ہے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا ہے، یہ بہت ہی بڑا جرم ہے۔

یاد رہے مشرکینِ مکہ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ لوگ تھے جو واقعی اپنے نظریات و رواجات کو صحیح سمجھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے تھے جس میں توہین یا طعن و تشنیع کا پہلو ہو۔ ایسے لوگوں کو توبہ نصیب ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل اگر لڑائی کے میدان میں بھی اترے تو بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طبقے کا قائد سمجھتے ہوئے عزت کرتے تھے۔ جنگِ بدر میں کتنے ایسے لوگ مخالفین میں سے شریک تھے جنہیں بعد میں نورِ اسلام نصیب ہو گیا۔ ایسے مشرکین جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دیے، فتوے لگائے، الزام لگا کر ایذا پہنچائی، توہین کی ان میں سے کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔

اللہ کریم نے تو کافروں کے جھوٹے خداؤں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے سخت جملے، توہین آمیز باتوں سے منع فرمایا ہے کہ پھر وہ جواب میں مسلمانوں کے سچے ربّ کی توہین کریں گے۔ زبان سے برا بھلا کہنے کی بجائے دلیل سے اُن کو باطل ثابت کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اپنے والدین کو گالی نہ دو۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ ایسا بدبخت کون ہوگا جو اپنے آپ کو، اپنے والدین کو گولی دے تو فرمایا جو دوسرے کو گالی دیتا ہے تو اس کے جواب میں اسے یا اس کے والدین کو گالی پڑتی ہے تو اس کا سبب تو وہ خود ہے۔ (مفہوم)

افسوس کہ ہمارے ہاں تو اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ ہم بات شروع ہی توہین آمیز انداز میں کرتے ہیں اور قائدین کی توہین کرتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے۔ اگر کوئی قائد یا لیڈر کافر بھی ہے تو اس کا انسانی احترام بحال رہنا چاہیے۔ اگر کوئی غلطی پر ہے تو اس کی غلطی کو دلائل سے ثابت کرنا چاہیے لیکن توہین نہیں کرنی چاہیے۔ اگر یہ اصول عمومی زندگی میں بھی ہے تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا، اُنہیں ایذا دینا کتنا بڑا جرم ہے!

عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت:

فرمایا: وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿6﴾ اور جب عیسیٰ (علیہ اسلام) بن مریم (علیہا السلام) نے فرمایا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر ہوں۔ مجھ سے پہلے جو تورات آچکی ہے میں اُس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک پیغمبر کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو لوگ کہنے لگے یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

ہر آسمانی کتاب یا صحیفے میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک خبر اور ایک حکم۔ یہ خبر ہے کہ اللہ واحد و لاشریک ہے، ہر چیز پر قادر ہے، زندگی اور موت اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ موت کے بعد برزخ کی زندگی ہے اور قیامت کو سب زندہ کیے جائیں گے جہاں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ حساب کتاب کے بعد عذاب وثواب کا فیصلہ ہوگا۔ آخرت میں جنت و دوزخ ہیں وغیرہ یہ ساری باتیں خبریں ہیں اور خبر تبدیل نہیں ہوتی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام صحیفے اور کتابیں ان اخبار پر متفق ہیں۔ دوسرا حصہ احکام، جو وقت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ قوم کی استعداد، شعور طاقت اور وقت کی ضرورت کے ساتھ احکام بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت کے لیے ایک حکم درست ہوتا ہے تو دوسرے وقت کے لیے دوسرا صحیح ہوتا ہے تو احکام بدلتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ میں اللہ کا رسولؑ ہوں اور تمہاری طرف مبعوث ہوا ہوں۔ میں تم سے کوئی انوکھی بات نہیں کر رہا بلکہ مجھ سے پہلے جو نبیؑ مبعوث ہوئے اور ان پر نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کر رہا ہوں۔ میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا اللہ کی توحید اور رسالت و آخرت کی بات کر رہا ہوں۔ میں تم لوگوں کو ایک خوشخبری دے رہا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم رسولؑ مبعوث ہوں گے جن کا اسمِ مبارک احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ یہ خوشخبری بھی دے رہا ہوں کہ میں ہی نبی نہیں ہوں ابھی میرے بعد بھی نبوت ہوگی اور ایک آخری عظیم رسولؑ مبعوث ہوں گے جن کا نامِ نامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار نشانیوں کی تصدیق کی حتیٰ کہ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نشانیاں بھی بتائی گئیں۔ رفتہ رفتہ دینِ عیسوی مسخ ہوگیا۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنالیا، تورات اور انجیل کو مسخ کر دیا۔ عیسائیوں کے پاس ایک بھی ایسا انجیل کا نسخہ نہیں ہے جسے وہ کہہ سکیں کہ یہ براہ راست نبی علیہ السلام کے لب ہائے مبارک سے نکلا ہے۔

شروع سے ہی اُن کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ساتھیوں، جنہیں حواری کہا گیا ہے ان کے ناموں سے منسوب بارہ اناجیل ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ بہت بدل گئیں پھر بھی عہدِ فاروقی تک اُن میں اتنے دلائل موجود تھے کہ صحابہ کرامؓ کو پہچانتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا اور حالت یہ ہوگئی کہ شہر کے اندر راشن اور دوائیں ختم ہونے لگیں۔ شہر کے حکمران نے اپنے مشیروں کو مشورے کے لیے جمع کیا جن میں اُن کا سب سے بڑا پادری بھی شامل تھا۔ حکمران نے صورتحال سب کے سامنے رکھی کہ ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو ہم شکست قبول کرلیں اور شہر مسلمانوں کے حوالے کردیں ورنہ لوگ بھوکے مرجائیں گے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ شہر کے دروازے کھول کر بے جگری سے لڑا جائے کیونکہ اب محاصرے میں مزید نہیں رہ سکتے تو سب مشورہ کرلیں کہ کیا کرنا ہے۔ چونکہ اس وقت حکومتوں پر گرجا کا کنٹرول ہوتا تھا چنانچہ پادری نے مشورہ دیا کہ تم مسلمانوں کے امیر المومنین کو یہاں بلاؤ ہماری کتابوں میں صحابہؓ کے اوصاف بھی بتائے گئے ہیں۔ تم مسلمانوں سے مطالبہ کرو کہ وہ اُنہیں یہاں بلالیں۔ میں انہیں دیکھوں گا اگر اُن میں وہی اوصاف ہوئے جو تورات میں نشانیاں ہیں تو پھر ہم بغیر لڑے ہار مان لیں گے۔ اس لیے کہ تورات میں یہ بھی لکھا ہے کہ بیت المقدس اُن کے قبضے میں چلا جائے گا۔ پھر لڑنے کا فائدہ نہیں بلکہ شکست ہوگی۔ اگر وہ امیر المومنین اُن نشانیوں کے مطابق نہیں ہوں گے تو تم بے شک لڑو۔ تم سے بیت المقدس کوئی نہیں چھین سکتا۔ چنانچہ مسلمانوں کے سامنے مطالبہ رکھا گیا اور اُنہوں نے دارالخلافہ گزارش بھیجی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس تشریف لائے۔ اس پادری نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اُس نے تصدیق کی کہ یہ وہی بندہ ہے جس کی تعریف ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے بغیر لڑے شہر مسلمانوں کے سپرد کردیا۔
اگر اُن کے پاس صحابہ کرامؓ کی اتنی نشانیاں تھیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتنی تفصیل سے نشانیاں ہوں گی! عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پہلی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہوں اور آنے والے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بھی دیتا ہوں جن کا نامِ مبارک احمد ہوگا۔ یہ حقائق بیان فرمائے اور بے شمار معجزات بھی دکھائے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں طب کا بہت زور تھا اور بہت باکمال حکیم اور طبیب پائے جاتے تھے لیکن کوئی طبیب مردہ کو زندہ تو نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپؑ کی دعا سے مردے زندہ ہوجاتے۔ آپؑ مادرزاد اندھے پر دم کرتے تو اس کی بینائی درست ہوجاتی اور بے شمار امراض سے لوگ شفا پاتے۔ آپ مٹی سے پرندہ بنا کر اس پر دم کرتے تو وہ زندہ ہوکر اڑ جاتا۔

یہاں سے دم کرنے کی دلیل بھی ملتی ہے کہ کچھ آیاتِ قرآنی پڑھ کر پھونک ماری جائے تو برکت ہوتی ہے۔
قوم نے اتنے عظیم معجزات دیکھ کر کہا کہ یہ تو سب جادو کے کرشمے ہیں اور آپؑ نبی نہیں کوئی جادوگر ہیں۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا!

اللہ پر جھوٹ باندھنا:

فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اوراس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے۔

فرمایا، اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ کوئی اللہ پر جھوٹ بولے! اللہ پر جھوٹ بولنے سے مراد ہے کہ دین میں وہ بات کرنا جو اللہ کے نبی علیہ السلام نے نہ فرمائی ہو۔ چونکہ اللہ کی بات اللہ کا رسولؐ ارشاد فرماتا ہے لہٰذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمیں عقائد اور دین کی بات کرتے ہوئے بہت محتاط ہونا چاہیے کہ کوئی نظریہ یا عقیدہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہوگا تو وہ اللہ پر بہتان ہوگا۔ اس سے بڑا کون سا ظلم ہوسکتا ہے کہ کوئی اللہ پر جھوٹ بولے حالانکہ دعوتِ اسلام بھی موجود ہو، اُسے اسلام کی طرف بلایا بھی جارہا ہو۔

دینِ اسلام اللہ کا نور ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ اب قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت جاری و ساری ہے۔ اسلام میں اللہ کریم نے وہ قوت رکھی ہے کہ یہ قیامت تک رہے گا، دنیا سے مٹایا نہیں جاسکے گا۔ گمراہی اور کفر خواہ کتنا بھی پھیل جائے لیکن حق نہیں مٹے گا۔ کسی نہ کسی گوشے میں کہیں نہ کہیں کوئی اللہ کا بندہ دعوتِ اسلام دیتا ہی رہے گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور جو خلوص سے اتباع کی کوشش کرے گا اُسے یہ ضرور عطا ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر تاریکی اور ظلم جبر اور تشدد کا دور دورہ تھا۔ ہر قوم کے اپنے عقائد اور رواج تھے، باطل ادیان تھے اور اللہ کا نام لیوا کوئی نہیں تھا۔ سوائے چند لوگوں کے جو بت پرستی کو مذہب نہیں مانتے تھے لیکن وہ بھی اللہ کو نہیں جانتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کو اللہ کا نام سکھایا، اللہ کی ذات و صفات سے آشنا کرایا، اللہ کا دین پہنچایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کیا حتیٰ کہ پیدا ہونے سے مرنے تک ہر کام کے کرنے کا سلیقہ بتایا اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ ساری انسانیت کے سامنے ایک نیا طرزِ عمل، ایک نیا کردار اور نئی سوچ رکھ دی جو

اُن کے طرزِ عمل کے خلاف تھا۔ یہ منوانا آسان نہیں تھا کہ ہر طرح کے لوگ اپنے رواج ورسومات، اپنے مذاہب چھوڑ دیں۔ بظاہر تو یہ محال نظر آتا تھا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ تیئس سالہ عہدِ نبوت میں جو کچھ نازل ہوا، دین مکمل ہوا۔ قرآن مکمل ہوا اور تکمیلِ دین پر اللہ کریم نے یہ مہر ثبت کردی، فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المآئدہ:3)

دین کے مکمل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ربع صدی میں اسلام روئے زمین پر چھا گیا۔ فتوحاتِ اسلامی نے اسلامی ریاست کو بہت وسعت دی اور وہاں عملاً اسلام نافذ ہوگیا۔ یہ اللہ کی مدد ہے جو اللہ کے بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا: یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرما کر رہیں گے خواہ کافروں کو یہ بات کتنی ہی ناپسند ہو جو لوگ اسلام کی مخالفت کی روش اپنا لیتے ہیں اور اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ دینِ اسلام کے روشن چراغ کو بجھا دیں لیکن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اسلام اللہ کا نور ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی کوششوں اور پراپیگنڈے سے بجھا دیں۔ ایسا کبھی نہیں کرسکیں گے کہ اللہ نے اپنے دین کی روشنی کو پورا کرنا ہے، اپنے دین کو غالب کرنا ہے اور باقی رکھنا ہے خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ناگوار گزرے۔ اللہ کا دین غالب ہوگا تو گویا غلبہء اسلام اللہ کے نور کو پھیلانا ہے اور یہ سعادت اللہ کے بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ سب سے پہلے اور سب سے بڑی سعادت صحابہ کرامؓ کی جماعت کو نصیب ہوئی کہ روئے زمین پر اللہ کے نور کو، اسلام کو پھیلانے کا سبب بنے۔ اب قیامت تک جو بندہ خود اسلام پر قائم ہے اور دوسروں کو اس کی دعوت دے رہا ہے وہ اللہ کا نور پھیلا رہا ہے۔ وہ اللہ کے نور کو قائم رکھنے میں خدمت کی سعادت سے بہرہ ور ہے اور اس پر اللہ کا بہت کرم ومہربانی ہے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہوگیا ہے کہ جس کے پاس دولتِ دنیا زیادہ ہو خواہ رشوت اور چوری سے جمع کی گئی ہو تو اُسے لوگ بڑا خوش قسمت کہتے ہیں۔ بڑا بخت والا، قسمت کا دھنی گردانتے ہیں حالانکہ وہ قسمت کا دھنی نہیں ہے کہ یہ سب مال تو دنیا میں ہی رہ جائے گا البتہ خوش قسمت وہ ہے جسے اللہ کا دین اور اس پر عمل نصیب ہے جو ساتھ جائے گا۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ خوش قسمت ہے جو خود بھی عمل کر رہا ہے اور دین کو پھیلانے کی بھی پورے خلوص سے کوشش کر رہا ہے۔ دوسروں کو بھی جب دعوتِ دین دے رہا ہے تو اللہ کا نور بانٹ رہا ہے۔ کل قیامت کے اندھیروں میں، محشر کی ظلمت میں، پل صراط پر وہی نور راستہ دکھائے گا جس کا تذکرہ پہلے سورۂ حدید میں گزر چکا ہے۔ فرمایا، اللہ اپنے نور کو مکمل کرے گا خواہ دنیا تہہ وبالا ہو جائے۔ اسلام اللہ

کا نور ہے یہ ہمیشہ باقی رہے گا کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ خواہ کافروں کو یہ بات کتنی نا گوار گزرے لیکن ایسے خوش قسمت لوگ ہمیشہ رہیں گے جو اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد:

اللہ کریم وہ عظیم ذات ہے جس نے، فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اور خواہ مشرک کتنے ہی ناخوش ہوں۔

فرمایا، وہ قادر ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ہدایت کیا ہوتی ہے؟ کسی بھی کام کو کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ ہدایت ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ ایسی کتاب لائے جو ساری انسانیت کے لیے صحیح، درست اور مفید نظامِ حیات یعنی دینِ ہدایت بھی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر غلط طریقے سے کام لیا جائے تو وہ کام بہت مشکل کے بعد، شاید ہو سکے۔ کسی فارسی شاعر نے خوب کہا تھا:

ہر چہ دانا کند کند نادان
لیک بعد از خرابیء بسیار

جو کام دانا کرتا ہے، نادان بھی وہی کام کرتا ہے لیکن عقلمند سیدھا سیدھا وہ کام کر لیتا ہے جبکہ بے وقوف بڑے دھکے کھانے کے بعد، بڑی خرابی بڑی ذلت وخواری کے بعد کرتا ہے۔ آج کل ایک جملہ زبانِ زدِ عام کر دیا گیا ہے کہ اسلام پر عمل بڑا مشکل ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ دراصل اسلام سب سے آسان ہے کہ زندگی کے سارے کاموں میں ہر کام کو شرعی طریقے سے کرنا آسان ہے۔ مشکل تو غیر شرعی طریقوں پر چلنا ہے اور یہی کمال ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اللہ کریم نے انہیں ایسا دین دے کر بھیجا جس میں ہدایت ہے۔ جس میں ہر کام کو کرنے کا صحیح اور آسان طریقہ ہے۔ اس میں پوری زندگی کا نصاب ہے۔ ایک انسان کی پیدائش سے لے کر قبر تک، ذاتی معاملات سے لے کر خاندانی اور قومی مسائل تک ہر مسئلے کا حل ہے۔ تہذیب وثقافت سے لے کر تعلیم وتربیت، عدالت، سیاست، بیع وشرا، تجارت ہر معاملے میں امور انجام دینے کے آسان ترین طریقے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا تا کہ یہ تمام باطل ادیان پر، باطل رسومات ورواجات پر غالب آجائے۔ دین کا مقصد ہی یہ ہے کہ باطل کو مٹائے اور حق غالب ہو خواہ یہ بات مشرکوں کو نا گوار گزرے۔ جو لوگ شرک

میں مبتلا ہیں انہیں یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ اُن کے رواجات مٹ رہے ہیں لیکن دین ایسا ہی کرے گا۔ یہ کفر اور شرک کی رسومات اور اطوار کو مٹا کر صحیح اور آسان طریقے رائج کرے گا تا کہ انسانیت عقیدے اور عمل کی تباہی سے بچ جائے۔ ایسا ضرور ہوگا اگرچہ مشرکین کو یہ بات بہت ناگوار گزرے۔

مقدمہ ابن خلدون میں علامہ ابن خلدون نے بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دین تو ایک عظیم نعمت ہے جس میں عقائد میں، توحید باری، ایمان بالرسالت، آخرت پر ایمان وغیرہ جیسی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لباس حلیہ تہذیب وثقافت جیسی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ہیں۔ فرماتے ہیں، جس قوم کی عمومی ثقافت بھی اگر اپنالی جائے، لباس حلیہ اور رہن سہن اپنا لیا جائے تو اس قوم کے بڑے بڑے گناہ اس اپنانے والے کی نظر میں چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس قوم کی برائیاں بھلائی لگنے لگتی ہیں اور بندہ اس کے اتباع پر چل پڑتا ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ دین کی حفاظت کے لیے اپنی تہذیب کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں جیسا حلیہ ہو، لباس اور چہرہ بھی اسلامی ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں دین پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر کسی قوم کے عمومی رواجات اپنالے گا تو پھر بڑے بڑے گناہ بھی اپنالے گا۔

اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمارا آج کا قومی المیہ یہ ہے کہ ہم سرتاپا غیر مسلموں کے اتباع کی طرف جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں ہم سے اسلام پر عمل چھوٹتا جا رہا ہے۔ ہمارے عقائدِ اسلامی مجروح ہو رہے ہیں اور غیر اسلامی عقائد، اسلام ہی کے نام پر اپنائے جا رہے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے اور ہدایت نصیب فرمائے۔ اللہ کریم ہمیں اپنی راہ پر اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رکھے۔

سورۃ الصف رکوع 2 آیات 10 تا 14

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ
مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ
فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو! کیا تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچا لے ﴿۱۰﴾ اگر تم اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاتے ہو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہو (تو) تمہارے لیے یہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو تو ﴿۱۱﴾ وہ (اللہ) تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے تابع نہریں بہتی ہیں اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے والی بہشت میں ہیں یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۲﴾ اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد، اور عنقریب فتح (نصیب ہوگی) اور ایمان والوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دیں ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن

جاؤ جیسے عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم (علیہا السلام) نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے کون مددگار ہوں گے! حواریوں نے کہا، ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا آخر ہم نے ایمان لانے والوں کو اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی تو وہ غالب ہو گئے ﴿۱۴﴾

تفسیر و معارف

سب سے بڑی کامیابی:

فرمایا: يَايُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۰﴾ اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچا لے۔

انسان ہوش سنبھالنے سے لے کر تا دمِ آخر منافع کی تلاش میں رہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کو عزت واحترام ملے، دولت، صحت وآرام ملے۔ زندگی کی ساری تگ ودو نفع کی طلب میں گزر جاتی ہے کہ نقصان سے بچ کر منافع حاصل ہو۔ فرمایا، اے ایمان والو! تمہیں ایسا کاروبار، ایسا کام نہ بتاؤں جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان کا کوئی اندیشہ ہو؟ اس میں بے پناہ فائدہ ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے عذابوں سے تمہیں نجات دے گا۔ یاد رہے عذاب صرف اخروی نہیں ہوتے بلکہ دنیا میں بھی مختلف عذاب واقع ہوتے ہیں۔ ذلت ورسوائی ہوتی ہے، توہین ہوتی ہے، مالی نقصان ہو جاتا ہے، بیماری آ جاتی ہے رشتہ داروں یا اولاد میں نقصان ہو جاتا ہے۔ دنیا کے عذاب بھی آخرت کا پرتو ہوتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں نیک لوگ بھی بیمار ہوتے ہیں، اللہ کے مقرب بندوں کے اقربا بھی مرتے ہیں، اُنہیں مالی نقصان بھی ہو جاتا ہے تو فرق کیا ہے؟ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ دنیا میں جو ابتلا یا آزمائش آتی ہے اُس میں نیک و بد میں بڑا فرق ہے۔ بدکار پر جو مصیبت آتی ہے وہ از قسمِ عقوبات ہوتی ہے یعنی سزا کی قسم ہوتی ہے۔ وہ صرف ظاہری مصیبت نہیں ہوتی بلکہ وہ دکھ اُسے نہاں خانہء دل تک متاثر کرتا ہے۔ کسی نیک بندے پر اگر مصیبت آتی ہے تو اوّل تو اس سے اُس کی بہت سی کمزوریاں اور خطائیں معاف ہو جاتی ہیں تلافیء مافات ہو جاتی ہے۔ دوسرا میدانِ حشر میں رسوا ہونے کی بجائے بیماری یا کسی نقصان سے دنیا میں اُن چیزوں کا تدارک ہو جاتا ہے اور وہ آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ نیک بندے پر بیماری آئے یا کوئی نقصان

ہو جائے تو وہ اللہ کا مزید شکر ادا کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، بخشش کا طالب ہوتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے۔ بدکار کی مصیبت اُسے چیخ و پکار، واویلے کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

اگر کوئی اعلیٰ درجے کا نیک ہو تو دنیا کا نقصان اس کے لیے ترقی ءدرجات کا سبب بن جاتا ہے۔ بعض درجات کو پانے کے لیے بعض مصیبتیں ضروری ہوتی ہیں جیسے شہادت کے اعلیٰ رتبے کو پانے کے لیے اللہ کی راہ میں قتل ہونا پڑتا ہے۔ یہ ظاہراً مصیبت تو ہے لیکن نتیجے کے اعتبار سے بہت بڑا انعام ہے۔

فرمایا، تمہیں ایسا کاروبار بتاؤں جس میں خسارے کا کوئی خطرہ نہیں بس نفع ہی نفع ہے اور جس میں سب سے بڑا نفع دنیا و آخرت میں اللہ کے عذابوں سے نجات ہے۔ وہ کاروبار کیا ہے؟ فرمایا: تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔ اللہ پر اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ اللہ پر خالص اور کھرا ایمان لاؤ، اُسے ویسا مانو جیسا وہ ہے۔ یا اللہ! ہم یہ کیسے مانیں گے، ہمیں کیا خبر تیری شان کیسی ہے، تیری صفات کیسی ہیں! فرمایا: وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو تمہیں اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت نصیب ہوگی۔ یہ طے ہو گیا کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اللہ کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتا اس کا ایمان باللہ بھی غیر مقبول ہے۔ اُسے اللہ کی ذات و صفات کا پتا نہیں ہوتا بلکہ اپنی طرف سے متعین کر رہا ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہوتیں۔ سو فرمایا، اس نفع بخش کاروبار کی بنیاد یہ ہے کہ اپنا عقیدہ درست کرو اللہ کو ویسا مانو جیسا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ پھر عمل کی باری ہے تو فرمایا: وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔۔۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ فرمایا، اللہ کی راہ میں ان تھک محنت کرو، جہاد کرو۔

جہاد، جہد سے مشتق ہے جس کا مطلب انتہائی کوشش اور محنت ہے اس سے مراد قتل و غارت گری نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ محنت اور پوری کوشش کرنا ہے۔ جہاں زبان سے کرنی پڑے وہاں زبان سے کرے جہاں مال سے کرنی پڑے وہاں مال سے کی جائے اور جہاں تلوار سے کرنی پڑے وہاں تلوار سے کی جائے۔ البتہ جہاد بالسیف کا تعین کرنا کہ کب اور کہاں کرنا ہے یہ کام اسلامی حکومت اور ادارے کرتے ہیں فرمایا، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ مال سے جہاد یہ ہے کہ حلال کماؤ اور حرام سے بچو یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ جب مال آئے تو اُسے جائز کاموں پر خرچ کرنا اور ناجائز امور سے بچنا یہ دوسرا بڑا مجاہدہ ہے۔ یہ بہت بڑا جہاد ہے کہ جائز وسائل اختیار کیے جائیں، محنت سے حلال کمایا جائے اور اُسے جائز امور پر ہی خرچ کیا جائے۔ ناجائز ذرائع سے بھی بچا جائے اور ناجائز خرچ سے بھی اور فرمایا: اَنْفُسِكُمْ۔۔۔ اپنی جانوں سے بھی جہاد کرو۔ جانوں سے جہاد سے مراد ہے کہ اپنے آپ

کو شریعت کا پابند بناؤ۔ ہر کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کرو۔ جب تم خود کو اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھال لو گے تو تمہارا سونا، جاگنا، بات کرنا، خاموش رہنا، ہر حرکت وسکون بھی عبادت بن جائے گا۔ فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ تمہارے لیے ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو تو۔

یہ بہترین راہِ عمل ہے بہترین طرزِ حیات ہے اور بہترین کام ہے۔ یہ سب کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا اس میں منافع ہی منافع ہے یہاں تک کہ فرمایا: يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔۔۔ وہ (اللہ) تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے تابع نہریں بہتی ہیں اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے والی بہشت میں ہیں۔ اسلام پر عمل کرنے کی کوشش میں، اس مجاہدے میں پورے خلوص اور محنت کے باوجود بھی بتقاضائے بشریت خامیاں رہ جاتی ہیں۔ کہیں ارادے اور نیت میں کمی رہ جاتی ہے، کہیں خلوص میں کمزوری رہ جاتی ہے۔ اس کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں اور انسان بہرحال کمزور ہے اس کے ہر کام میں کمی کی گنجائش موجود ہے۔ فرمایا، اس مجاہدے میں تم سے جو خطائیں ہوگئیں جو کمی رہ گئی، وہ سب معاف کروں گا۔ جو کوتاہیاں کمزوریاں ہوں گی وہ معاف کردی جائیں گی۔ اللہ کریم تمہیں جنت میں داخل کریں گے جس کے تابع نہریں بہتی ہیں یعنی ایسے باغ جو سدابہار ہیں۔ نہروں کے تابع ہونے سے یہ مراد ہے کہ یہ باغ سدابہار ہیں کہ دنیا میں پانی کی قلت سے باغ سوکھتے ہیں اور باغ پانی کے تابع ہوتے ہیں کہ جہاں پانی پہنچ سکتا ہو صرف وہاں باغ لگایا جاسکتا ہے۔ فرمایا، وہاں ایسے باغ ہیں جہاں پانی اُن کے تابع ہے۔ اگر کوئی پہاڑ کی چوٹی پر بھی باغ لگانا چاہے گا تو وہیں سے چشمہ پھوٹ پڑے گا اور اُسے سیراب کرے گا۔ اُن سدابہار باغوں میں ہمیشہ پانی کی فراوانی ہوگی اور وہاں خوبصورت آرام دہ گھر ہوں گے جو خوبصورتی کے ساتھ ساتھ پرسکون بھی ہوں گے۔ اگر کسی کو بہت بڑے محل میں رہنا میسر ہو لیکن اس کا دل پریشان ہو، صحت خراب ہوجائے تو اُسے اُس محل کا کیا فائدہ؟ فرمایا، وہاں ہمیشہ رہنے والے باغوں میں بہترین آرام دہ گھر ہیں جہاں کسی تکلیف کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔ وہاں کسی طرح کی ناگواری، افسوس پسماندگی، تھکاوٹ یا کوئی بری سوچ تک نہیں ہوگی بس آرام وسکون ہی ہوگا۔ وہ گھر بھی دائمی ہوں گے اور وہ باغات بھی سدابہار تو فرمایا: ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ ہی حقیقی کامیابی ہے کہ کوئی آخرت میں کامیاب ہوجائے۔ جو دوزخ سے بچ کر جنت میں داخل ہوگیا وہ جیت گیا اور یہ حقیقی کامیابی ہے۔

ایک ضمنی بات:

قرآن کا نزول خاص مگر حکم عام ہے اور ہمارے لیے ایک آئینے کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیتے رہیں۔ یہ حکم دیا جار ہا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال اور جان سے مجاہدہ کر و یعنی وہ نظام اپنا لو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ خود کو اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھال لو تو یہ تمہارے لیے سب سے بہترین کام ہے۔ سب سے بہترین راہِ عمل، طرزِ حیات، نظامِ اسلام ہے اور اس کے ساتھ نصرتِ الٰہیہ اور یقینی کامیابی کا وعدہ ہے۔ وطنِ عزیز میں روز نفاذِ اسلام کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اللہ کریم نے یہ خطہء زمین ہمیں اسلام کے نام پر دیا تھا لیکن پون صدی گزرنے پر بھی ہم نے اسلام کو قریب نہیں آنے دیا۔ یہاں وہی انگریزوں کا لایا ہوا غلامانہ نظام چل رہا ہے۔ اس وطنِ عزیز کا ایک حصّہ ہم گنوا چکے۔ مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو گیا۔ اس پر غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوا؟ حقیقی اسلامی سلطنت تو پھیلتی ہے کہ اُس کی عظمت کو دیکھ کر کافر بھی قبول کرتے ہیں کہ ایسا عدل ایسی معیشت اور ایسا معاشرہ ہمیں بھی اپنانا چاہیے۔ پاکستان کے دولخت ہونے کا ذمہ دار کبھی کسی کو ٹھہرایا جاتا ہے اور کبھی کسی کو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے متحد رہنے کی جو وجہ تھی جسے انگریزی میں BINDING FORCE کہتے ہیں وہ تو اسلام تھی۔ ہم نے اُسے نافذ ہی نہیں کیا اور اُسی انگریزی نظام کے ساتھ جڑے رہے۔ اب اس کافرانہ نظام میں تو یہ قوت نہیں تھی کہ وہ ہمیں متحد رکھتا۔ اگر ہمارا آئین و دستور قرآن ہوتا ہمارے کاروبار سنت کے مطابق ہوتے تو ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی کوئی قوت نہ پیدا ہوتی جو ہمیں الگ کر دیتی۔ آج بھی یہ بات کی جاتی ہے اور نہ جانے کیوں کی جاتی ہے کہ خطرہ ہے صوبے الگ ہو جائیں گے۔

ذرا سی بات ہو تو کہا جاتا ہے کہ وفاق کو خطرہ ہے۔ آخر کیوں الگ ہو جائیں گے! یہ بات ہوتی ہی کیوں ہے؟ اس لیے کہ آج بھی ہم نے انگریزوں کا بنایا ہوا غلامانہ نظام اپنا رکھا ہے۔ ہم قومی سطح پر اسلام سے دور ہیں اگرچہ جنہیں اللہ نے توفیق دی ہے وہ ذاتی طور پر تو دین پر عمل پیرا ہیں۔ مگر سرکاری طور پر حکومتی سطح پر نفاذِ اسلام کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائیں اور توفیق دیں کہ دینِ اسلام کو اپنانے میں نفع ہی نفع ہے۔

مومن کی تمنا، غلبہء اسلام:

فرمایا: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور عنقریب فتح (نصیب ہوگی) اور ایمان والوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دیں۔

فرمایا، دوسری بات جو دنیا میں مومن کو بڑی پسند ہوتی ہے وہ دین کا غلبہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ اسلام فاتح ہو اور مومنوں کو کفار سے خطرہ نہ ہو یعنی کفار اُن پر زیادتی کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔ فرمایا، جب تم اللہ کے بندے بن جاؤ گے تو یہ جو تمہاری پسندیدہ چیز ہے غلبہء اسلام، یہ بھی تمہیں حاصل ہو جائے گی۔ کوئی تمہاری طرف بری نگاہ نہیں ڈال سکے گا اور نہ کسی میں جرأت ہوگی کہ تم پر غلبہ پا سکے یا تمہیں تکلیف دے سکے۔ اس لیے کہ جب اللہ کی نصرت نصیب ہوتی ہے تو فتح دور نہیں رہتی قریب ہی ہوتی ہے، فتح نصیب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی مدد ساتھ ہو تو فتح بھی ہمراہ ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو یہ خوشخبری دے دیجیے کہ جو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوں اُنہیں نصرتِ الٰہیہ اور فتح نصیب ہوگی۔

اللہ کی شانِ کریمی:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ۔۔۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔

سبحان اللہ! اللہ کریم بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں جبکہ کائنات کا ہر ذرّہ اس کا محتاج ہے۔ اس نے دین پر عمل کو اتنی اہمیت دی ہے کہ فرمایا جو دین کو اپناتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اسے اللہ کریم اپنا مددگار شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ بے نیاز ہیں۔ مومن اپنی بھلائی کے لیے دونوں جہانوں میں فلاح پانے کے لیے دین پر عمل کرتا ہے، شریعت کی پابندی کرتا ہے تو اس میں اس کا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم بے نیاز ہے لیکن بندے کے عمل کو اعلیٰ درجہ دینے کے لیے اتنا بڑھا دیا اور اس بندے کو اتنی عظمت دے دی کہ وہ کر اپنے لیے رہا ہے لیکن فرمایا، یہ میری مدد کر رہا ہے!

فرمایا، اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے، فرمایا: كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ جیسے عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم (علیہا السلام) نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے کون مددگار ہوں گے! حضرت مریم علیہا السلام کے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ومعاون ہوگا، کون میرا ساتھ دے گا؟ اُن کے ساتھیوں میں کچھ نے کہا، فرمایا: قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔۔۔ حواریوں نے کہا، ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے کُل بارہ آدمی تھے جنہوں نے اقرار کیا کہ وہ اللہ کی راہ میں اُن کا ساتھ دیں گے، اللہ کے مددگار بنیں گے یعنی آپ علیہ السلام کا اتباع کریں گے اور دین کو اپنائیں گے۔ یہ بارہ افراد تھے جنہوں نے اتباعِ دین اور دینی نظام کو اختیار کرنے کا اقرار کیا جبکہ باقی لوگوں نے بے دینی اور کفر کیا۔

فرمایا: فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر ہم نے ایمان لانے والوں کو اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی تو وہ غالب ہو گئے۔

بنی اسرائیل میں سے ان بارہ افراد نے تو بات مان لی اور اکثر نے انکار کر دیا اور انہوں نے زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہی کہ جو بات پسند آئے گی مانیں گے اور جو پسند نہیں آئے گی نہیں مانیں گے یعنی ان لوگوں میں سے جو خود کو پیروکار کہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو رفع آسمانی کے بعد خدا مان لیا کسی نے خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اب ایمان لانے والے تو صرف بارہ تھے جبکہ بے شمار لوگ مخالف تھے۔ آج بھی انجیل ان بارہ ساتھیوں کے نام سے جانی جاتی ہے یعنی اُن کی روایات ہیں گو بعد میں وہ بھی مسخ کر دیں گئیں۔ اُس ظلمت میں خیال تو یہ تھا کہ دینِ عیسوی مٹ جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات دب جائیں گی لیکن اللہ کریم نے اُن بارہ ایمان لانے والوں کی مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر فاتح بنا دیا۔ کفار کی مخالفت کے باوجود دینِ عیسوی پھیلا اور قائم رہا۔ پھر مرورِ زمانہ سے مسخ ہونا شروع ہو گیا یہ تمام پہلے ادیان کے ساتھ ہوا کہ جب وقت گزرتا گیا نبوت سے دوری آتی گئی۔ یہ دوریاں دلوں میں بڑے فاصلے پیدا کر دیتی ہیں۔ زمینی فاصلے بھی دوری کا سبب ہوتے ہیں لیکن زمانی فاصلے، وقت کی فاصلے جو ہوتے ہیں یہ دلوں میں بہت دوریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ وقت کے ساتھ دین میں تحریف ہو گئی لیکن جس طرح کفار کا خیال تھا کہ وہ دین کو مٹا دیں گے تو وہ ایسا نہ کر سکے۔ وہ بارہ ایمان والے اگرچہ تعداد میں کم تھے کامیاب رہے۔ اس لیے کہ اللہ کی مدد اُن کے ساتھ تھی کیونکہ انہوں نے دینِ عیسوی کو قائم رکھا تھا۔

سورۃ الجمعہ رکوع 1 آیات 1 تا 8

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ
الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ
وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۗ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ
فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ
حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵﴾ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا
بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۷﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بادشاہ ہے، پاک ہے، زبردست، حکمت والا ہے ﴿۱﴾ وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں، ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور

دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے ﴿۲﴾ اور ان میں سے اور (بعد میں آنے والے) لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں) سے نہیں ملے اور وہ (اللہ) غالب، حکمت والے ہیں ﴿۳﴾ یہ (ایمان نصیب ہونا) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں ﴿۴﴾ جن لوگوں پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر بہت سی کتابیں لدی ہوں (غرض) ان لوگوں کی بُری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو (توفیقِ) ہدایت نہیں دیا کرتے ﴿۵﴾ فرما دیجیے کہ اے یہود! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم بلا شرکتِ غیرے اللہ کے دوست ہو تو اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی آرزو کرو ﴿۶﴾ اور یہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتے ہیں ﴿۷﴾ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ یقیناً تم سے آ ملے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے تمام اعمال کی خبر دیں گے ﴿۸﴾

تفسیر و معارف

سورۂ جمعہ شروع ہوتی ہے۔ اس کے دو رکوع اور کُل گیارہ آیات ہیں۔ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مدنی حیاتِ طیبہ میں نازل ہو یہ چند سورتیں یکے بعد دیگرے آتی ہیں جو اللہ جلّ شانہٗ کی پاکی میں ہیں۔ انہیں مسبحات کہتے ہیں۔ فرمایا: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

زمین و آسمان کی، ارض و سماء کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ زبانِ حال سے بھی اس کی وحدانیت پر گواہ ہے اور اپنی زبانِ قال سے بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ اللہ کو یاد کرتی ہے اور جو چیز اللہ کا ذکر نہیں کرتی جو اللہ کو یاد نہیں کرتی وہ گویا موجود ہی نہیں، ہے ہی نہیں! انسان کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے مہلتِ عمل دی گئی ہے۔ وہ دنیا میں اس وقت

تک جسمانی حیات کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ اس عرصہ میں وہ اگر اللہ کا ذکر چھوڑ دیتا ہے تو اس کی روح مرجاتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ پھر وہ محض ایک کھانے پینے والا جانور رہ جاتا ہے۔ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: 179) یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ جانوروں کو تو اللہ نے پیدا ہی جانور کیا تھا۔ انہیں تو اللہ نے انسان بنایا تھا۔ یہ جب انسانیت سے گرے تو جانوروں سے بدتر ٹھہرے۔ ان کی زندگی چوپایوں جیسی ہوگئی کہ پاکی ناپاکی کا خیال نہیں، حرام حلال کی تمیز نہیں۔ اسے محض پیٹ بھرنا ہے جہاں سے جو مل گیا، کھالیا۔ فرمایا، جو اللہ کی یاد کھو بیٹھتے ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوجاتا ہے۔ معاشرے پر نظر ڈالیں تو یہی کچھ نظر آتا ہے۔ بہنیں اور بیٹیاں ناچ رہی ہیں، لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ باپ اور بھائی تالیاں پیٹ رہے ہیں۔ آبرو اور عزت کا جنازہ نکل گیا اور انہیں احساس ہی نہیں! کمانے کھانے میں حلال، حرام کی تمیز نہیں۔ صرف پیسہ چاہیے۔ لوٹ مار کر ملے، جہاں سے بھی مل جائے! لوگوں کو گدھے اور کتے کھلائے جارہے ہیں، بازار سے کھانے والے حرام اور ناپاک کھائے جارہے ہیں۔ اور جانور کیا ہوتا ہے؟

ایسے لوگوں کی روح دنیا میں ہی مرجاتی ہے جب زندگی ختم ہوگی تو سمجھ آئے گی کہ مردہ روحوں کا انجام کیا ہوتا ہے!

فرمایا، ارض وسماء کی ہر چیز اس اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، اس کا ذکر کرتی ہے جو: الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① جو بادشاہ ہے، پاک ہے، زبردست، حکمت والا ہے۔ وہ ہر طرح سے پاک ہے۔ اسے ہر طرح سے تقدس حاصل ہے جو ہر چیز پر غالب ہے، جو چاہے کرسکتا ہے، اسے کوئی احتیاج نہیں اور وہ حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اس کی کائنات میں نافرمان بھی زندہ ہیں اور انہیں زندگی کے سارے لوازمات بھی حاصل ہیں! یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

اُمّی قوم:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔۔۔ وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا، ایک ایسی قوم جو بحیثیت قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ اگرچہ ان میں بڑے بڑے فاضل لوگ بھی تھے۔ زبان دانی کے ماہر تھے، تاریخ اور انساب کے ماہر بھی تھے لیکن لکھنے پڑھنے والے لوگ بہت کم تھے۔ اُمّی سے مراد جاہل نہیں ہے۔ اُمّی سے مراد ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

کمال ہے کہ اس قوم کو ان علمی اور روحانی کمالات سے نواز دیا جس کی مثال نہیں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات خود بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ اس کے باوجود قرآنِ کریم جیسی عظیم کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے جاری ہوئی۔ قرآن کی تفسیر، قرآن کے معانی متعین فرمانا، قرآن کے مفاہیم بیان کرنا، ساری حدیث وسنّت نبیِٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور اُمّی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام ہے کہ دنیا میں کسی نے کچھ نہیں سیکھا اور زمانے بھر کو قیامت تک کے لیے سکھانا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ اُمّی کا معنی ہے وہ شخص جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کچھ علم ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن قیامت تک آنے والے ہر موضوع پر زندگی کے ہر پہلو پر سارے علوم کا خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ اطہر ہے۔ علوم کا منبع وحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے لہٰذا اُمّی صفت ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن زندگی کا سارا نصاب، ہر قوم، ہر ملک، ہر فرد کے لیے قیامت تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جاری ہوا۔

دنیا میں جب کسی قوم وملک کا دستور بنانا ہو تو قوم کے ذہین اور ہر شعبہ کے ماہرین جمع کیے جاتے ہیں۔ وہ مل کر قوم کا آئین بناتے ہیں لیکن جب اسے نافذ کرتے ہیں تو اس میں کئی ترامیم کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ پھر ترامیم کرتے ہیں اور پھر ایسا موقع آپڑتا ہے کہ مزید تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔ وطنِ عزیز کے آئین کو ہی مثال بنالیں۔ اس میں آج تک کم وبیش اکیس (21) مرتبہ تبدیلی کی جاچکی ہے۔

جو آئین ودستور آج سے چودہ سو سال سے زائد عرصہ پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے عالم کے لیے دیا وہ ایسا دستور ہے جو روئے زمین کے ہر فرد کے لیے، ہر قوم، ہر علاقے کے لیے یکساں قابلِ عمل ہے۔ جو اسے قبول کرلے اس کے لیے اس میں فائدہ ہے اور نقصان کا کوئی تصور نہیں! یہ معجزہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ یہ لائحہ عمل پوری دنیا کے لیے قابلِ عمل ہے اور قیامت تک اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ نزولِ اسلام سے لے کر اب تک لوگ اس پر عمل کررہے ہیں۔

چہارگانہ فرائضِ نبوت:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت چہارگانہ ہیں۔ فرمایا: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان کے سامنے آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو پاک کرتے

ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں۔

پہلا فریضہ، تلاوت آیات:

اللہ کریم نے اپنا تعارف، اپنی عظمت کا حوالہ دیا کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا پڑھنا نہ جاننے والی قوم میں مبعوث فرمایا۔ ایسا کامل و اکمل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اس نے اس قوم کو اللہ کے ارشادات سنائے اور اللہ کی طرف سے انہیں علوم کے وہ خزانے عطا فرمائے، اخلاص کی وہ کیفیات عطا کیں کہ زمانہ ان کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

اللہ کی آیات میں اللہ کی ذات وصفات کی بات ہے۔ یہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ جانے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے، وہ اس دنیا سے کہاں چلا جاتا ہے؟ اللہ کی آیات ہی ہیں جن میں ان سارے سوالوں کا صحیح ترین جواب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندوں کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔

وَيُزَكِّيهِمْ اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔ دوسرا فریضہ یہ ہے کہ ان کے دلوں کو پاک کر دیتے ہیں یعنی ان کی نگاہوں کو، سوچوں کو، ارادوں کو اور کردار کو پاک کر دیتے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے اسی کا دل پاک ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کی بھی تعیین ہوگئی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی کیفیت کیا ہے؟ رشتے ناطے تعلقات سے پہچانے جاتے ہیں۔ کس سے کتنی دوستی ہے، کس سے دشمنی ہے، کس سے رشتہ ہے، کس سے نہیں، یہ ہمارا کردار بتاتا ہے۔ تمام مثالیں اردگرد موجود ہیں۔ سگے بیٹے کو والد عاق کر دیتے ہیں۔ دوسروں کے بچے کے بارے کہتے ہیں یہ مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہے۔ کردار کا فرق ہوتا ہے۔ اپنے بیٹے نے نافرمانی کی، باپ لاتعلق ہو گیا۔ دوسرے کے بیٹے نے اطاعت کی اسے اپنانے پر تیار ہو گیا ہم میں سے ہر ایک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا دعویٰ ہے، محبت کا دعویٰ ہے، عشق کا دعویٰ ہے۔ محبت کتنی ہے، تعلق کتنا مضبوط ہے؟ اس کا پتا ہمارا کردار دیتا ہے کہ ہم نے تلاوت آیات سے کتنا حصہ حاصل کیا، قرآن کو کتنا پڑھا، کتنا سمجھا، کتنا ذہن نشین کیا، کتنا دل میں اتارا اور کتنے پر ہمارا عمل ہے؟

یہ فریضہ رسالت ہے کہ جو ایمان قبول کرلے اسے پاکیزگی عطا کریں۔ پاکیزگی کیا ہے؟ اسلام نے جسم پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لباس پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ غذا پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، گفتگو، کلام پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ساری ظاہری پاکیزگی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دلی پاکیزگی کی تعلیم فرمائی ہے۔ تزکیہ صفائی و پاکیزگی کو کہتے

ہیں اگرچہ اس میں بہت سی آراء ہیں کہ تزکیہ، تصوف کیا ہے۔ لیکن میری ذاتی رائے ہیں، جہاں تک مجھے اللہ نے معلومات دی ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کا پہلا ترجمہ فارسی میں ہوا تو تزکیہ کا ترجمہ تصوف کیا گیا۔ اور اس کا ہو بہو مفہوم یہی ہے، دلوں کی پاکیزگی!

ظاہری پاکیزگی کا ماحصل کیا ہے؟ یہ کہ بندہ اپنا عقیدہ درست رکھتا ہے سچ بولتا ہے، اچھے اعمال کرتا ہے: اس کا حاصل کیا ہے؟ دل بھی پاک ہو جاتا ہے جو چیز پھل ہوتی ہے وہی اس کا بیج بھی ہوتی ہے۔ اس پھل کو بطور بیج کاشت کیا جائے تو نیا درخت پیدا ہو جاتا ہے۔

تصوف، تزکیہ کا ترجمہ ہے اور تصوف یہ ہے کہ دل کو پاک کیا جائے۔ علمائے ظواہر ظاہری پاکیزگی سے شروع کراتے ہیں اور صوفیا دل کی پاکیزگی سے! تصوف میں پاکیزگی اور طہارت اندر سے باہر آتی ہے اور کردار پر چھا جاتی ہے۔ علمائے ظواہر، ظاہر سے شروع کراتے ہیں اور اس میں خلوص ہو تو ایک حد تک دل کو بھی پاکیزگی نصیب ہو جاتی ہے لیکن خلوص نہ ہو تو دکھاوے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اذکارِ قلبی میں بھی خلوص شرط ہے لیکن اس میں ایک عجیب تاثیر ہے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی کام دکھاوے کے لیے کرو تو اس میں فائدہ نہیں ہوتا، ذکرِ الٰہی دکھاوے کے لیے بھی شروع کر دیا جائے تو نتیجتاً خلوص پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ صابن اگر دھیان سے لگایا جائے تو میلا کپڑا صاف ہو جاتا ہے اور صابن کم خرچ ہوتا ہے لیکن صابن اگر بے دھیانی سے بھی لگایا جائے تو صاف پھر بھی ہو جائے گا۔ ذکرِ قلبی ایسی نعمت ہے کہ یہ دکھاوے کے لیے بھی شروع کیا جائے تو خلوص پیدا کر دیتی ہے۔

دلوں کو پاک کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہء نبوت ہے جو جاری ہے اب ہر فرد اپنی سوچ، فکر اور عقائد سے اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیسا تعلق ہے؟ ہمارا کردار، معاشرے میں ہر ایک کو نظر آتا ہے یا خود ہم پر واضح ہوتا ہے کہ ہماری سوچ و فکر اور ہمارا کردار کتنا اتباع نبوت میں ڈھل گیا؟

قرآن حکیم نے ایک ترتیب بنائی ہے کہ انسان کچھ نہیں جانتا تھا، اسے اللہ کا پیغام پہنچایا، پھر اس کے دل کو اس قابل بنایا کہ وہ اللہ کی آیات کو خلوصِ دل سے قبول کرلے پھر اسے کتاب کی تعلیم دی اور حکمت سکھائی۔

جب فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں اور انہیں کتاب کی تعلیم دیتے ہیں تو بات ایک ہی ہے پھر دو حصوں میں کیوں ہے؟ پہلا حصہ دعوتِ الٰہی ہے کہ اللہ کے احکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ آگے بندوں کا ردِّعمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ کچھ اسے قبول نہیں کرتے۔ وہ تو خارج از بحث ہو گئے۔ جو قبول کرتے ہیں ان کو پاک صاف کیا جاتا ہے۔ ظاہراً باطناً پاکیزگی عطا ہوتی ہے۔

دل میں پاکیزگی ازخود کیوں نہیں آجاتی؟

بعثتِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو لوگ تھے ان کے دل اس قابل کیوں نہ ہوئے کہ وہ احکامِ الٰہی کو پالیتے؟ ہر بار نبیؑ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہر بندہ خود ہی سوچ لیتا، نیکی کرتا۔ ازخود کیوں نہ پاسکا؟ یاد رکھیں! انسان میں بنیادی طور پر قبولیت کی استعداد تو ہے، حصول کی استعداد نہیں! قلبی پاکیزگی اور طہارت اللہ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔ دنیا میں اسے ربّ العالمین سے براہِ راست وصول کرنے والی ذات صرف ایک ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کا نبی ورسول علیہ السلام، اللہ اور اللہ کی مخلوق کے درمیان اللہ کا نبیؑ واحد واسطہ ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہی طریقہ رہا ہے۔ بغیر نبیؑ کے ازخود کوئی کچھ نہیں پاسکا۔ زیادہ سے زیادہ توحید کا اقرار کرسکتا ہے۔ قدرت کے دلائل دیکھ کر، مخلوق اور تخلیقات دیکھ کر خلاق کا قائل ہوجاتا ہے کہ وہی خالق ہے لیکن وہ کیسا ہے، کن باتوں پر راضی ہے، کن سے خفا ہے، یہ اسے پتا نہیں چلتا۔ اس کے لیے دل میں وہ قوت چاہیے، وہ تزکیہ چاہیے، جس سے وہ ادراک پیدا ہو جو مرضیاتِ باری کو پائے۔ اور تزکیہ کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع شرط ہے۔

تزکیہ کرنے کی قوت تخلیقی طور پر نبیؑ کو ہی عطا ہوتی ہے۔ یہ صرف نبیؑ کو ودیعت کی گئی ہے۔ اسے قبول کرنے کی استعداد سارے انسانوں میں ہوتی ہے۔ جو نبیؑ کا دامن تھامتا ہے اسے یہ دولت نبیؑ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ قوت ہر نبیؑ میں تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قوت کتنی اعلیٰ درجے میں ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ جس شخص نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر کے ایک نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ اس پر پڑ گئی وہ صحابیؓ ہوگیا۔ بعد میں آنے والوں میں سے اگر کسی کی عمر ہزاروں برس بھی ہو اور وہ ساری عمر جہاد کرتا رہے، روزے رکھتا رہے، تسبیحات اور نوافل پڑھتا رہے، ذکرِ قلبی کرتا رہے، دل کو صاف کرتا رہے تو بھی اتنی پاکیزگی نہیں پاسکتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اک نگاہ پاک سے صحابہؓ کو حاصل ہوگئی!

صحابیؓ ہونا محض لغوی اعتبار سے صحبت اختیار کرنا نہیں ہے۔ یہ کیفیت پانا ہے جو دلوں کو اتنا پاک کردیتی ہے کہ جس کے بارے غیر صحابی سوچ بھی نہیں سکتا۔

ان حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے جو اردو، فارسی، عربی لغت دیکھ کر مختلف اعتراض گھڑ کے صحابہ کرامؓ پر تنقید کرتے ہیں۔ انہیں دیکھنا چاہیے کہ ان کی حیثیت کیا ہے اور صحابہؓ کی عظمت کہاں ہے! کیا ایک چھٹانک، دس مَن، سو مَن کو تول سکتی ہے؟ ہماری حیثیت تو چھٹانک بھی نہیں، صحابہؓ کی عظمت کا وزن ہزاروں ٹن سے بھی زیادہ ہے! کیا

ایک ان پڑھ، جاہل کسی اعلیٰ عہدیدار کا مقدمہ سن سکتا ہے؟ اس کا جج بن سکتا ہے؟ تو ہم نے صحابہؓ کے جج بننے کی جسارت کیسے کی؟

صحابہ کرامؓ نے شمسِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روشنی حاصل کی اور کائنات بھر نے ان سے حاصل کی۔ جس نے بھی براہ راست حاصل کی وہ صحابیؓ ہو گیا۔ قیامت تک آنے والا ہر مسلمان ان سے حاصل کرتا ہے تو پھر ان پر تنقید کیوں؟ دراصل صحابہؓ پر تنقید نقصِ ایمان کی دلیل ہے۔

تیسرا فریضہ، تعلیمِ کتاب:

فرمایا: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔۔۔ انہیں کتاب کا علم عطا فرماتے ہیں۔ جب تک علم، الفاظ و حروف کی حد تک رہے تو وہ خبر ہوتا ہے۔ اور وہ دماغ تک رہتا ہے۔ تمام زبانوں کے حروف چند لکیریں، شوشے، ٹنڈے اور گھیرے ہیں جو مختلف انداز سے مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں۔ ان کی شکلیں مختلف ہوں گی لیکن ان سے جب الفاظ بنتے ہیں تو ان میں مفہوم آتا ہے۔ ایک ہی جملہ ہے، ''مجھے پانی پلا دو۔'' اردو میں یہ مفہوم ہے، انگریزی، فارسی، عربی یا کسی بھی زبان میں یہی مفہوم ادا ہو گا لیکن ان حروف والفاظ کی شکل مختلف ہو گی۔ یہ حکم دماغ تک جائے گا۔ اس کے اندر جو کیفیت ہے جب وہ دل میں اترتی ہے تو بندہ وہ کام کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم، کلامِ الٰہی ہے۔ ارشادِ باری کے مفاہیم دل میں اتریں تو بات بنتی ہے! اس کے لیے دل کو پہلے پاک ہونا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو وہ قلبی پاکیزگی عطا کی، جو صرف انہی کا خاصہ ہے۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے تمام مسلمانوں کا تزکیہ بھی برکاتِ نبوت سے ہی ہوتا ہے، ہوتا رہے گا۔

تعلیماتِ نبوت دو طرح سے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں نے اس کے الفاظ و حروف پہچانے۔ صرف و نحو کے اصول پہچانے۔ معانی سمجھے، ان پر عمل کیا اور انہیں آگے پہنچایا۔ اللہ کے یہ نیک بندے، نجات کے مستحق، اللہ کے انعامات کے مستحق، اعلیٰ درجات کے حامل۔ انہیں علمائے ظواہر کہا جاتا ہے یعنی ظاہری علوم کے وارث!

کچھ دوسرے اللہ کے نیک اور مخلص بندے تھے جنہوں نے ان کیفیات کے حصول پر عمریں لگا دیں جن کیفیات نے صحابہؓ کو صحابیؓ بنایا۔ صحابہؓ کی صحبت میں بٹنے والی ان کیفیات نے حاضر ہونے والوں کو تابعی بنایا۔ وہ کیفیات تابعین نے تقسیم فرمائیں تو تبع تابعی بنے۔ ان سے اہل اللہ نے، صوفیا نے اخذ کیں تو صوفی اور ولی اللہ کہلائے۔ تعلیماتِ نبوت کے اندر جو کیفیت ہے وہ جب دل میں اتر جاتی ہے تو عمل میں وہ خلوص، کھرا پن، گہرائی اور وسعت آتی ہے جس کی لذت ہی اور ہے۔ اسے ہی لذتِ آشنائی کہتے ہیں۔

اس طرح علم کی دو صورتیں ہیں۔ کئی خبریں ہم روزانہ سنتے ہیں، سب کو مان لیتے ہیں، سب پر عمل کرتے ہیں؟ نہیں۔ کہتے ہیں کوئی بات نہیں! جب وہ خبر علم بن جاتی ہے، دل میں اتر جاتی ہے تو علم بن جاتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص ایک جملہ کہتا ہے اور سننے والا آگ بگولہ ہو جاتا ہے حالانکہ کہنے والے نے چند الفاظ ہی کہے لیکن سننے والے کو ان الفاظ کے اندر موجود کیفیت بھی پہنچ گئی اور وہ غصہ میں آ گیا۔ یا کسی نے ایسی خوش کن بات کہی کہ اس کے اندر کی کیفیت دل میں اتر گئی اور بندہ مسرور ہو گیا۔ ایسا رشتہ جب علوم نبوت سے بنتا ہے تو اسے تعلیم کتاب کہتے ہیں۔ پھر قرآن پڑھیں تو کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ رحمت وکرم کی باتیں پڑھیں تو رحمتِ الٰہی کی رم جھم اندر برستی ہے۔ غضبِ الٰہی کا ذکر پڑھیں تو لرزہ طاری ہو جاتا ہے جنت کی بات ہوتی ہے تو بشارت ملتی ہے اور قرآن پڑھنے کا مزہ ہی اور ہو جاتا ہے۔

یہ ہے علم!

وَالْحِكْمَةَ ۔۔۔ اور دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ چوتھا فریضہ ہے دانائی سکھانا۔ دانائی اور دانائی کا علم کیا ہے؟ مفاہیمِ کتاب کو سمجھنا۔ ذہن سے سمجھنا بھی دانائی ہے لیکن ان مفاہیم کا دل میں اتر جانا اس کا کمال ہے! ان کیفیات کو پانے کا راستہ تصوف ہے۔ یہ عینِ اسلام ہے، اساسِ اسلام ہے، اسلام کی بنیاد ہے۔ اسلام سے الگ کوئی تصوف نہیں۔

اسلام سے الگ ہندوؤں کی یوگا ہے، جوگ ہے، دیگر لوگوں کے بنائے ہوئے مسمریزم اور جادو وغیرہ ہیں۔ ان کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلامی تصوف علمِ دین ہے۔ علمِ دین دل میں تب اترتا ہے جب برکات نبوت دل میں دَر آئیں۔ جو دلوں سے دلوں میں آتی ہیں۔ دیئے سے دیا جلتا ہوا آ رہا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے۔ صحابہؓ سے تابعین نے۔ تابعین سے تبع تابعین نے اور ان سے اہل اللہ نے برکاتِ نبوت حاصل کیں۔ تبع تابعین تک صحبت میں بیٹھنا کافی تھا۔ اس سے دونوں کام ہو جاتے تھے۔ تزکیہ بھی ہوتا تھا اور علم بھی دل میں اتر جاتا تھا۔ تبع تابعین کے بعد پہلے دلوں کو صاف کرنا پڑا، پاک کرنا پڑا تاکہ نورِ نبوت کی روشنی دل میں آئے تو اس کے ساتھ علومِ نبوت بھی آئیں۔ اسی کو تصوف کہتے ہیں۔

جس میں یہ نعمت نہیں، وہ تصوف کے نام پر کوئی غیر اسلامی رسومات ہوں گی۔ وہ تصوف نہیں ہیں۔

فرمایا: وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی

میں تھے۔ گمراہی تو گمراہی ہوتی ہے پھر واضح اور کھلی گمراہی سے کیا مراد ہے؟ یہ وہ گمراہی ہے جس میں گمراہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ گمراہ ہے لیکن اسے راہِ حقیقت کا پتا نہیں چلتا۔ بندہ جانتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، غلط کر رہا ہے۔ اس کا طرزِ عمل درست نہیں، عقیدہ ٹھیک نہیں۔ لیکن صحیح کیا ہے؟ اس کا بھی اسے پتا نہیں ہوتا۔ بعثتِ عالی کے وقت عرب کی یہ حالت تھی کہ ان کے دانشمند لوگ جانتے تھے، سمجھتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے غلط تھا۔ ان کا نظام غلط تھا، کردار غلط تھا لیکن صحیح کیا ہے؟ اس سے بے خبر تھے۔

صحابہ کرامؓ سے الحاق کرنے والے اللہ کے فضل کو پا گئے:

فرمایا: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ وران میں سے اور (بعد میں آنے والے) لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں) سے نہیں ملے۔ اور وہ (اللہ) غالب، حکمت والے ہیں۔

دو طبقے ہیں۔ ایک صحابہؓ کا طبقہ۔ دوسرا قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کا طبقہ۔ صحابہؓ کرامؓ وہ ہیں جنہوں نے نورِ نبوت اور علومِ نبوت براہ راست حاصل کیے۔ ان کے اعمال و کردار سے، قال و مقال سے نور برستا رہا۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ان کے بعد سے لے کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ وہ جو صحابہؓ کے ساتھ مل گئے۔ انہی سے علوم حاصل کیے اور انہی سے کیفیات حاصل کیں۔ الحاق ہوتا ہے کسی کے ساتھ لگ جانا۔ اکٹھا ہو جانا۔ دورِ حاضر میں یہ لفظ ممالک کے اکٹھے ہو جانے پر یا دو جماعتوں کے متحد ہو جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل جانے کے لیے فرمایا گیا۔ قیامت تک آنے والے وہ لوگ جو ان کے ساتھ مل گئے وہی اس نعمت کے مستحق ہیں۔ انہوں نے تزکیہ بھی پایا، تلاوت کا مزہ بھی پایا، علوم نبوت سے بھی سرفراز ہوئے اور اللہ کی رضا کو بھی پا گئے۔ بے شک اللہ غالب اور دانا تر ہے۔ وہ غالب ہے غلبہ رکھنے کے باوجود جو اتباعِ نبوت نہیں کرتے کیا انہیں تباہ کر دیتا ہے، کیا ان کی سانس روک لیتا ہے، ان کی روزی بند کر دیتا ہے؟ نہیں۔ انہیں مہلت عمل دیتا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے انسان کو وقتِ معین تک فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور دیکھتا ہے کہ کون کیا فیصلہ کرتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ یہ (ایمان نصیب ہونا) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔ ایمان لانا صحابہ کرامؓ سے منسلک ہو جانا۔ ان کی کیفیات سے حصہ پانا، یقیناً یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

اس کا کرم پھر اس کا کرم ہے۔ اس کے کرم کی بات نہ پوچھو

برکاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ والوں سے منسلک ہو جانا بڑی نعمت ہے۔ اہل اللہ کا اس نعمت کا اہل ہونا، امین ہونا، تقسیم کرنے کا سبب بن جانا، اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیا خوب کہا تھا کسی نے (نفحات الانس)

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلدا ایں سلسلہ را

یہ ایسی زنجیر ہے کہ دنیا کے نامور دلاور لوگ سب اسی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ برکاتِ نبوت کی یہ زنجیر قیامت تک کے دنیا بھر کے نامور اہل علم، اہلِ دل خوش قسمت لوگ اسی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ لومڑی حیلے حوالے کر کے اس زنجیر کو کیا توڑے گی! جو لوگ برکاتِ نبوت کا انکار کرتے ہیں وہ لومڑی کی حیثیت رکھتے ہیں!

اللہ کے کرم کو صحابہؓ نے اُمی قوم ہونے کے باوجود پالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کر کے پالیا۔ اور یہود، معلومات رکھنے کے باوجود علم سے بے بہرہ رہے! فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ جن لوگوں پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر بہت سی کتابیں لدی ہوں۔ (غرض) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیا کرتے۔

یہود میں سے جو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انہوں نے اتباعِ نبوت کیا۔ نورِ نبوت پا کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے، دل روشن کیے، کتابِ الٰہی پر عمل کیا وہ اللہ کے مقبول بندے تھے۔ یہاں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو بعد میں آنے والے ہوئے کہ یہ جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں انہوں نے اٹھانے کا حق ادا نہیں کیا۔ کیا کمال کا جملہ ہے: حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا۔۔ یعنی جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں جنہوں نے نہیں اٹھائی۔ تورات کو اٹھائے پھرتے ہیں پھر اس کو اٹھایا نہیں ہے۔ گویا بوجھ تو اٹھایا ہوا ہے، اس کی حقیقت کو قبول نہیں کیا، وہ کیفیت دلوں میں نہیں اتاری، اس پر عمل نہیں کیا۔

ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی گدھے پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو تو اسے ان کتابوں میں موجود علم سے کیا فائدہ؟ گدھے پر نمک کا بوجھ لاد دیا یا کتابیں۔ سونا لاد دیں یا ہیرے، اُسے کیا خبر؟ اس نے تو محض اٹھا رکھا ہے! یہود میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا رہے باوجود اس کے کہ وہ تورات کو پڑھتے ہیں، جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حاملِ تورات ہیں لیکن جب اس کی کیفیات کو دل میں نہیں اتارتے، اس کے فرمودات پر عمل نہیں

کرتے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشگوئی ہے، اس کی تصدیق نہیں کرتے اور جانتے پہچانتے ہونے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو گویا انہوں نے تورات کو نہیں اٹھایا ہوا، صرف بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔

اس آیہء مبارکہ میں مسلمانوں کے لیے بڑا واضح پیغام ہے کہ ہمیں بھی سوچنا ہے کہ ہمارا بھی دعویٰ ہے قرآن پر ایمان کا! کیا ہم اس کی لذت سے سیراب ہو رہے ہیں؟ اسے ہم نے دل میں اتارا ہے، اس پر خلوصِ دل سے عمل پیرا ہیں یا ہم نے بھی صرف بوجھ اٹھا رکھا ہے؟

اللہ کے نزدیک سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ قبول ہی نہ کرنا۔ وہ کافر ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب کی بات ہو رہی ہے۔ فرمایا، یہ زبانی مانتے ہیں، ان کے دل نہیں مانتے۔ یہ کتاب اٹھائے پھرتے ہیں لیکن کتاب کے مفاہیم پر ان کے دل مطمئن نہیں اور نہ ہی ان کا کتاب پر عمل ہے۔ سب سے بُرے وہ ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے جبکہ تورات میں، یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے! وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یعنی ظالموں کو اس دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ توبہ کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے۔ ہزاروں چیزیں پڑھتے رہیں، سنتے رہیں، لکھتے رہیں، انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ اس جرم کی سزا یہ ہے کہ اللہ انہیں ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں۔

یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کی محبوب قوم ہیں لہٰذا ان کی نجات تو یقینی ہے بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ صرف عیسائی نجات پائیں گے اور کوئی نجات نہ پائے گا۔ ارشادِ باری ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فرما دیجیے کہ اے یہود! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے دوست ہو تو اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی آرزو کرو۔ اللہ کریم نے فرمادیا کہ اگر انہیں اپنے حق پر ہونے کا اتنا یقین ہے اور یہ خاتم النّبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں فرما دیجیے کہ تم اپنے تئیں خود کو اللہ کا محبوب سمجھتے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو، دعا مانگو کہ اللہ تمہیں موت دے دے۔ تم تو اپنے آپ کو اللہ کا مقرب سمجھتے ہو۔ کہتے ہو کہ جنت میں تمہارے سوا کوئی نہیں جائے گا تو پھر موت مانگو! لیکن منافق تو موت کے نام سے ہی بھاگتا ہے۔ ارشاد ہوا: وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ اور یہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے کہ بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔

چونکہ اندر سے یہ جانتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ اگر ہم نے دعا کی اللہ ہمیں موت دے تو واقعی موت آ جائے گی۔ اور یہ مرنا نہیں چاہتے۔ یہ اپنے کرتوتوں سے ڈرتے ہیں۔ اپنے اعمال سے ڈرتے ہیں۔ انہیں پتا ہے انہوں نے جو آگے بھیجا ہے۔ اللہ ان کے قول وفعل سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ موت کا ڈر دو طرح سے ہوتا ہے۔ مومن کا ڈرنا اور منافق کا ڈرنا الگ الگ ہے۔ مومن بھی موت سے ڈرتا ہے لیکن مومن موت کے واقع ہونے سے نہیں ڈرتا۔ اپنے اعمال کی کمی کمزوری کے خیال سے ڈرتا ہے لہٰذا وہ ڈر مومن کو موت کی تیاری پر مجبور کرتا ہے کہ موت نے آنا ہے اس لیے زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھتا ہے، کردار کی اصلاح کرتا ہے، ایسے اعمال کرتا ہے کہ موت آئے تو بہتر نتائج سامنے آئیں۔

لیکن منافق تو موت کے آنے سے ہی خوفزدہ ہوتا ہے۔ اسے پتا ہے کہ اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے کافر اور منافق دونوں موت سے بے پناہ ڈرتے ہیں۔ مومن تو جنگ میں جذبہء شہادت سے جان دیتا ہے لیکن منافق وہ جرأت نہیں کر سکتا۔ قدرت کا یہ قانون ہے کہ جہاں ایمان نہیں وہاں موت کے نام سے بھاگتے ہیں۔ اگرچہ مرنا سب کو ہی پڑتا ہے لیکن ان کا مرنے کو دل ہی نہیں چاہتا جبکہ مومن موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ ایمان میں کمی ہو تو موت کا خوف اس طرح کا ہوتا ہے کہ مرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ نفاق کی دلیل ہے۔

اس بات کا تجربہ ہوا۔ قومی ایئر لائن میں بارہا سفر کا موقع ملا۔ عرصہ پہلے سفر کی ابتدا میں میوزک چلایا جاتا تھا۔ جہاز میں تجاویز کا ایک کارڈ رکھا ہوتا ہے۔ میں جتنی بار سفر کرتا اتنی بار یہ تجویز لکھتا کہ بجائے میوزک کے سفر کی مسنون دعا چلائی جائے۔ کافی عرصہ بعد جواب آیا کہ یہ تکنیکی طور پر ممکن نہیں۔ جواباً لکھا کہ کسی کی آواز میں دعائے سفر ریکارڈ کر کے اردو انگریزی ترجمہ کے ساتھ ابتدائے سفر میں سنا دی جائے، الحمدللہ! پنڈی کے ایک حافظ صاحب تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے ان کی آواز میں مسنون دعائے سفر ریکارڈ ہوئی۔ انگریزی اور اردو ترجمے کے ساتھ ملکی ایئر لائن میں سنائی جانے لگی تو بعض لوگوں کی طرف سے ایئر لائن کو خط آئے کہ اس دعا میں جہاں اللہ کے پاس جانے کا، موت کا ذکر ہے وہ ہٹا دی جائے مسنون دعائے سفر یوں ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: 13,14) پاک ہے وہ ذات جس نے ان (چیزوں) کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے۔ اور یقیناً ہم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ موت کا ذکر سفر کے ابتدا میں کر کے خوفزدہ کیا جاتا ہے لہٰذا وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ کے الفاظ ہٹا دیے جائیں۔ یہ اعتراض کرنے والے کلمہ گو تھے! موت کا ایسا خوف نفاق کی دلیل ہے۔

فرمایا، ان پر واضح کر دیجیے کہ جس موت سے یہ بھاگتے ہیں وہ تو آ کر رہے گی۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ۔۔۔آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ یقیناً تم سے آ ملے گی۔ تم کہاں تک بھاگو گے، کہاں تک انکار کرو گے؟ موت ہر حال میں آ جائے گی! یہ کافر کی نشانی ہے کہ وہ برائی کرتے ہوئے نہیں ڈرتا، ایسے نڈر ہو کر کرتا ہے گویا موت نے نہیں آنا۔ موت کا نام آ جائے تو خوفزدہ ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے موت کی کوئی تیاری نہیں کی۔

یہ بھی یاد رہے کہ موت آنے پر قصہ ختم نہیں ہوگا۔ فرمایا: ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۸ پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دیں گے۔

موت پر ہی بات ختم ہو جاتی تو بڑی بچت ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہے۔ فیصلے کا دن آئے گا۔ حساب کتاب ہوگا۔ پھر تمہیں اس عالی بارگاہ میں واپس جانا ہوگا جو ظاہر اور پوشیدہ ہر بات سے واقف ہے۔ وہاں اللہ جلّ شانہٗ تمہیں وہ جرائم بھی یاد کرائیں گے جو تم بھول چکے ہو۔ اس کی بارگاہ میں جب پہنچو گے تو ہر بات پہلے سے وہاں موجود ہوگی۔ تمہارے کھلے چھپے، ظاہر باطن کا جاننے والا تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے ہو!

سورۃ الجمعہ رکوع 2 آیات 9 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر (خطبہ ءنمازِ جمعہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور کاروبار بند کر دو اگر تم علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿۹﴾ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (کاروبار کرو) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو ﴿۱۰﴾ اور (بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ) جب سودا بکتا یا تماشا لگا ہوا دیکھتے ہیں تو اُدھر بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں فرما دیجیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (اس) تماشے اور تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھے رزق دینے والے ہیں ﴿۱۱﴾

تفسیر و معارف

گزشتہ رکوع میں منافق کا شیوہ بتایا گیا کہ وہ موت کے واقع ہونے سے خوفزدہ ہوتا ہے اور بجائے اس

وقت کی تیاری کرنے کے اس سے انکار کرتا ہے۔ مومن کا شیوہ ہے کہ وہ موت کے آنے کو حق سمجھتا ہے اور زندگی بھر اس کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ اس رکوع میں ایک قانون ارشاد فرمایا گیا ہے کہ موت کی تیاری یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی پابندی پورے خلوص سے کرو، سنّت کے مطابق کرو تو موت بھی ایک مبارک گھڑی بن جاتی ہے۔

حبان بن الاسود کا قول ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (تفسیر مظہری) موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔ موت اللہ کے طالب کو اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیتی ہے لہٰذا جب عبادت کا وقت آئے تو عبادت کرو۔ سب کام چھوڑ کر عبادت کرو۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ خیر ہے، جب فرصت ہوگی کر لیں گے۔ کام کاج تو کرتے ہو، لیکن نماز کا وقت ہو جائے تو پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ تاخیر کرو گے تو اس کا درجہ کم ہو جائے گا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے مسلمانوں کے لیے ایک دن، جمعہ کا دن ایسا رکھا ہے جو مبارک ہے۔ اس میں زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔

فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کا ذکر (خطبہ، نمازِ جمعہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور کاروبار کو بند کرو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔

اسلام میں جمعہ کے دن کی خاص اہمیت ہے۔ جمعہ کا دن بہت فضیلت کا حامل ہے۔ اس دن جمعہ کی تیاری کرنا، صاف ستھرا ہونا، غسل کرنا، اچھا لباس پہننا اور بہت سی سنّتیں اس دن سے وابستہ ہیں۔ جمعہ کی نماز کے لیے تاکید کی جا رہی ہے کہ اذان کے بعد خطبہ اور نماز کے لیے چل پڑو۔ پہلی اذان کے بعد کاروبار کو بند کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کاروبار تو زندگی کی ضرورت ہے۔ اللہ کریم نے اس سے روکا نہیں۔ یہ بتایا ہے کہ صلوٰۃ کے وقت کاروبار بند کر دو اور صلوٰۃ کے بعد کاروبار شروع کر لو۔ بے شک دنیا کے کام کاج ضروری ہیں۔ حلال رزق کمانے کے لیے جائز ذرائع سے محنت کرنا ضروری ہے لیکن اگر تم سمجھنا چاہو تو جان لو کہ اذان کے بعد تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ دنیا کے کام کاج روک دو اور اللہ کی یاد یعنی جمعہ کے لیے چل پڑو۔

خطبہ کی اہمیت:

پہلی اذان کے بعد جو خطبہ اپنی زبان میں دیا جاتا ہے اس کی خاص اہمیت یہ ہے کہ بہت سے ضروری دینی احکام اور مسائل بیان کرنے کا موقع ملتا ہے۔ سننے والوں کی اصلاح کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جب

جمعہ کی اذان دی جائے تو کام کاج بند کر دو اور اللہ کی یاد کی طرف لپکو۔ جمعہ میں دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پہلی اذان اس بات کا اعلان ہے کہ خطیب دین کے بارے جو بتائے وہ سنو۔ دوسری اذان خطبہء جمعہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس اذان پر جمعہ شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے عربی کا خطبہ ہوتا ہے پھر اقامت کے بعد امام دو رکعت پڑھاتا ہے۔ پہلی اذان محض بلاوا ہے اس پر مسجد پہنچ جانا چاہیے، اس پر بہت ثواب ہے۔ دین سیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ خطبا و علما کو بھی چاہیے کہ خطبہ میں دین بیان کریں۔ وضو کا طریقہ، نماز کا سلیقہ، نماز جنازہ کا طریقہ، جنازہ کی دعا۔ ایسی بنیادی باتیں سکھائیں۔ درست عقیدہ کیا ہے، بتائیں۔ کردار کیسا ہونا چاہیے، یہ بتائیں۔ امورِ دنیا کیسے سنّت کے مطابق کرنے ہیں؟ وہ سکھائیں۔ یا قرآن حکیم کا ترجمہ سنائیں، حدیثِ پاک کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ جو باتیں سارا دن میڈیا دکھاتا ہے وہی باتیں، وہی سیاست، اس اہم اور قیمتی وقت میں بیان کی جاتی ہیں۔

جب دوسری اذان ہو جائے تو پھر دنیا کا کام کاج حرام ہو جاتا ہے یہ عربی کا خطبہ اور نمازِ جمعہ کا وقت ہے۔ یہاں، یہی فرمایا گیا ہے کہ بے شک دنیوی کام ضروری ہیں لیکن آخرت سے زیادہ ضروری نہیں۔ دنیا تو فاقے میں بھی بسر ہو جائے گی۔ آخرت میں ایسے گزارا نہیں ہوگا لہٰذا دنیا کے کام کاج چھوڑ کر فوراً نماز کی طرف آؤ۔

کام کاج، کاروبار، نماز جمعہ کے بعد:

فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝١٠ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (کاروبار کرو) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔ حکم ہو رہا ہے کہ جب نماز مکمل ہو جائے تو واپس کام پر چلے جاؤ۔ جمعہ کی نماز کے وقت کام کاج بند کر دو، نماز ادا ہو گئی تو اپنا کام کرو۔ اسلام میں چھٹیوں کا تصور کم سے کم چھٹی کا ہے۔ اسلام کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر کام کو اس کے وقت پر کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ صلوٰۃ کے وقت صلوٰۃ، کام کے وقت کام! یہاں اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی جمعہ کی نماز کے بعد کام کاج کرنا، کاروبار کرنے میں اللہ کا فضل ہے، برکت ہے۔

ذکرِ قلبی ہی ذکرِ کثیر ہے:

حکم ہوا ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ۔ روزی تلاش کرو اور ذکر کثیر کرو تا کہ دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی حاصل کرو۔ دنیوی کام کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ یہاں اللہ کریم نے کثرتِ ذکر کا حکم دیا ہے۔ کام کاج کا بھی حکم دیا اور کثرت سے ذکر اللہ کا بھی حکم دیا۔ یعنی دل اللہ

کو یاد کرے اور کرتا رہے تو کام کاج بھی ہوتے رہیں گے، ذکرِ الٰہی بھی جاری رہے گا۔ ایسا تب ہی ممکن ہے جب دل ذکر کرتا رہے۔

بعض لوگ جو قلبی ذکر کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کیا نماز ذکر نہیں ہے، قرآن ذکر نہیں ہے؟ بلاشبہ نماز بھی ذکر اللہ ہے، قرآن بھی ذکر اللہ ہے۔ ہر نیک قول اور ہر نیک عمل ذکر اللہ ہے۔ اس آیہء مبارکہ میں ذکر اللہ کی ان تمام صورتوں کی ادائیگی کے بعد ذکرِ کثیر کا حکم ہے، وہ کیا ہے؟ آدمی، جب اصلاحی دینی خطبہ سنے گا، پھر خطبہء جمعہ عربی میں سنے گا پھر صلوٰۃ الجمعہ باجماعت ادا کرے گا، سنتیں، نوافل پڑھے گا اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے کام پر واپس آجائے گا تو اس کے ہاتھ بھی کام کریں گے، نگاہ بھی کام کی طرف ہوگی، زبان بھی کام کاج کی باتوں میں لگی ہوگی تو ذکرِ کثیر کیسے ہوگا؟ یہ ذکرِ قلبی ہی ہے جو ذکرِ کثیر ہے۔ جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو پھر اسے ذکرِ دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ بندہ دنیا کی باتیں کر رہا ہوتا ہے، قلب ذکر کرتا رہتا ہے۔ بندہ سوجاتا ہے دل ذکر کرتا رہتا ہے۔ بندہ بے ہوش ہو جاتا ہے، دل ذکر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ بندہ مرجاتا ہے لیکن قلب ذکر کرتا رہتا ہے۔ جو ذاکر دل لے کر برزخ پہنچتا ہے، وہ وہاں بھی ذکر کرتا رہتا ہے۔ ذکرِ قلبی کے علاوہ اس حکم کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ فرمایا: لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔ قرآن حکیم جسے کامیابی کہتا ہے وہ محیط ہے دنیا اور آخرت کی کامیابی پر۔ عربی میں فلاح کا معنی ہی ایسی کامیابی ہے جو دنیا و آخرت پر محیط ہو۔ اگلی آیہء مبارکہ میں حکم آگیا کہ اُخروی فائدے کو دنیوی فائدے پر ترجیح دیں۔

اخروی فائدے کو دُنیوی فائدے پر ترجیح دیں:

ابتدا میں خطبہء جمعہ، صلوٰۃ الجمعہ کے بعد ہوتا تھا جیسے عید کا خطبہ ہوتا ہے عید کی نماز پڑھ کر خطبہ ہوتا ہے۔ جمعہ کا خطبہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ پہلے جمعہ کی نماز پڑھی جاتی۔ جب نماز ادا ہو جاتی تھی پھر جمعہ کا خطبہ دیا جاتا تھا۔ یاد رہے! جمعہ کو ظہر کی چار رکعت کی بجائے دو رکعت فرض پڑھتے ہیں۔ جمعہ کے دو خطبے دو رکعت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دو رکعت فرض ادا فرماتے تھے پھر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض صحابہء کرام جمعہ کی نماز کے فرض پڑھ کر خطبہ سننے کی بجائے اس قافلے کی طرف چل پڑے جس نے شہر سے باہر پڑاؤ کر رکھا تھا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں اشیائے ضرورت کی کمی تھی۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر اس خیال سے چلے گئے کہ نماز تو ادا ہو چکی لہٰذا قافلے تک جلد پہنچنا چاہیے کہیں اشیائے ضرورت

ختم ہی نہ ہو جائیں۔ قافلوں کا دستور ہی یہی تھا کہ وہ شہر سے باہر پڑاؤ کرتے، شہر میں اعلان کرا دیتے اور لوگ جلد از جلد پہنچ کر خریداری کر لیتے۔ جو کسی سبب سے نہ پہنچ پاتے انہیں بعض اشیائے ضرورت دستیاب نہ ہوتیں تو انہیں کسی اور دن آنے والے قافلے کا انتظار کرنا پڑتا۔ اسی سبب سے بعض لوگ خطبہ سنے بغیر قافلے کی طرف چل پڑے۔ یہ بات اللہ کریم کو ناگوار گزری۔ ارشاد ہوتا ہے: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾ اور (بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ) جب سودا بکتا یا تماشا لگا ہوا دیکھتے ہیں تو ادھر بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ فرما دیجیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (اس) تماشے اور تجارت سے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب سے اچھے رزق دینے والے ہیں۔

اس واقعے پر اللہ کریم نے ناگواری کا اظہار فرمایا کہ عجیب بات ہے! کوئی تجارتی قافلہ آجائے، دنیا کے کاروبار کا معاملہ آجائے تو یہ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ دنیا کی کوئی ضرورت رہ بھی گئی تو کوئی بات نہیں، دینی ضرورت پہلے پوری ہونی چاہیے۔ یہ جرأت کیسے ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے ہوں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ کر دنیوی کاموں کی طرف چل پڑیں!

یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی کاروبارِ حیات کو "تماشا لگا ہوا دیکھتے ہیں" فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس بھاگ دوڑ، کھیل تماشے سے اللہ کے نزدیک وہ نعمت بہتر ہے جو خطبے میں مل رہی ہے۔ وہ زیادہ قیمتی ہے جسے چھوڑ کر یہ دنیا کی طرف چل دیے۔ کھیل تماشا کیا ہے؟ جیسے بچے کھیلتے ہیں۔ کوئی بادشاہ بن جاتا ہے کوئی تھانیدار کوئی سپاہی تو کوئی چور۔ جب کھیل سے جی بھر جاتا ہے تو سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر کو چلے جاتے ہیں۔ دنیا کا نظام بھی ایسا ہی ہے۔ جب موت آتی ہے تو بادشاہ اور فقیر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بادشاہ، بادشاہ رہتا ہے نہ فقیر، فقیر رہتا ہے۔ دونوں میت ہوتے ہیں دونوں کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔ سارا کھیل تماشا ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ابدی زندگی کا مسافر ہو جاتا ہے۔ یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بہترین ہے جو خطبے میں مل رہا ہے۔ اس سے بہتر ہے جس کی خاطر یہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ، نمازِ جمعہ سے پہلے کر دیا۔ تب سے اب تک خطبہء جمعہ پہلے ہوتا ہے پھر جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ خطبہ ختم ہو لینے دیں پھر دو رکعت جماعت کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اس پر تنبیہ ہے کیونکہ جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے۔ یہ دو رکعت کا قائم مقام ہے لہٰذا اس کی حاضری ضروری ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجیے کہ دنیا کے کاروبار میں جتنا بھی منافع ہو یہ پھر بھی کھیل تماشا ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴿۱۱﴾ اور اللہ سب سے اچھے رزق دینے والے ہیں۔ رزق کی خاطر عبادت میں کمی نہ کی جائے۔ رزق اللہ کریم دیتے ہیں۔ رزق محض کسی کی محنت سے نہیں ملتا۔ اگرچہ جائز ذریعہ سے رزق حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا بھی ضروری ہے لیکن یہ نہیں کہ عبادت چھوڑ کر کاروبارِ دنیا میں ہی لگ جاؤ۔ عبادت کے وقت عبادت ضروری ہے۔ کام کے وقت کام ضروری ہے۔ اس لیے جمعہ کے دن حکم دیا جا رہا ہے کہ اذان ہو جائے تو ہر قسم کا کام اور مشغولیت ترک کر دی جائے۔ جمعہ ادا کیا جائے پھر فارغ ہو کر دوبارہ اپنے کام میں لگ جایا جائے یعنی اوّلیت دین کو ہے۔ دنیا اس کے تابع ہے لہٰذا دینی حدود کے اندر رہ کر دنیا طلب کی جائے تاکہ وہ دین بن جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے کیونکہ وہ دنیا کے کام بھی دینی حدود کے اندر رہ کر کرتا ہے۔

رزق تو اللہ نے ہی دینا ہے۔ وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ وہ جتنا چاہتا ہے اتنا عطا کرتا ہے۔ جس کو جتنا دینا چاہے اس کی عطا ہے۔ اس کی تقسیم اس کی اپنی حکمت پر منحصر ہے۔ بہترین روزی دینے والے اللہ جلّ شانہٗ ہی ہیں لہٰذا اللہ کے ارشاد کے مطابق رزق حاصل کرنے میں ہی بہتری ہے۔

سورۃ المنٰفقون رکوع 1 آیات 1 تا 8

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿١﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ
تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ
مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٥﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ
رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ
الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے پیغمبر ہیں۔ اور

اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً (دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب) یہ منافق جھوٹے ہیں ﴿۱﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے تو یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک جو کچھ یہ کرتے ہیں بہت بُرا ہے ﴿۲﴾ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر (کلماتِ کفر یہ کہہ کر) کافر ہوئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سو یہ سمجھتے ہی نہیں ﴿۳﴾ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو (ظاہری شان و شوکت کے باعث) ان کے قد کاٹھ آپ کو بھلے معلوم ہوں اور جب یہ باتیں کرتے ہیں تو آپ ان کی باتیں سنیں (فہم و ادراک سے خالی) گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔ ہر چیخ و پکار کو اپنے اوپر (مصیبت) سمجھنے لگتے ہیں۔ یہی لوگ (آپ کے) دشمن ہیں سو آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ اللہ ان کو غارت کرے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں ﴿۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ کہ اللہ کے پیغمبر تمہارے لیے بخشش طلب فرمائیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۵﴾ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں ان کے حق میں برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرماتے ﴿۶﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے پاس (جمع) ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ لوگ (خود بخود) بکھر جائیں اور آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ کے ہیں ولیکن منافق نہیں سمجھتے ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والے، ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے پیغمبر کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ولیکن منافقین نہیں جانتے ﴿۸﴾

تفسیر و معارف

سورۂ منافقون شروع ہوتی ہے۔ یہ مدنی سورتوں میں سے ہے۔ یہ منافقین کے بارے ہے کہ منافقین کون ہیں، ان کا کردار کیا ہے اور نفاق کا انجام کیا ہے! کفر کی کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبوت کا انکار

کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہوئے۔ یہ سیدھے سیدھے کافر ہیں۔ دوسرے وہ تھے جو انبیا کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والے یہود اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے والے نصاریٰ لیکن جب انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تو یہ کافر ٹھہرے۔ تیسرا طبقہ ایسا بھی تھا، جو دنیا کے فائدے حاصل کرنے کے لیے کلمہ بھی پڑھتا تھا، خود کو مسلمان کہتا تھا، لوگوں کے سامنے نمازیں بھی پڑھ لیتا۔ لوگ سامنے نہ ہوں تو نہیں پڑھتا تھا۔ یہ منافق تھے۔ یہ سورت انہی لوگوں کے بارے ہے۔ ان کا کردار واضح کرتی ہے۔ منافق کی نشانیاں اور علامات بتاتی ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے پیغمبر ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً (دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب) یہ منافق جھوٹے ہیں۔

اللہ کریم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے نفاق سے ہوشیار فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ اندر سے کافر ہیں بظاہر انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ آپ کو زبانی زبانی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے خود اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے، رسول مقرر کیا ہے، رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یقیناً اللہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہیں لیکن اللہ اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ یہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ یہ بظاہر ماننے کا اعلان کرتے ہیں اندر سے نہیں مانتے۔

نفاق کا سبب:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ میں عبداللہ ابن اُبیٔ لیڈر بننے کی تیاریوں میں تھا۔ مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مدینہ کی ساری آبادی اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ ان کا کوئی ایک لیڈر، سربراہ ہونا چاہیے جوان کا بادشاہ ہو۔ چنانچہ سب کا اتفاق ابن اُبیٔ کے لیے ہوگیا کہ اسے بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اس کی تاجپوشی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ طے پا گیا کہ اس کے لیے سونے کا تاج تیار کروایا جائے اور تاجپوشی کے موقع پر اس کے سر پر رکھا جائے۔ اِدھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں اُدھر مدینہ کے کچھ لوگوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دین پہنچی اور وہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ چونکہ حج کا رواج کفار میں بھی تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے حج کے نام پر ایک رسم چلی آرہی تھی۔ طول و عرض سے لوگ بیت اللہ آجاتے، کوئی لباس پہن کر طواف کرتا تو کوئی بے لباسی میں کرتا۔ کوئی سیٹیاں بجاتا

تو کوئی اچھلتا کودتا۔ مدینہ منورہ کے چند لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچی انہوں نے قبول کر لی اور حج کے موقعہ پر مشرکینِ مکہ سے چھپ کر وادیءعقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کر لی۔ اگلے سال کچھ مزید ساتھیوں کو لے کر گئے۔ وادی عقبہ میں دوسری مرتبہ بیعت ہوئی۔اسے عقبہءثانیہ کہتے ہیں۔انصارِ مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی دعوت دی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔اب مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا۔ دینِ اسلام کی پذیرائی ہونے لگی۔اس کا اثر یہ ہوا کہ ابنِ اُبیءکو جو بادشاہ بنایا جارہا تھا وہ بات ختم ہوگئی۔لوگ اسلام قبول کرتے گئے۔اسلام پھیلنے لگا۔اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔مسلمان ہوتے ہی فرد کی زندگی سے لے کر قوم اور معاشرے تک سارا نظام اسلامی ہو جاتا ہے۔اسلام میں بادشاہت یعنی شخصی حکومت کی کوئی گنجائش نہیں۔اسلام حکمران کو خلیفہ کہتا ہے، اللہ کا نائب کہتا ہے جو اللہ کی طرف سے اللہ کے بندوں پر اللہ کے احکام نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔چونکہ نظام ہی بدل گیا تو ابن ابیءکی بادشاہت کا معاملہ ختم ہی ہوگیا۔اب اسے اسلامی نظام سے دشمنی ہوگئی کہ اس نظام نے اس کی بادشاہت ختم کر دی۔اگر نبی آجاتا، نیا دین آجاتا، عبادت کے نئے طریقے آجاتے تو اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔نظام تو معاشرہ قائم کرنے کے لیے چاہیے تھا۔اس نظام میں وہ بادشاہ بن جاتا لیکن اسلام نے پوری زندگی کا نظام ہی بدل کر رکھ دیا اور بادشاہت کی گنجائش ہی نہ رہی تو ابنِ ابیءکے طیش کا کوئی عالم نہ تھا جس کا وہ اظہار نہیں کر رہا تھا۔منافق کو نظامِ اسلام سے خطرہ تھا۔وہ کہتا تھا کہ میں رسالت کو مانتا ہوں لیکن کام، اپنی مرضی کے کروں گا۔نظام میرا اپنا ہوگا۔طرزِ حکومت، طرزِ معاملات عدالت وسیاست پر میری مرضی سے ہوگا۔

مسلمانوں پر غیر اسلامی نظام مسلط رکھنا منافقت ہے:

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے اور ہمارے صاحبِ اقتدار لوگوں کو ہدایت دے کہ ملک پر اسلامی نظام کا نفاذ کردیں۔آج ہم اپنا تجزیہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ ہم منافقین کی زندگی جی رہے ہیں۔ہم اسلام کو مانتے ہیں۔نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن اسلامی نظام نہیں لانا چاہتے۔جس طرح منافق ابن ابیءنظامِ اسلام کو نہیں مانتا تھا کہ مان لینے سے اس کی ذاتی چودہراہٹ ختم ہو جاتی تھی اسی طرح اسلامی نظام نافذ کرنے سے ہماری مرضی اور حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ہم اللہ کے نائب بن جاتے ہیں۔اللہ حکم دیتے ہیں کہ تم دنیا میں میرے احکام نافذ کرو گے! تو پھر ہم کہاں گئے۔آج کے حکمرانوں کا بھی یہی مسئلہ ہے جو اس دور کے منافقوں کا تھا۔مسلمان عوام پر آج کے جو مسلمان حکمران، اسلام کا نفاذ نہیں کر رہے تو اسی لیے نہیں کر رہے کہ ان کی اپنی مرضی ختم ہو جائے گی۔وہ بھی ایک عام آدمی کی سطح پر آجائیں گے۔ اسلامی ملک کا سربراہ خلیفہ ہوگا۔اس کا محاسبہ بھی عام آدمی کی طرح ہوگا!

یہ اس سے بھی بڑی منافقت ہے کہ دعویٰ اسلام کا کیا جائے۔ اسلام کا نام پر ووٹ لئے جائیں، اقتدار حاصل کیا جائے اور پھر اسلام نافذ نہ کیا جائے! اللہ کرے یہ آواز حکمرانوں تک پہنچے۔ اللہ انہیں سمجھنے کی توفیق دیں۔ وہ تائب ہو کر مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے ظلم سے نجات دلوائیں جو حکمران بھی یہ کر گزرے گا وہ اللہ کا بہت ہی مقبول اور محبوب بندہ ہوگا۔

اس ظلم میں ہم چھوٹے بڑے سب شامل ہیں۔ آپ کسی نیک بندے کو الیکشن میں کھڑا کر کے دیکھیں۔ اسے کوئی ووٹ نہیں دے گا۔ ایک عام آدمی سے پوچھیں کہ اسے ووٹ کیوں نہیں دیا تو وہ کہے گا۔ کل کو تھانے چوکی میں مجھے کوئی مسئلہ پڑا تو یہ شخص میری سفارش نہیں کرا سکے گا! ایسا کہنے والا وہ ہے کہ اس کا باپ کبھی تھانے گیا نہ دادا اور نہ ہی وہ خود ساری عمر تھانے چوکی گیا۔ بس ایک خدشہ ہے کہ کہیں ضرورت نہ پڑ جائے۔ اسی پر وہ نیک لوگوں کو اوپر نہیں آنے دے رہا! بھلا تھانے کون جاتا ہے؟ جو جرم کرتا ہے وہی جاتا ہے۔ اسے پتا ہے کہ کہیں اس سے جرم ہو گیا تو پھر؟ یعنی اسے اپنے آپ بھی اعتبار نہیں۔ بس ایک اندیشہ ہے جس کی وہ پیش بندی کر رہا ہے کہ جب میں برائی کروں گا تو یہ میرا ساتھ دے گا۔ یعنی جسے ووٹ دیئے جا رہے ہیں وہ برائی میں ان سے بڑھا ہوا ہوگا جو تھانے چوکی میں ان کی مدد کرے گا۔ ہم بھی اس طرح کے لوگ چنتے ہیں۔ ہم بھی اس بگاڑ کے ذمہ دار ہیں۔ جو اقتدار میں آ کر اسلامی نظام نافذ نہیں کرتے، انہیں جب اللہ پوچھے گا تو پتا چلے گا کہ ذمہ داری کیا ہوتی ہے؟ یہاں جھنڈے والی گاڑی، گارڈ، ناز نخرہ ہے۔ سڑک پر زندہ باد کے نعرے سننے کو ملتے ہیں۔ سلام کرنے والے جمع ہو جاتے ہیں قبر میں ساتھ کچھ نہیں جائے گا۔ گاڑیاں نہ جھنڈے نہ صاحب سلامت کرنے والا! اپنے اپنے اعمال ہوں گے، بندہ ہوگا اور اللہ کی بارگاہ ہوگی!

غزوۂ بنی المصطلق مختصراً:

بنو مصطلق کفار کا ایک قبیلہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اس قبیلے کا سردار حارث بن ضرار ریاستِ اسلامی کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کی تحقیق کروائی۔ معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے تو آپ صحابہ کرامؓ کو لے کر روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس جہاد کی قیادت فرمائی۔ آبادی سے باہر مریسیع نامی ایک چشمہ تھا۔ یہ اُن کا پانی کا ذخیرہ تھا۔ اس چشمے پر مسلمان پہنچ گئے۔ مقابلہ ہوا لیکن وہ تیر اندازی میں ہی شکست کھا گئے۔ تلوار کی نوبت ہی نہ آئی۔ بہت سے مرد و خواتین قیدی ہوئے لیکن وہ خوش نصیب لوگ تھے کہ ان کے سردار کی صاحبزادی جویریہ تھیں۔ وہ اسلام لے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے ازواجِ مطہرات میں شامل فرما لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے اس قبیلے کے مرد و خواتین رہا کر دیے کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

سسرال کے لوگ ہیں۔ یہ سارے لوگ مسلمان ہو گئے بعد میں اُم المومنین حضرت جویریہؓ کے والد حارث بن ضرار بھی مسلمان ہو گئے۔

اس جہاد میں دنیوی مال ومنال میں حصہ پانے کے لالچ میں منافقین کا سردار ابنِ ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہوا۔ یہ اور اس کے ساتھ دلی طور پر مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور دنیا کے فائدے کے لیے کلمہ پڑھتے تھے۔ ان لوگوں نے اس موقع پر خوب فتنہ انگیزی کی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمتِ عملی سے فرو فرمایا۔

نفاق کی نشانیاں:

بڑی عجیب بات ہے کہ جہاد تو بنومصطلق کے خلاف ہوا لیکن اس سورت میں اس غزوہ کے ذکر کے ساتھ ساری بحث منافقین کے کردار پر ہے۔ سورت کا نام ہی سورۂ منافقون ہے۔ اس غزوہ کے موقع پر چونکہ منافقین کا کردار کھل کر سامنے آ گیا اس لیے اللہ کریم نے ان کے کردار، نفاق کی علامات، اثرات اور نتائج کو مفصل بیان فرمایا۔ نفاق کی پہلی نشانی یہ ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنی مسلمانی کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں ایمان نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے۔ مزید نشانیاں یہ ہیں۔ فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ② انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے تو یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک جو کچھ یہ کرتے ہیں بہت برا ہے۔

مزید علامتیں یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی مسلمانی کے دعوے کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ کہنے کو مسلمان ہیں۔ ان کا دعویٰ تو اسلام کا ہے لیکن انہوں نے اپنی مسلمانی کے دعوے کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ کہنے کو مسلمان ہیں۔ ان کا دعویٰ اسلام کا ہے لیکن دل میں اسلام کے دشمن ہیں۔ اسلامی ریاست سے بحیثیت مسلمان دنیوی فوائد لینا چاہتے ہیں اس لیے ایمان کو انہوں نے ڈھال بنا رکھا ہے۔ ان کا کردار یہ ہے کہ خود اللہ کی راہ پر چلتے نہیں اور دوسروں کو چلنے نہیں دیتے۔ اللہ کی راہ سے روکنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مختلف سازشیں کر کے، حیلے بہانے سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مختلف سازشیں کر کے، حیلے بہانے سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ بہت ہی برا کردار ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے!

قرآن کا نزول تو خاص ہے۔ خاص واقعات پر آیات نازل ہوئیں لیکن قرآن کے احکام عام ہیں اور قیامت تک کے لیے ہیں۔ یہ آیہ مبارکہ ہمیں آئینہ دکھا رہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں بھی لوگ خود نماز ادا نہیں کرتے پھر نمازیوں پر نمازی ہونے کا طنز بھی کرتے ہیں۔ جو لوگ خود ضابطہ اسلامی پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ ان

لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو اسلامی قواعد وضوابط پر عمل کرتے ہیں۔ اور اگر ایسے لوگ اقتدار میں آجائیں تو وہ ایسے قانون بناتے ہیں جو خلافِ اسلام ہیں۔ جیسے اسلامی ممالک میں سرکاری سرپرستی میں سودی کاروبار چل رہا ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے قانون لاگو ہیں جو خلافِ اسلام ہیں لیکن انہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ منافقت کی بدترین قسم ہے۔ ایسے ہی لوگ منافق ہیں۔ انہوں نے ایمان کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ دکھاوے کو نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں، دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن کردار ایسا ہے کہ عملاً اسلام کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس روش کی وجہ کیا ہے؟

فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر (کلماتِ کفریہ کہہ کر) کافر ہوئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سو یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اعمال کی جو سزا دارِ دنیا میں مرتب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض گناہوں کے سبب دینی سمجھ ختم ہو جاتی ہے۔ برائی کرنا اور دین کی مخالفت بھلی لگنے لگتی ہے۔ دین پر عمل دشوار لگتا ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ یہ دین کی مخالفت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ایمان تو لائے، اسلام قبول تو کیا پھر کافر ہو گئے یعنی دعویٰ اسلام کا رہا، کردار کافروں کا اپنا لیا۔ اس سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اب یہ حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ یہ برائی پر خوش ہیں۔ دین کی مخالفت پر راضی ہیں۔ اسی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ دین کی سمجھ سے عاری ہو گئے ہیں۔ یہی وہ بہت بڑی سزا ہے جو دارِ دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے۔ اللہ پناہ دے!

نفاق کی وجہ بتانے کے بعد اس کے اثرات کا ذکر ہے۔ منافق کی شخصیت کے پہلو واضح کیے جا رہے ہیں۔
فرمایا: وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو (ظاہری شان وشوکت کے باعث) ان کے قد کاٹھ آپ کو بھلے معلوم ہوں اور جب یہ باتیں کرتے ہیں تو آپ ان کی باتیں سنیں (فہم وادراک سے خالی) گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔ ہر چیخ وپکار کو اپنے اوپر (مصیبت) سمجھنے لگتے ہیں۔ یہی لوگ (آپ کے) دشمن ہیں سو آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ اللہ ان کو غارت کرے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں۔

بظاہر جسمانی طور پر بڑے کڑیل جوان، صحت مند، خوبرو دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے سرخ وسفید چہرے دیکھیں تو ایسے لگتا ہے کوئی بڑی شخصیت ہے لیکن جب بات کرتے ہیں تو انتہائی بودے اور اخلاق سے عاری ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سوکھی لکڑیاں کسی دیوار کے سہارے کھڑی کر دی جائیں تو آپس میں ٹکرا کر آواز پیدا ہو

جائے۔ان کی گفتگو میں نہ حق ہوتا ہے نہ حقیقت۔تاثیر ہوتی ہے نہ لطف!

محض سوکھی لکڑی کی طرح بے کار کہ وقتی امیدوں کے سہارے اپنے آپ کو محض کھڑا رکھتے ہیں۔دیوار گرے گی تو ساتھ گر جائے گی۔اتنی بے حیثیت ہے کہ چھت ڈالنے کے کام آئی نہ فرنیچر بنانے کے اور نہ ہی جلانے کے کام آسکی!ان کے ظاہری وجود دیکھنے میں تو خوبصورت جوان نظر آتے ہیں لیکن جب بات کرتے ہیں تو اندر کا زہر اگل دیتے ہیں۔جو نفرت اور دشمنی ان کے اندر ہے وہ ان کے کلام سے ظاہر ہو جاتی ہے۔اس خبثِ باطن نے انہیں خوف میں مبتلا کر رکھا ہے۔انہیں ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مصیبت آنے کو ہے!

یہ ایک سزا ہے جو اس دنیا میں ایسے جرائم پر دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں بندے کا کردار کافرانہ ہوتا ہے اور وہ اسی کو حق سمجھتا ہے۔ہمارا معاشرہ ایسے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔حکمرانوں کو لے لیں۔ہزاروں پہرے دار ہوتے ہیں۔سڑکوں پر ٹریفک بند ہوتی ہے پھر ڈر رہے ہوتے ہیں کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔کافر معاشرے میں تو یہ ایک بیماری ہے۔مستقل مرض ہے اسے وہ انجانا خوف FEAR OF UNKNOWN کہتے ہیں۔ایسے لوگ کسی نہ کسی خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔کسی نہ کسی خطرے کے اندیشے میں مبتلا رہتے ہیں۔

فرمایا،یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمن ہیں۔ان سے ہوشیار رہیے۔قرآن کریم کے اندازِ تخاطب پر غور کریں،مراد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور غیر اسلامی نظام کو قائم رکھنے پر اصرار کرتے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

ہم اس خطاب کو سامنے رکھیں اور اپنے وطن کو دیکھیں۔ہر سیاستدان کہہ رہا ہے کہ ہم اس جمہوری نظام کو برقرار رکھیں گے۔اس نظام کو ہر صورت قائم رکھیں گے اس پر جانیں دے دیں گے۔کیا یہ نظام اسلامی ہے؟نہیں۔یہ لوگ غیر اسلامی نظام کے حامی ہیں۔یہ اسلام کے حق میں نہیں ہیں۔یہ اسلامی نظام کو نافذ نہیں ہونے دیتے۔غیر اسلامی نظام پر جانیں نچھاور کرنے والوں کو محض نظامِ اسلامی سے دشمنی نہیں،انہیں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے۔جس جمہوری نظام کو یہ بچانا چاہتے ہیں وہ اسلام کے خلاف ہے۔صحیح جمہوریت کی تو ابتدا ہی اسلام سے ہوئی۔ظہورِ اسلام سے پہلے روئے زمین میں جمہوریت کا نام نہیں ملتا۔عام آدمی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں تھی،شخصی حکومتیں تھیں۔بادشاہتیں تھیں۔جو بادشاہ چاہتا،وہی ہوتا تھا۔اسلام نے ہر آدمی کو اپنا حق طلب کرنے کا حق دیا،بولنے کا حق دیا۔اسلام میں جمہوریت یہ ہے کہ جس شعبے کا کام ہے اس شعبے کے ماہرین جس بات پر متفق ہو جائیں،وہ جمہور کی رائے ہے۔مثلاً تفسیر کا کوئی نکتہ ہو،مسئلہ ہو تو مفسرین کی اکثریت جس بات پر متفق ہوگی وہ جمہور کی رائے ہوگی۔اسی طرح فقہ کا مسئلہ ہو تو فقہا کی اکثریت جس بات پر متفق ہوگی وہ اجماع فقہا کا جمہور کہلائے گا۔اسی طرح

سڑک نکالنی ہے تو ماہرینِ تعمیر کی رائے لی جائے گی اکثریت جس پر متفق ہوں گے وہی اجماع جمہور کہلائے گا۔ حکومت کرنا ہو قوم اور قبائل کے سردار جو قوم کی قیادت کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت جس پر متفق ہوگی وہ جمہور کی رائے ہوگی۔ ان ماہرین کی رائے جمہور کہلاتی ہے۔ ان کی رائے کو پھر اتفاق، تصدیق وتوثیق کے لیے عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ خلیفہءاوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب بھی اسی طرح ہوا۔ خلفائے راشدین کا انتخاب بھی اسی طرح ہوا۔

آیت کے آخر میں فرمایا، اللہ انہیں تباہ کرے یہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ داعیءاسلام سے دشمنی کر رہے ہیں لہٰذا آپ ان سے ہوشیار رہیے!

منافقین کی ایک اور نشانی:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۝ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ، آؤ کہ اللہ کے پیغمبر تمہارے لیے بخشش طلب فرمائیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

تکبر اور روگردانی ان کے کردار کا حصّہ ہے۔ نفاق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آجاؤ۔ اس کام سے توبہ کرو، آئندہ کے لیے اسے چھوڑ دو اللہ تمہاری توبہ قبول کرلے گا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں وہ نہ صرف تمہیں معاف کردیں گے بلکہ اللہ سے دعا بھی کریں گے تو یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور سر جھٹک دیتے ہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں!

وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۝ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔ قرآن نے انسان کی نبض پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اس کے احکام ہر دور کے لیے ہیں۔ اس دور کے لیے بھی اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ کے حکم کے آگے اکڑنا، بہت برے انجام کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر کوئی اپنی جگہ فرعون بنا ہوا ہے اور اپنے تئیں سمجھتا ہے کہ شب براءت منانے سے، دیگیں پکانے سے، بزرگوں کے نام کے عرس کرنے سے، چالیسویں کے ختم دلوانے سے اور خانقاہوں پر نذرانے دینے سے ان کی بخشش ہو جائے گی۔ اس طرح بخشش کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ لوگ اس مشن کے خلاف کام کرتے ہیں جس مشن پر صحابہؓ نے جانیں دیں، جس مشن پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر تلواروں کے وار سہے، دندانِ مبارک شہید کروائے۔ بعثتِ عالی سے لے کر وصال تک جہاد میں مصروف رہے۔ اس مشن کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ اس مشن کے خلاف کام کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے یہ پھر بھی بخشے جائیں گے؟ یہ خیال ہی محال ہے۔ داتا صاحب کے مزار پر دیگ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ محرم میں دیگیں پکانے سے بخشش نہیں ملے گی۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نیاز دینے

سے کام نہیں چلے گا۔ جب تک اسلام کی مخالفت سے تائب ہو کر نفاذِ اسلام کے لیے دل سے کوشش نہیں کرو گے تب تک بات نہیں بنے گی۔ خواہ بیت اللہ کا طواف کر آؤ یا روضہء اطہر سے ہو آؤ!

اللہ کا قانون:

اللہ کا قانون ہے برائی سے ہدایت نصیب نہیں ہوتی کہ بندہ گناہ در گناہ کرتا جائے اور اس کے نتیجے میں اسے ہدایت مل جائے۔ زہر پر زہر کھاتا جائے نتیجے میں عمر لمبی ہو جائے۔ یہ اللہ کا قانون ہے، برائی سے توبہ نہیں کرے گا تو اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں ان کے حق میں برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرماتے۔

غزوہ بنو مصطلق کے موقع پر ابنِ اُبی ء نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی مذموم کوشش کی۔ جاہلیت کے زمانہ کی طرح عصبیت کا نعرہ استعمال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''میں تمہارے اندر ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے؟ اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔'' (صحیح بخاری حدیث نمبر 4905)

ابنِ اُبی ء نے اسی پر بس نہیں کیا، اپنی ایک محفل میں جہاں اس کے ساتھی منافقین جمع تھے کہنے لگا کہ تم لوگوں نے ان مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بسایا تھا ورنہ اہلِ مکہ نے تو انہیں نکال باہر کیا تھا۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم نے انہیں اپنی جگہ دی۔ تم نے انہیں گھر، مکان دیے، ان کی مدد کی۔ اگر آج ان کی مدد کرنا بند کر دو، اپنی زمینیں چھین لو، مکان خالی کرا لو تو یہ کیا کر سکتے ہیں؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں، انہیں مدینہ سے نکال دو۔ یہ لوگ تو خالی ہاتھ آئے تھے۔ ہم کھاتے پیتے، تاجر پیشہ، مالدار کاشتکار اور عزت دار لوگ ہیں۔ تم نے (معاذ اللہ) ان ذلیل قسم کے لوگوں کو سر پر بٹھا رکھا ہے ورنہ ان کا نہ مقام ہے نہ عزت۔ اب واپس مدینہ پہنچ کر انہیں شہر سے نکال دو۔ وہ منافقین سے بات کر رہا تھا ایک صحابی زید بن ارقمؓ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے وہیں اس کی سرزنش کی اور فوراً بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر واقعہ عرض کر دیا۔ ابنِ اُبی ء کی طلبی ہوئی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صاف انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ زید بن ارقمؓ پریشان ہو گئے کیونکہ اس بات کا کوئی اور مسلمان گواہ نہیں تھا۔ حضرت زید کو امید تھی کہ اللہ کریم حق کو واضح فرما دیں گے اور منافق کا پول ضرور کھل کر رہے گا۔ یہ بات پورے لشکر میں گردش کرنے لگی۔ لوگ اپنے تئیں حضرت زیدؓ سے پوچھتے تو وہ کہتے کہ انہوں نے جو کہا ہے سچ کہا ہے حضرت عمرؓ کے علم میں بھی یہ بات آئی کہ زید بن ارقمؓ نے کہا ہے کہ اگر یہ باتیں میرے باپ نے بھی کہی ہوتیں تو میں بارگاہِ رسالت میں ضرور

عرض کرتا۔ انصار کے ایک گروہ نے ابنِ اُبَی ءکو مشورہ دیا کہ اگر تم نے واقعی یہ سب کہا ہے تو بارگاہ رسالت میں جا کر اقرار کرلو۔ اپنے کیے پر نادم ہو کر اللہ کریم سے توبہ مانگو بخشش چاہو لیکن وہ تکبر اور اکڑ میں ہی گرفتار رہا۔ جب اس بات نے طول پکڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین حکمتِ عملی اپنا کر اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو روانگی کا حکم فرما دیا اور لگاتار ایک دن ایک رات اور اگلے دن دوپہر تک سفر جاری رکھا۔ لوگ سفر کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ دوپہر کے وقت جب آرام کرنے کی اجازت ملی تو زمین پر لیٹتے ہی سب سو گئے۔ سکون سے اٹھے اور یہ واقعہ ان کے لیے بھولی بری بات ہو گئی۔ زیدؓ اپنی بات پر قائم تھے آخر اللہ کریم زیدؓ کے گواہ بن گئے۔ آیات نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے ساری بات واضح کر دی۔ فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے پاس (جمع) ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ لوگ (خود بخود) بکھر جائیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ کے ہیں ولیکن منافق نہیں سمجھتے۔

اللہ کریم نے ان منافقین کا پول کھول دیا ہے اور واضح فرما دیا کہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ مال اللہ کا ہے۔ اگر کوئی کسی کے کام آتا ہے تو اس کی توفیق بھی اللہ کی عطا ہے۔ ہر مالدار کے مال میں اللہ نے مستحقین کا حق رکھا ہوا ہے۔ تمام مال اللہ کی امانت ہے۔ امیر کا امتحان ہے کہ وہ غریبوں کا حصہ ادا کرتا ہے یا نہیں۔ خوش دلی سے دے تو بہتر ہے۔ دیتے ہوئے دل میں یہ احساس قائم رکھے کہ جسے دے رہا ہے اس پر احسان نہیں کر رہا یہ اس کا حق تھا جو اسے پہنچانے کا وہ ذمہ دار تھا۔ اپنی ذمہ داری پوری کر کے اللہ کا شکر گزار ہو کہ اللہ نے اسے اگلے جہان میں سرخرو ہونے کی توفیق دی۔ جو مالدار، غریبوں کا حق روک لیتے ہیں۔ اللہ ان سے نکلوا لیتے ہیں۔ دوسرے کا حصہ، کسی کے پاس رہنے نہیں دیتے۔ جسے محاورتاً کہا جاتا ہے کہ گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلی سے نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح جو مال حقداروں کو نہ پہنچایا جائے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا، حق تو یہی ہے کہ سب خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ اس کے نظام کے تحت سب کو حق ملتا ہے اور جو روکتا ہے وہ دنیا میں ہی مال ضائع کر دیتا ہے اخروی محاسبہ الگ ہوگا لیکن منافقوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ ان کے نفاق کے سبب ان کا شعور مسخ ہو گیا۔ منافق تو یہاں تک کہہ گیا: يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔۔۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والے، ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے الفاظ بھی نقل فرما دیے۔ ابن اُبی ء نے جو ہرزہ سرائی کی تھی ، اسے ہو بہو نقل فرما دیا۔ ابن اُبی ء کا پول کھل گیا۔ زید بن ارقمؓ سرخرو ٹھہرے۔ سب لوگوں پر منافق کا نفاق واضح ہو گیا۔ یہ بات جب ابنِ اُبی ء کے بیٹے حضرت عبداللہ تک پہنچی تو سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے پاس پہنچا اس کی اونٹنی کو بٹھایا۔ اور کہا کہ جب تک یہ نہیں کہو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور تم خود ذلیل ہو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مختلف سیرت نگاروں نے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اس پر اس نے اپنے منہ سے خود کو ذلیل کہا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف وعزت کا اقرار کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہؓ کی اس بات کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ جیسا بھی ہے، تمہارا باپ ہے، تم اس سے جنگ نہیں کر سکتے۔

ارشاد ہوا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۸ حالانکہ عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے پیغمبر کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ولیکن منافقین نہیں جانتے۔ منافقین نے جب یہ کہا کہ یہ تہی دست لوگ ہیں۔ ان کا گھر ہے نہ در نہ زمین ہے نہ سرمایہ۔ یہ بے حیثیت لوگ ہیں۔ اللہ معاف فرمائے میں وہ الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہتا جو اس منافق نے کہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اللہ نے آیت میں ان کا وہی لفظ نقل فرما دیا ہے۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ ساری کی ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کے بعد کائنات میں معزز ترین ہستی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔

تمام انبیاؑ اور رسولوںؑ کے بعد سب سے معزز لوگ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ منافقین نے عزت کہاں لے لی؟ یہ تو بے وقعت لوگ ہیں جو اللہ اور اللہ کے دین کے دشمن ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ اور منافقین تو جاہل ہیں۔ منافقت بندے کو جہالت میں لے جاتی ہے۔ جہالت کیا ہے؟ حقیقت سے نا آشنائی۔ یعنی منافق کبھی حقیقت کو پا نہیں سکتا۔ اس پر علم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی فرمایا گیا وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۸

سورۃ المنٰفقون رکوع 2 آیات 9 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْہِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۚ وَمَنْ
یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ
فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ
وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو ایسے لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۹﴾ اور جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے (اس وقت) سے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا ﴿۱۰﴾ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اُسے ہرگز مہلت نہیں دیتے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں ﴿۱۱﴾

تفسیر و معارف

گزشتہ رکوع میں منافقین کا تذکرہ تھا، اب طبقہء مومنین کا ذکر ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ تمہیں اسلام اور ایمان کے سبب سے عزت دی گئی ہے۔ تم نے دامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھاما ہے تو تم باعزت ہو گئے ہو۔ تم نے دامانِ رسالت تھاما تو تم مکرم ہو گئے لیکن یاد رکھو یہ دامن ہاتھ میں تب تک رہے گا جب تک تم اللہ کو یاد کرتے رہو گے۔

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨ اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو ایسے لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اگر تم بھی دنیا میں اتنے مصروف ہو گئے کہ اللہ کی یاد بھول گئی۔ اولاد کے بکھیڑوں میں اتنے الجھ گئے کہ اللہ کا ذکر بھول گیا تو کہیں یہی وبال تم پر بھی نہ آجائے۔ یعنی کسی فرد میں یہ خصوصیت نہیں کہ وہ ہر حال میں معزز رہے۔ جب تک اپنے کردار سے دامانِ رسالت تھامے رکھے گا معزز رہے گا۔ اگر چھوٹ گیا تو اسی گڑھے میں جا گرے گا جہاں پہلے منافقین گرتے رہے۔

دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے بھی یہی پکار ہے۔ دیکھو! یہ نہ ہو کہ اذانیں بلند ہوتی رہیں اور پیشانیاں سجدوں سے خالی رہیں۔ تم کہو دفتری کام زیادہ تھا، کاروباری مصروفیات بہت تھیں، مجھے الیکشن کی مصروصیات نے گھیر رکھا تھا۔ یہ درست نہیں۔ دین کو اولیت حاصل ہے، دنیا اس کے بعد ہے، ہم یہ کہتے ہیں فلاں کام کر لوں پھر نماز پڑھ لوں گا۔ پھر کہتے ہیں فلاں ضروری کام کر لوں، فلاں سے ملاقات بہت اہم ہے پہلے وہ کر لوں۔ اسی طرح کرتے کرتے نماز کا وقت نکل جاتا ہے پھر کہتے ہیں خیر ہے پھر پڑھ لیں گے۔ جنہوں نے ایسا کیا کہ دنیا کی مصروفیات نے انہیں دین بھلا دیا وہ بہت خسارے میں رہ جائیں گے۔ جنہوں نے غفلت کی، غافل رہے انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ جو ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے اس کا دینی نقصان تو ہوتا ہی ہے اس کے دنیا کے کاموں سے بھی برکت اٹھ جاتی ہے مفسرین کے مطابق یہاں ذکر کی تمام صورتیں مراد ہیں۔ ایمان لانے کے بعد زبان سے عمل سے اور دل سے ذکر کرنا مراد ہے۔ ذکر کی تمام صورتوں میں ذکرِ قلبی سے ذکر کرنے کا حق ادا ہوتا ہے کہ ذکرِ قلبی سے ہی ذکرِ کثیر ہوتا ہے۔

فرمایا: وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ اور جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے (اس وقت) سے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ وَاَنْفِقُوْا کا خطاب ایمان والوں سے ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کر لو اس سے پہلے کہ وقتِ آخر آن پہنچے۔ انفاق کیا ہے؟ انفاق ہے، دولت کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔ اگر اللہ کی مقرر کردہ حد سے بڑھ کر خرچ ہو تو یہ فضول خرچی یعنی اسراف ہے۔ اہلِ ایمان کو ہوشیار کیا جا رہا ہے کہ منافقوں جیسے اعمال سے بچو تاکہ ایمان کی حفاظت کر سکو۔ اس سے آگے یہ ہے

کہ دولت، دین کی مخالفت پر خرچ کی جائے اور عند اللہ وہ لوگ بدترین ہیں جن کے وسائل دین کی مخالفت پر لگتے ہیں۔ ایسے لوگ خواہ کلمہ پڑھتے رہیں یا عبادات کرتے رہیں۔ ان کے کلمہ پڑھنے کی کیا اہمیت ہے! ایسے لوگوں کے بارے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا کریں گے تو بھی انہیں فائدہ نہیں ہوگا۔

مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ ۔۔۔ میں صرف مال نہیں بلکہ جو نعمتیں اللہ کریم نے عطا کی ہیں سب شامل ہیں۔ صرف دولت نہیں، ہر چیز اللہ کی عطا کردہ ہے۔ صحت، قوت، طاقت، عقل و شعور علم و استعداد، عہدہ و منصب، حکومت و اقتدار ہر شئے کو دین کی بھلائی کے لئے خرچ کرو۔ علم ہے تو اس سے دین پھیلانے کا کام لو۔ اقتدار ہے تو نفاذِ دین کا کام لو، بیان کی قوت ہے یا علم نصیب ہے اسے دین کے لیے استعمال کرو غرض جو نعمت بھی ہم نے بطور رزق عطا کی ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ انفاق فی سبیل اللہ کرلو۔ یہ مال تمہارا ذاتی نہیں ہے، اللہ کا دیا ہوا ہے۔ خرچ کرو گے تو اپنا ہی فائدہ کرو گے۔

یہ آیہء کریمہ بھی ہم سب سے مخاطب ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے وقت، علم، مال اور تمام نعمتوں کو آج اسی مہلت عمل میں اللہ کے لیے خرچ کر ڈالو اس سے پہلے کہ موت آجائے۔ موت آ گئی تو تمہارے پلّے کچھ نہیں رہے گا۔ سب کچھ چھن جائے گا تن تنہا بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا پڑے گا۔ کسی کے ساتھ دنیا کا کرّ و فر نہیں جائے گا۔ جو قومی ترانے یہاں بجائے جاتے ہیں، فوجی سیلوٹ ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ساتھ نہیں جائے گا۔ پولیس کی گارڈ ساتھ نہیں جائے گی۔ تن تنہا ہو گے۔ ان سلی چادروں میں لپٹ کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا ہے، فقیر ہو یا بادشاہ!

جس نے دنیا میں ہی اللہ کے دین کے خلاف چلنے کا راستہ چن لیا۔ جس نے کلمہ پڑھ رکھا لیکن عملاً دین کے خلاف چلتا رہا۔ یا اس حد تک بڑھ گیا کہ دین کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا تو اس کا معاملہ اللہ سے بگڑ گیا۔ پھر وہ حج کرے یا نمازیں پڑھے سب دکھاوا ہے۔ پھر وہ سب ایک رسم رہ جاتی ہے۔ اس میں کوئی کیفیت نہیں رہتی۔ ایک ڈرامہ ہوتا ہے۔ جیسے ڈرامے میں کئی کردار ہوتے ہیں۔ کوئی بادشاہ کوئی رعایا۔ ڈرامہ ختم ہوا، بات ختم ہوگئی۔ ان کی نمازیں اور حج بھی ڈرامہ بن جاتے ہیں۔

دل میں دین کا درد ہو، بندہ نفاذِ اسلام کے لیے کوشاں ہو۔ کم از کم اپنے آپ کو تو اسلام پر کاربند رکھے۔ اپنا وجود تو اس کے قبضے میں ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ موت آنے سے پہلے پہلے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرلو۔ تم اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرو گے وہ اپنی شان کے مطابق اجر دے گا۔ اللہ کریم اس وقت

کی تصویر کھینچ کر ہمیں دنیا میں آگاہ کررہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ موت آجائے تو کہو کہ یا اللہ! اب مجھے یقین ہو گیا ہے، مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں۔ میں ہر شے آپ کی خوشنودی کے لیے نچھاور کردوں گا، دیکھنا میں کتنا نیک ہو جاؤں گا۔

اللہ کریم بتا رہے ہیں، یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ موت آئی، قصہ ختم۔ پھر دوبارہ دنیا میں آنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ لوگ آرزو تو کرتے رہیں گے لیکن پھر وہ دنیا میں بھیجے نہیں جائیں گے۔ اس لیے کہ دنیا میں ایمان کا تقاضا تھا کہ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتبار کر کے اس حقیقت کو مان لیتے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرتے۔ یہ آیہء کریمہ اس یقین آخرت کو دنیا میں حاصل کر کے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی اہمیت بیان کر رہی ہے۔

دل، ایک قیمتی چیز ہے:

فرمایا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

جب برزخ کا پردہ ہٹ جائے تو کون ہے جو نہ مانے گا! یہ کام تو دنیا کی زندگی میں کرنے کا ہے۔ انسانی عقل وشعور کا تقاضا ہے کہ جس طرح دنیا میں مادی نفع ونقصان کو وقت سے پہلے جانچ لیتا ہے اور اس کے مطابق لائحہ عمل ترتیب دیتا ہے اسی طرح آخرت جو یقینی ہے۔ جس نے آ کر رہنا ہے۔ جو ابدی ہے اس نے کبھی ختم نہیں ہونا جس کے بارے اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگاہ فرما دیا ہے اس کے لیے بھی دنیا میں رہتے بستے ہوئے لائحہ عمل ترتیب دے۔ اللہ کریم خود لائحہ عمل ارشاد فرما رہے ہیں کہ محض دنیا میں ہی نہ پھنسے رہو۔ اس وقت کو سامنے رکھو کہ جب دنیا سے جانے لگو گے تو پھر تمہیں یاد آئے کہ ذرا سی مہلت مل جائے تو جو نیک کام رہ گئے وہ کرلوں۔ جو فرائض ادا نہیں کیے، اب کرلوں، اللہ کی راہ میں خرچ کرلوں۔ لیکن یہ مہلت دوبارہ نہیں ملے گی!

سب سے زیادہ حسرت تو منکرین کو ہوگی۔ جیسے فرعون کو ہوئی۔ اس نے عذاب دیکھ کر کہا کہ وہ ایمان لاتا ہے تب اللہ نے فرمادیا کہ ایمان لانے کی جگہ دنیا کی زندگی تھی۔ وہاں تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے موقع تھا جو تم نے ضائع کردیا اب ماننے بغیر چارہ نہیں، اب آنکھوں سے دیکھ کر آخرت کا انکار کیسے کرو گے! دنیا میں بڑے بڑے جابر ظالم اور متکبر لوگوں کی حسرت ان کے لیے ایک عذاب ہوگی۔ اپنے اعمال کے نتائج،

عذاب کی صورت میں سامنے ہوں گے اور واپسی کا راستہ بند ہوگا۔ موت ہی آئے گی نہ مہلتِ عمل ملے گی۔ اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا!

قرآن حکیم میں آتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر میں انہیں (کفار کو) دنیا میں دوبارہ بھیج دوں تو یہ دنیا میں جا کر پھر کفر و شرک ہی کریں گے۔ اس لیے کہ یہ دنیا میں اپنے دل تباہ کر چکے۔ ان کے دلوں میں کفر و شرک، نفاق رچ بس گیا ہے۔ دل ایسی قیمتی چیز ہے۔ دل میں اللہ کی یاد کو بسایا جائے، اللہ کے ذکر کو بسایا جائے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ دنیا میں دل کی جو حالت رکھی، جس دل کے ساتھ آخرت میں قدم رکھا اسی پر آخرت کا دارو مدار ہے۔ منکرین تو دنیا میں دل تباہ کر کے آخرت پہنچتے ہیں۔ کلمہ گو لوگوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتبار کر کے اللہ کی فرمانبرداری کر لو۔ ظاہر و باطن کو درست کر لو۔ اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے حکم پر استعمال کرو اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کر لو کیونکہ جب کسی کی موت آجاتی ہے تو مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔ جو کچھ انسان کرتا ہے سب اللہ کے سامنے کرتا ہے۔ جو اطوار بدلتا ہے وہ بھی اور جو سوچتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔

سورۃ التغابن رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ
وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ يَعْلَمُ مَا فِى
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا
وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ
غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ
ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَالنُّوْرِ الَّذِىْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ
الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ
سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔
اُسی کی بادشاہی ہے اور سب تعریفیں اُسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے ﴿۱﴾
وہی ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض ایمان والے اور
اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ﴿۲﴾ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر
پیدا فرمایا اور اُسی نے تمہاری صورتیں بنائیں سو کیا خوب صورتیں بنائیں اور اُسی کی
طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ
(سب) جانتا ہے اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اس کو بھی جانتا
ہے اور اللہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے ﴿۴﴾ کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی
جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ (دنیا میں)
چکھ لیا اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۵﴾ یہ اس وجہ سے
کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے تھے تو ان لوگوں نے
کہا کیا آدمی ہم کو ہدایت کرے گا۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے
(بھی ان کی) پرواہ نہ کی۔ اور اللہ (سب سے) بے نیاز (اور) تعریف کے لائق
ہیں ﴿۶﴾ جو لوگ کافر ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں
گے۔ آپ فرما دیجیے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم تم دوبارہ ضرور زندہ کیے جاؤ گے
پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو ضرور بتایا جائے گا اور یہ سب اللہ کے لیے آسان
ہے ﴿۷﴾ سو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر اور اس نور (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے
نازل فرمایا ہے۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھتے ہیں ﴿۸﴾ جس دن
(اللہ) تم سب کو جمع ہونے کے دن (یعنی قیامت کے لیے اکٹھا کریں گے (سو)
یہی دن ہے سُود وزیاں کا اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو گا اور نیک کام کرتا ہو گا وہ
اس سے اس کے گناہ دُور کر دیں گے اور اس کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے
جن کے تابع نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۹﴾
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے رہنے والے ہیں اس

میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ تغابن مدنی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ لفظ تغابن کا معنی ہے، خسارہ، گھاٹا، نقصان۔ اس سورت میں قیامت کو یوم التغابن کہا گیا ہے اس لیے اس سورت کا نام التغابن ہے، یوم التغابن کو دنیا دار بڑے خسارے میں رہے گا۔ دنیا میں جو حلال حرام کی تمیز کیے بغیر جمع کرتا رہا وہ یومِ حساب بڑا گھاٹے میں رہے گا۔ جو کمایا وہ تو دنیا میں رہ گیا اور حرام اور ناجائز کمائی کا حساب ہوگا تو الٹا عذاب گلے پڑے گا۔

قرآنِ حکیم، کتابِ ہدایت ہے۔ دنیا و آخرت، دونوں جہانوں کی برکات اس میں ہیں۔ قرآن کو محض وظیفوں کی کتاب بنالینا درست نہیں۔ تمام سورتوں کے فضائل اپنی جگہ مسلّم ہیں۔ شفا کے لیے پڑھی جاتی ہیں، دم کیا جاتا ہے، حصولِ برکت کے لیے پڑھی جاتی ہیں، بعض دنیوی امور کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن قرآنی وظیفے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک سورت یا کسی آیت کا وظیفہ کرلو اور باقی قرآن چھوڑ دو۔ قرآن سے بطورِ وظیفہ جو پڑھا جائے تو وہ الگ سے پڑھا جائے۔ قرآن کو روزانہ ترتیب سے پڑھنا چاہیے۔ اوّل تا آخر مکمل کر کے پھر دوبارہ شروع کر دیا جائے۔ وظیفہ اس کے علاوہ کیا جائے۔

قرآن پڑھنے کا اپنا ثواب ہے۔ عظمتِ باری کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ سے بچنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ آخرت کا سرمایہ بنتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ قرآن مجھے کیا کہہ رہا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ یہ تینوں درجے یکجا حاصل ہوں تب جا کر بات بنتی ہے۔

فرمایا: یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔۔۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ زبانِ حال سے تو ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ ہر شے اس کی پاکی پر گواہ ہے۔ اللہ نے ایک ایک ذرّے میں عجیب و غریب کمالات رکھ دیے ہیں۔ جتنا جتنا کسی پر منکشف ہوتا ہے اتنا وہ اس کی عظمت کا قائل ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی طے ہے کہ ہر شے کا اپنا شعور ہے وہ اپنی زبان سے اللہ کی بارگاہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ ہر شے زبانِ حال سے بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ جو ذکر چھوڑ دے وہ باقی نہیں رہتا۔

فرمایا: لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① اسی کی بادشاہی ہے اور سب تعریفیں

اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حقیقی بادشاہت اسی کی ہے۔ تمام خوبیوں کا مالک وہی واحد ولاشریک ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے، جب چاہے، جیسا چاہے کرے۔ کوئی روک نہیں سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وہی ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض ایمان والے۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا، اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تخلیق کیا۔ عدم سے وجود میں لانا تخلیق کرنا ہے۔ یہ صرف اللہ جلّ شانہٗ کی صفت ہے۔ تخلیق ہوتی ہے کہ کچھ نہیں میں سے کوئی چیز پیدا کی جائے۔ کچھ نہیں تھا، مادّہ نہیں تھا تب اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا۔ خالقیت صرف اللہ کریم کو سزاوار ہے۔

دنیا میں دو ہی قومیں ہیں:

اللہ کریم سب انسانوں کو انسانی صفات کے ساتھ پیدا کرتا ہے کسی کو پیدائشی طور پر کافر بنا کر نہیں بھیجتا نہ کسی کو ولی اللہ پیدا کرتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد جب انسان بلوغت میں قدم رکھتا ہے تو اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ کوئی کافر ہو جاتا ہے اور کوئی مومن۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كُلُّ مُوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ۔۔۔ ہر پیدا ہونے والا فطری استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (بخاری)

یعنی جب وہ ہوش سنبھالتا ہے۔ اردگرد دیکھتا ہے تو اپنے اختیار سے فیصلہ کرتا ہے اور کوئی کفر کی راہ اختیار کر لیتا ہے یا کوئی ایمان پر قائم رہتا ہے۔ یہی فرمایا گیا ہے کہ تم میں کچھ اپنے اختیار سے فیصلہ کر کے کفار ہو گئے، کچھ مومن ہو گئے۔ دراصل دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ ایک مومن، ایک کافر۔ دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اسلام ایک ہی ہے جبکہ ہر کافر کا کفر الگ ہے۔ ارشادِ باری ہے: تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر: 14) (اے مخاطب!) تُو ان کو متفق خیال کرتا ہے اور ان کے دل الگ الگ ہیں۔ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم (اقوام) اکٹھا ہو کر مسلمانوں کے خلاف پیکار رہتے ہیں لیکن آپس میں اکٹھے پھر بھی نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کہیں معاشی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ کہیں طاقت وقوت میں بڑھ جانے پر فخر ہے۔ ان کے دل باہم نہیں ملتے۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ بعثتِ عالی کے وقت لوگ قبیلوں، خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور اپنی اپنی برتری جتاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری تفریق

مٹا دی اور بتا دیا کہ قبائل اور شعوب محض پہچان اور تعارف کے لیے ہیں۔قبیلہ،قوم نہیں۔قوم نظریہ ہے۔ایک نظریہ کے حامل ایک قوم ہیں خواہ وہ کسی ملک اور علاقے کے لوگ ہوں۔مسلمان کی قومیت اسلام پر ہے۔ہماری قوم،اسلام ہے۔ہم مسلمان قوم ہیں۔قرآن کریم نے واضح فرما دیا ہے کہ قبائل محض پہچان کے لیے ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی نسلی،علاقائی اور لسانی تفریق مٹا کر تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔فرمادیا کہ کسی کالے کو کسی گورے پر یا گورے کو کالے پر،کسی عرب کو عجم پر یا عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔فضیلت کا معیار قرآن نے واضح کر دیا۔فرمایا:اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات:13) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔یعنی معزز ہونے کا معیار،خاندان یا قبیلہ نہیں کردار ہے۔مسلمان جب نسلوں اور خاندانوں میں بٹ جاتے ہیں تو تقسیم ہو جاتے ہیں،دل یکجا نہیں رہتے۔ایک دوسرے کا لحاظ اور احترام نہیں رہتا۔یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے تم سب کو انسانی اوصاف دیے۔سمع و بصر،عقل و شعور،قوت و طاقت،حسن و جمال سب کچھ دے کر پیدا فرمایا پھر کچھ خوش نصیب تھے جو ایمان پر قائم ہو گئے اور کچھ بدنصیب تھے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔یہ ان کا فیصلہ تھا۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ کوئی کر رہا ہے اللہ کے روبرو کر رہا ہے۔کوئی کفر کر رہا ہے تو بھی اللہ سے چھپ کر نہیں کر رہا اور جو ایمان پر قائم ہے اسے بھی اللہ کریم خود دیکھ رہے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَاِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا فرمایا۔اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں سو کیا خوب صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔

فرمایا،اس نے ارض و سما کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔حق یہ ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موزوں ہو۔حق کے مقابل ظلم ہے۔جب چیزوں کی جگہ بدل جائے تو اسے ظلم کہتے ہیں۔ظلم کا معنی ہے وَضۡعُ الشَّیۡءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھ دینا جو اس کا مقام نہ ہو۔کوئی ایسی بات کہہ دینا جو اس جگہ موزوں نہ ہو۔کوئی ایسا کام کر دینا جو اس جگہ موزوں نہ ہو۔انسان زمین کے ایک ایک ذرّے کو،درختوں کے ایک ایک پتے کو،ایک ایک پھول کو،پھل کو،بارش کے ایک ایک قطرے کو،ہوا کے ایک ایک جھونکے کو دیکھ لے،وہ وہیں پہنچتا ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔حق کے ساتھ پیدا فرمانے سے یہی مراد ہے کہ ہر شے بہترین جگہ پر رکھی گئی ہے فرمایا،کیا خوب بنائی انسان کی صورت! ہر مخلوق کو کوئی نہ کوئی شکل دی گئی ہے۔درختوں،پرندوں،حیوانوں سب کی ایک شکل ہے لیکن ان سب میں بہترین صورت انسان کو دی گئی۔آج کل تو پلاسٹک سے انسانی اعضا بنائے جاتے ہیں۔کوئی ان اعضا کو بنا کر کسی اور ترتیب سے جوڑ کر دیکھے۔بے شمار انداز سے ترتیب دے سکتے ہیں لیکن جتنے بھی انداز اختیار کر لیں سب ناقص ہوں گے۔کامل صورت وہی ہے

جس ترتیب سے اللہ جلّ شانہٗ نے انسانی وجود بنایا ہے اور واقعی اللہ نے انسان کو بہترین شکل دی ہے۔

یاد دہانی کرائی جارہی ہے کہ اے انسان! روئے زمین کی تمام تخلیقات اور تمام مخلوقات تیری خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ تیرے لیے یہ جہان مسخر کردیے گئے ہیں۔ تجھے ان سب سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ تو ہواؤں میں اڑسکتا ہے، پانیوں میں تیر سکتا ہے۔ غذا، دوا استعمال کرسکتا ہے۔ درختوں کی لکڑی سے دواخانے کا دروازہ بھی بنا سکتا ہے اور بندوق کا بٹ بھی بنا سکتا ہے۔ اللہ کی کائنات تیری خدمت کے لیے ہے لیکن یاد رکھو! تجھے واپس اس کی بارگاہ میں جانا بھی ہے۔ وہاں جوابدہی ہوگی وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

وہ ذات ایسی بارگاہ ہے جو ارض وسما کے ہر ذرے کے ہر حال سے، ہر وقت واقف ہے۔ جو تم چھپاتے ہو وہ اس کے سامنے ظاہر ہے۔ اور جو تم ظاہر کرتے ہو، وہ تو ظاہر ہی ہے۔ جو تمہاری سوچوں میں ہے، دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ، اسے بھی جانتا ہے۔ سب کچھ اس کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ فرمایا: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ (سب) جانتا ہے۔ اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اس کو بھی جانتا ہے اور اللہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ آیہء مبارکہ کے آخری حصے نے خوب وضاحت کردی کہ اللہ تو دلوں کی گہرائیوں تک سے واقف ہے۔ ظاہر تو ظاہر، دل کی گہرائی میں جو خیال گزر جاتا ہے، وہ اس سے بھی واقف ہے۔

ماضی سے، مستقبل کی راہیں۔۔۔:

ماضی بھلا دینے کے لیے نہیں، ماضی، مستقبل کی راہیں متعین کرنے کے لیے عبرت کا سامان ہوتا ہے۔ دعوتِ فکر دی جارہی ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان کو بھول نہ جاؤ ان کے حالات سے عبرت حاصل کرو۔ فرمایا: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ (دنیا میں) چکھ لیا اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

گزشتہ اقوام نے جب اللہ کی نافرمانی کی تو اپنے اس جرم کا مزا بھی چکھ لیا۔ ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ بادلوں سے بارش کی بجائے آگ برسی، پانی کی بجائے آسمان سے پتھر برسے۔ زمین نے پانی چھوڑ دیا، آسمان نے پانی برسایا، وہ غرق ہو کر تباہ ہوگئے۔ بہت عبرت ناک موت سے دوچار ہوئے۔ دنیا ہی میں ان پر تباہی آگئی۔ آخرت کی زندگی ابدی ہے۔ ابدی عذاب بھگتنا ابھی باقی ہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ جب تمہارا ماضی اس بات پر گواہ

ہے کہ کفر، دنیا و آخرت دونوں جہانوں کے گھاٹے کا سبب ہے۔ نافرمانی ہمیشہ نقصان کا سبب ہے تو پھر نافرمانی کی طرف کیوں جاتے ہو؟ جس کردار سے کافر تباہ ہوئے، تم وہ کردار کیوں اختیار کرتے ہو؟ دنیا کی تباہی وقتی ہے۔ آگ لگی جل کر مر گئے۔ پتھر گرا، چوٹ سے مر گئے۔ وقتی تکلیف ہے۔ سخت بیماری کے بعد موت آ گئی دنیوی تکلیف سے جان چھوٹ گئی لیکن عاقبت دائمی ہے۔ کفر ایسی مصیبت ہے کہ مر کر بھی جان نہیں چھوٹے گی۔ دنیا کی آگ سے کروڑوں گنا زیادہ سخت آگ ہے۔ ان کے لیے صرف عذاب نہیں دردناک عذاب ہے۔

اس تباہی کی وجہ کیا بنی؟ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۝۶ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے تھے تو ان لوگوں نے کہا کیا آدمی ہم کو ہدایت کرے گا۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے (بھی ان کی) پروا نہ کی۔ اور اللہ (سب سے) بے نیاز (اور) تعریف کے لائق ہیں۔

فرمایا، ان کا جرم یہ تھا کہ ان کے پاس میرے رسولؑ بڑے واضح دلائل کے ساتھ تشریف لائے۔ واضح دلائل یعنی معجزات اور کتاب اللہ۔ نبیؑ کا معجزہ نبیؑ کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے، نبیؑ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے انبیاؑ معجزات، علمی دلائل، کتابِ الٰہی اور عظمتِ الٰہی کی واضح دلیلیں لے کر آئے تو کافروں نے کہا یہ تو ایک انسان ہے، بشر ہے۔ اب یہ ہمیں ہدایت دے گا؟ یہ تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ جیسے ہمیں گرمی سردی لگتی ہے اسے بھی لگتی ہے۔ جیسے ہمارے بیوی بچے ہیں، اس کے بھی ہیں۔ نبیؑ ہونے کے لیے تو کوئی ایسی مخلوق ہوتی جو انسان سے بالاتر ہوتی۔ کوئی فرشتہ ہوتا کوئی نوری مخلوق ہوتی! ان جہلاء کو یہ معلوم نہ تھا کہ نبیؑ کی بشریت فرشتوں سے پاکیزہ تر ہوتی ہے۔

یہی جاہلیت اب کلمہ گو کے ہاں بھی در آئی ہے۔ کچھ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، بشر نہیں۔ کافر کہتے تھے بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ وہ بشر مانتے تھے، نبوت سے انکار کرتے تھے۔ ہم نبوت مانتے ہیں بشریت سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہمارا انکار دوسری طرح کا ہے۔

نبیؑ خیر البشر ہے:

نبیؑ خیر البشر ہے، نبیؑ جیسا کوئی دوسرا بشر نہیں۔ حقیقی بشریت نبیؑ کی بشریت ہے۔ نبیؑ ہماری طرح کا بشر نہیں ہوتا، بشریت کی اعلیٰ مثال ہوتا ہے اور حق یہی ہے کہ نبیؑ یقیناً بشر اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوتا ہے لیکن پیدائشی نبیؑ ہوتا

ہے۔ بشری اوصاف کے علاوہ نبیؐ کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور امام الانبیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بھی اتنی پاک صاف، منزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بشری وجود باجود کے ساتھ، معراج پر تشریف لے گئے۔ فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل امین نے ایک مقام تک پہنچ کر معذرت کرلی کہ اس سے آگے قدم رکھنا، میری بساط سے باہر ہے۔ اگر میں یہاں سے بال برابر بھی آگے گیا تو تجلیاتِ باری مجھے جلا کر راکھ کر دیں گی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی وجودِ باجود کے ساتھ آگے گئے، جہاں تک ربّ نے چاہا، تشریف لے گئے۔

کفار کا تذکرہ جاری ہے۔ وہ نبیؐ کے بارے کہنے لگے، یہ ہمارے جیسا بشر ہمیں ہدایت دے گا؟ اس بات پر وہ کافر ہو گئے۔ ان کے اس جاہلانہ اعتراض کا جواب قرآن میں دوسری جگہ یہ ہے کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو اللہ کریم کسی فرشتے کو نبیؐ مبعوث فرمادیتے۔ انسانوں میں فرشتہ بھیجتا تو اسے انسانی جسم دینا پڑتا۔ شکل سے وہ انسان ہوتا، اندر سے وہ فرشتہ ہوتا تو انسان کہتے کہ اسے بھوک لگتی ہے نہ نیند ستاتی ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں نہ کاروبار۔ یہ تو فرمانبرداری ہی کرتا رہے۔ ہماری اتنی مصروفیات ہیں۔ ہمارے لیے اتنی رکاوٹیں ہیں۔ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نبوت کا تاج انسانوں کے سر پر سجایا گیا۔ انبیاؑ کی زندگی میں تمام کام موجود تھے۔ انہوں نے روزی بھی کمائی۔ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ ننھیال، ددھیال، سسرال، بہن، بھائی سب ہی تھے۔ ذاتی، قومی، قبائلی، بین الاقوامی سارے مسائل انہیں بھی درپیش تھے۔ وہ ان سب مسائل میں اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر قائم رہے اور لوگوں کو اس طرف آنے کی دعوت دیتے رہے۔

اس نکتہ سے یہ بھی سمجھ آیا کہ فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں انسانی دسترس میں ہیں۔ اگر انسان، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع خلوص سے اختیار کرنا چاہے تو سب سے آسان راستہ اتباعِ رسالت ہے، اسلام ہے، اللہ کا دین ہے۔ اور نافرمانی کے سب کام مشکل ہیں۔

فرمایا، وہ لوگ اس لیے تباہی سے دوچار ہوئے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبرؑ کے پیغام کا انکار کیا۔ نبیؐ کی نبوت کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو بشر ہے۔ اور منہ پھیر لیا۔ دوسری راہ پر ہو لیے۔ جس راہ پر اللہ کا نبی بلا رہا تھا وہ چھوڑ دی اور جس پر اپنی خواہشِ نفس نے بلایا اس طرف چل دیے تو اللہ نے بھی ان کی پروا نہ کی۔ اللہ نے بھی جانے دیا کہ جاؤ جہاں جاتے ہو، تمہارا اپنا انتخاب ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾ اور اللہ (سب سے) بے نیاز (اور) تعریف کے لائق ہیں۔ فرمایا، اللہ تو اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ لوگ اس کے محتاج ہیں کہ اس کی اطاعت کر کے اس کا کرم پائیں۔ یہ انسان کی ضرورت ہے کہ اللہ کی اطاعت کر کے اپنی بہتری کرے۔

کفار کا یہ خیال تھا کہ مر گئے تو بس ختم ہو گئے پھر بھلا کون زندہ ہو سکتا ہے! اللہ کریم نے فرمایا: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ جو لوگ کافر ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم تم دوبارہ ضرور زندہ کیے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو ضرور بتایا جائے گا اور یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجیے کہ میرے پروردگار کی قسم یعنی میرا پروردگار جو کائنات کا ربّ ہے وہ خود اس بات پر گواہ ہے۔ اس کی ربوبیت کا اظہار پل پل ہو رہا ہے۔ کتنی فصلیں اُگتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں فصلیں کٹ جاتی ہیں۔ زمینیں پھر سے جوت دی جاتی ہیں تو پھر سے فصلیں اُگتی ہیں۔ اسی طرح درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں پھر دوبارہ نکل آتے ہیں کتنے ہی انسان روزانہ زیرِ زمین چلے جاتے ہیں، کتنے ہی اور پیدا ہو جاتے ہیں تو اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔ اللہ کریم کی ربوبیت اس بات پر گواہ ہے کہ تم زندہ کیے جاؤ گے! پھر تمہیں تمہارے کردار سے آگاہ کیا جائے گا۔ اس بات کا حساب ہوگا کہ اللہ نے تمہاری طرف نبی اور رسول علیہم السلام مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں اور راہِ حیات بتائی تو اس نے کیا کیا؟ کیا اس کے بارے سوچا؟ جس نے جو عمل کیا یا جو باتیں کیں اور دل میں کیا چھپایا، یہ سب انسان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ یہ سب اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

اللہ کے عذاب سے بچنے کی راہ صرف ایک ہے:

اخروی عذاب سے بچاؤ کا، تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ سو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر اور اس نور (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھتے ہیں۔

اللہ پر ایمان لاؤ، اس کی ذات وصفات پر ایمان لاؤ۔ کیا خبر اس کی ذات کیسی ہے، صفات کیسی ہیں؟ یہ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصبِ جلیلہ ہے کہ وہ تمہیں اللہ کی ذات اور صفات کے بارے آگاہ کرے۔ یہاں یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ اللہ کا تصور از خود کر لینا درست نہیں۔ اس طرح تو کافر بھی اللہ کو مانتا ہے ایک ایسی طاقت جو سب سے اوپر ہے وہ تمام باطل مذاہب میں مختلف ناموں سے مانی جاتی ہے لیکن اللہ کے نزدیک ویسا ماننا قبول ہے جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ حق صرف یہی ماننا ہے باقی جو اپنے اپنے انداز سے مانتے ہیں، وہ سب

غلط ہے۔ دورِ حاضر کے 'روشن خیال علما' نے اسی کافرانہ روش کو اپناتے ہوئے ایک بات نکالی ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انکار کیا وہ کافر تھے۔ جو بعد میں آئے وہ کافر نہیں۔ پھر کیا ہیں؟ یہ غیر مسلم ہیں! یہ وہ نئی بات ہے جو روشن خیالی کا نتیجہ ہے۔ اللہ کریم نے بتا دیا ہے کہ اللہ نے تمام انسان فطرت پر پیدا کیے پھر ان میں سے کچھ کافر ہو گئے کچھ مسلمان۔ یعنی دو ہی قومیں ہیں، دو ہی نظریے۔ قرآن نے جا بجا ان یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی کافر کہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور جو آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا وہ بھی کافر ہے۔

عقیدہ وعمل:

اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو منواتے ہیں اس میں دو باتیں ہوتی ہیں۔ اللہ پر ایمان جیسا کہ اللہ ہے جیسا کہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منواتے ہیں۔ یہ عقیدہ ہے۔ دوسری بات عمل ہے۔ عمل کے دو حصے ہیں۔ عبادات اور معاملات۔ عقیدہ، عمل اور عبادات، یہ تینوں ویسے مانی جائیں جیسے اللہ کے نبیؐ منواتے ہیں تب بندہ مسلمان ہے۔ جو تینوں کا انکار کردے، وہ کافر ہے۔ اور جو ان میں سے کسی کو مانے کسی کو نہ مانے ایسا کرنا بھی کفر ہے۔ جیسے کفر کی ایک قسم یہ ہے کہ زبانی زبانی عقیدہ مان لیا، عبادات مان لیں۔ کہا کہ اللہ کو واحد ولا شریک مانتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں لیکن نظامِ حیات زندگی کا دستور، رہنے سہنے کے سلیقے، معیشت، عدالت، تعلیم و تربیت، نظامِ سیاست یہ ہمارا اپنا ہوگا۔ کفر کی اس قسم کو نفاق کہتے ہیں۔ ایسے لوگ منافق قرار دیے گئے۔ عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مکہ میں بت پرستی تھی لیکن سب کے اپنے اپنے بے شمار بت بھی تھے۔ اس کے علاوہ ستاروں کو پوجا جاتا تھا۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کر کے پوجا جاتا تھا۔ جادوگروں اور نجومیوں کی پرستش ہوتی تھی۔ کچھ لوگ آگ کے پجاری تھے۔ یعنی مکہ مکرمہ میں کئی مختلف مذاہب موجود تھے۔ مشرکین نے سمجھا کہ جہاں اتنے مذاہب ہیں، یہ ایک اور سہی! مشرکین نے ایک وفد بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ بے شمار مذاہب پہلے سے ہیں، آپ نے ایک اور بنا لیا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مذہب پر رہیں جس طرح دیگر لوگ اپنی اپنی عبادت کرتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کرتے رہیں لیکن معاشرے کا رہنے سہنے کا طریقہ، قانون، معیشت، لین دین، عدالت، جزا و سزا یہ سب ہمارا ہے جس پر دیگر مذاہب کے لوگ بھی چل رہے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اسی پر چلیں۔ اور ہمارے نظامِ زندگی، کاروبارِ حیات میں مداخلت نہ کریں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دین کی اساس یہی نظامِ زندگی ہے۔ اسی کافرانہ نظام ہی کو تو بدلنا ہے۔ یہی بنیاد ہے۔ یہ بدلے گا تو عبادت کا حق ادا ہوگا۔ اگر یہ نہیں بدلے گا تو عبادت کس کی؟ جس شخص کا ذریعہء آمدن حرام

ہے وہ حرام کھا کر کون سا عقیدہ رکھتا ہے اور کیا عبادت کرے گا؟ جب معاملات میں وہ اللہ کے قانون کو نہیں مانتا تو عدالت بھی انصاف نہیں کرتی۔ انصاف تو اللہ کے قانون کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ کے قانون کے خلاف ظلم ہے۔ انسانی رائے سے قانون نہیں بنتا، اللہ کے فرمانے سے بنتا ہے۔ جو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہم اسلامی عقائد رکھتے ہیں، عبادات کو مانتے ہیں، نماز روزہ کے پابند ہیں لیکن راہ حیات اور عمل میں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ معیشت، عدالت، لین دین، ہم اپنی طرف سے چلائیں گے تو یہ منافقت ہے اور مسلم دنیا کے زوال کا سبب یہی ہے۔ سارے عالمِ اسلام میں لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے قانون نافذ ہیں۔ لوگ اللہ کے قانون پر زندگی بسر نہیں کر رہے۔ چند عرب ممالک میں اگرچہ اسلام کا سارا قانون نافذ نہیں لیکن سزا و جزا میں حدود نافذ ہیں۔ اور اس کے بہتر نتائج بھی دیکھے گئے ہیں۔

اس آیہء مبارکہ میں واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کی راہ ایک ہے۔ اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات من وعن قبول کرو۔ عقیدہ بھی ویسا ہو، عبادات بھی اور عملی راہ حیات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ قرآن کا ارشاد کردہ سارا طرزِ حیات سراپا نور ہے۔ اللہ پر ایمان، نور ہے، اللہ کی عبادت بھی نور ہے اور زندگی کے معمولات کو ادا کرنے کا جو معین طریقہ ارشاد ہوا ہے وہ سارا نور ہے۔ اس نور کو من وعن قبول کرو۔

اور یاد رکھو! اللہ کریم اس بات سے ہر آن باخبر ہیں کہ تمہارا عقیدہ و ایمان کتنا پختہ ہے، عبادات میں کتنا خلوص ہے، ادائیگی میں کتنا اتباع رسالت ہے، طرزِ حیات، زندگی کے معمولات میں تم کتنا اتباع کر رہے ہو!

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔۔۔ جس دن (اللہ) تم سب کو جمع ہونے کے دن (یعنی قیامت) کے لیے اکٹھا کریں گے (سو) یہی دن ہے سود وزیاں کا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں لوگ آ رہے ہیں، جا رہے ہیں۔ کچھ دنیا میں ہیں، کچھ برزخ میں ہیں، کچھ نے ابھی دنیا میں وارد ہونا ہے لیکن ایک دن ایسا آئے گا جب ساری مخلوقات جمع ہوں گی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جتنے لوگ گزر چکے سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ اس دن پتا چلے گا کہ کتنا گھاٹا ہوا۔ یہ سود وزیاں کا دن ہوگا۔ یہ حساب کتاب کا دن ہوگا، پتا چلے گا کہ کیا کھویا، کیا پایا؟

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا وہ اس سے اس کے گناہ دور کر دیں گے اور اس کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری

ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا، وہ لوگ خوش نصیب ہوں گے جن کا عقیدہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق ہوگا۔ جن کی عبادات بھی وہ ہوں گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں اور جن کے معاملاتِ دنیا، جن کی راہِ عمل اپنی ذات سے لے کر افرادِ خانہ تک اور گھر سے لے کر قومی سطح تک، قومی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک کا ہر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے تابع ہوگا۔ یہاں دو امور کا ہونا شرط قرار دیا گیا۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا ۔۔۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ ایمان باللہ وہ صحیح ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور کردار وہ صالح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و طریقے کے مطابق ہے۔ کردار میں دونوں باتیں آگئیں۔ عبادات بھی اور معاملات بھی۔

یاد رہے! عبادات وہی عبادات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہوں۔ جو لوگ اپنی طرف سے رسومات گھڑ کر انہیں عبادات کا نام دیتے ہیں، وہ عبادت نہیں، وہ گناہ ہے، جرم ہے۔ جیسے عید کے دن فجر کے بعد عید کی نماز تک نوافل نہیں پڑھے جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز فجر کے بعد عید تک نوافل ادا نہیں فرمائے۔ حضرت علیؓ نے عید گاہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نوافل ادا کر رہا تھا۔ آپؓ نے اسے فرمایا، تمہیں جہنم لے جانے کے لیے یہ دو رکعت ہی کافی ہیں اس لیے کہ آج کے دن فجر کے بعد سے عید تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نفل نہیں پڑھے اور پڑھنے کا حکم نہیں دیا لہٰذا جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہوگا وہ دوزخ میں لے جانے کا سبب ہوگا۔ اسی طرح جو زبانی اقرار کرے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھے لیکن راہِ عمل میں آزاد رہے، یعنی نماز روزہ کرے لیکن کردار غیر اسلامی ہو تو یہ منافقت ہے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے حامل کردار کے لوگوں سے بتقاضائے بشریت جو غلطیاں ہوگئی ہوں گی۔ کوئی کمی رہ گئی ہوگی، اللہ کریم ان کی خطائیں، بھول چوک، غلطیاں سب معاف کر دیں گے اور انہیں بہت خوبصورت ابدی ٹھکانہ عطا فرمائیں گے۔ یہ ابدی گھر اللہ کی رضا کا مظہر ہے۔ اس میں کوئی دکھ ہے نہ بیماری۔ پریشانی ہے نہ موت اور نہ ہی بڑھاپے کا ڈر۔ یہاں جو نعمتیں عطا ہوں گی وہ کبھی واپس نہ لی جائیں گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے، حقیقی کامیابی یہی ہے کہ بندہ آخرت میں جمع ہونے کے دن اللہ کی گرفت سے، عذاب سے بچ کر اللہ کے انعامات کا مستحق ٹھہرے۔

اس جمع ہونے کے دن، اس سود وزیاں کے دن، يَوْمُ التَّغَابُنِ کو ان کا حال کیا ہوگا، جو دنیا میں تکذیب ہی کرتے رہے فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

جہاں اللہ کے ایمان دار بندوں کے ابدی ٹھکانے اور انعامات کا ذکر ہوا وہاں منکرین کے انجام سے باخبر کر دیا گیا تا کہ لوگ ہوش مندی سے کام لیں۔ فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کے احکام کو غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔ ان کی تکذیب کرتے ہیں وہ دوزخ کے باسی ہیں، یہ ہمیشہ ہی جہنم میں رہیں گے۔ جہنم بہت ہی بری جگہ ہے وہاں کسی طرح کی عاقبت کا نام نہیں۔ تکلیفوں کا گھر ہے۔ رہنا دشوار، کھانے میں تکلیف، سانس لینے میں تکلیف، ہمہ وقت آگ میں جلنا۔ بہت تکلیف دہ جگہ ہے۔ پھر وہاں موت آئے گی نہ جان چھوٹے گی۔ تکذیب کرنے والوں کو وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

سورۃ التغابن رکوع 2 آیات 11 تا 18

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ؕ وَاللّٰہُ
بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ
فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ
فَاحْذَرُوْھُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾
اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ؕ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ
مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا
یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ
وَالشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۸﴾

جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ کے حکم سے آتی ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ
اس کے دل کو ہدایت دیتے ہیں اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہیں ﴿۱۱﴾ اور اللہ کی
اطاعت کرو اور (اس کے) پیغمبر کی اطاعت کرو پھر اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے
پیغمبر کے ذمہ تو واضح طور پر پہنچا دینا ہے ﴿۱۲﴾ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں
اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ کریں ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو!
بے شک تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں، سو
ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یقیناً اللہ بخشنے

والے، رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۴﴾ بے شک تمہارے مال اور اولاد ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اصلہ ہے ﴿۱۵﴾ سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور فرماں برداری کرو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے اپنے لیے بہتر ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے محفوظ رہا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۶﴾ اگر تم اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دو تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتے چلے جائیں گے اور تمہیں بخش دیں گے اور اللہ قدر شناس (اور) بردبار ہیں ﴿۱۷﴾ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے، غالب (اور) حکمت والے ﴿۱۸﴾

تفسیر و معارف

اس رکوع میں ان بنیادی حقائق کا ذکر ہے جو دارِ دنیا کی زندگی میں ہر کسی کو درپیش رہتے ہیں۔ کہیں مال و اولاد کی محبت انسان کی دشمن بن جاتی ہے تو کہیں نفسانی خواہشات۔ اللہ کریم نے ان سب سے نبرد آزما ہونے کا نسخہ ارشاد فرمادیا کہ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے حقیقی مالک سے رشتہ استوار کرلو۔ ہر آزمائش سے سرخرو نکلو گے۔

فرمایا: مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ یَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ۔ جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ نیک و بد پر جو دکھ آتا ہے سب اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ دنیا میں سب پر ہی دکھ اور تکلیفیں آتی ہیں۔ بدکاروں پر جو مصیبت آتی ہے وہ ان کی بدکرداری کی وجہ سے آتی ہے اور ایمان والوں پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کو مٹانے کے لیے آتی ہیں۔ نیک و بد کے اظہار کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ نیک بندے کے ظاہر پر دکھ آتا ہے اس کا باطن، اس کا قلب مطمئن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں راحت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں راحت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے قلب میں ہدایت ہوتی ہے۔ مومن کو ظاہری تکلیف ہوتی ہے، قلبی طور پر اسے وہ تکلیف نہیں پہنچتی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کے کئی گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے مومن کا دل پُرسکون رہتا ہے۔ اس کی تلافیٔ مافات یعنی گناہوں سے معافی ہوجاتی ہے۔

اگر کوئی بہت نیک و پارسا ہو، شریف النفس اور باکردار ہو تو مصائب کے آنے سے اس کی ترقی درجات ہو جاتی ہے۔ ترقیٔ درجات میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کے لیے مصیبت شرط ہے۔ اسے اصطلاح میں مجاہدۂ اضطراری کہتے ہیں یعنی وہ مجاہدہ جو مجبوراً کرنا پڑ جاتا ہے۔ ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ عملی زندگی میں مسلسل کوشش اور جدوجہد کی جائے۔ یہ پوری زندگی کا مجاہدہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، لینا دینا کیا جائے۔ اللہ کے ارشاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق عبادت کرنا مجاہدہ ہے۔ یہ اختیاری مجاہدہ ہے یہ ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ دوسرا ہے اضطراری مجاہدہ یہ اللہ کی طرف سے آجاتا ہے بیماری وغیرہ جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکوں کے درجات بڑھتے ہیں۔

کافر یا بے دین پر جو مصیبت آتی ہے از قسمِ عقوبات آتی ہے۔ یعنی سزا کے طور پر آتی ہے۔ یہ مصیبت اس کے ظاہر پر آتی ہے جس کا اثر اس کے اندر، اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ وہ اس دکھ کو دل کی گہرائی تک محسوس کرتا ہے۔ یہ سب اس کے فسادِ عقیدہ اور کردار کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔

فرمایا: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ صرف اللہ کریم ہی جانتے ہیں کہ کس کا کیا حال ہے! کس کی کتنی غلطیاں ہیں جن کی معافی پر کتنی تکلیف آئے گی اور کس کو یہ مصیبتیں بطور سزا ملیں گی۔ کون اللہ کا ایسا مقرب ہے جس پر مصائب اس کی ترقیٔ درجات کے لیے آئیں گے۔ ہر چیز سے واقف اور آگاہ ہونا اللہ جلّ شانہٗ کی صفت ہے۔

بندے کے لیے کرنے کا کام صرف ایک ہے۔ فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔۔۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) پیغمبر کی اطاعت کرو۔ یعنی سمجھنے کی بات یہ ہے کہ پناہ، امن اور حفاظت تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ:208) اے ایمان والو! سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ گویا اسلام ایک قلعہ ہے جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ پورے کے پورے اس قلعے کے اندر چلے جاؤ۔ یہ نہ ہو کہ سر قلعے کے اندر ہے اور دھڑ باہر ہے۔ جو حصہ قلعے سے باہر ہو گا وہ تو محفوظ نہیں ہو گا لہٰذا آدھا تیتر آدھا بٹیر بننا اسلام نہیں منافقت ہے کہ بندہ عقیدہ اللہ کے معبود ہونے کا رکھے اس کے سوا کسی کو عبادت کے (اطاعت کے) لائق نہ سمجھنے کا اقرار کرے۔ عبادات بھی کرے لیکن ساری عملی زندگی کا طرزِ عمل کافرانہ رکھے۔ یہ بھی منافقت ہے کہ اللہ کے قرآن کو حق مانے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے اور پھر عبادات میں

رد و بدل کرے، رسومات گھڑ کر عبادات میں شامل کرے۔ بدعات کرنا بھی ظلم ہے۔ اگر عبادات میں بدعات شامل ہو جائیں تو ظلم ہے۔ میدانِ عمل میں اللہ کے احکام کے بجائے کافرانہ نظام کو برقرار رکھا جائے تو منافقت ہے اور عقیدے میں خرابی آجائے تو پھر بچا ہی کیا؟ اس لیے فرمایا اللہ کی مانو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانو، اپنی رائے داخل نہ کرو۔ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٢﴾ پھر اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ یاد رکھو میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری تم تک میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔ تم سے منوانا ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری نہیں۔ یہاں یہ اصول واضح ہوا کہ علمائے حق کا وتیرہ یہ ہونا چاہیے کہ پوری دلسوزی سے، پوری دیانت سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ان کی طرف سے پہنچا دیا جائے۔ اپنی بات منوانے پر زور نہیں دینا چاہیے۔ ہر بندے تک حق پہنچانا چاہیے لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ اس پیغام کی خوبی بیان کریں۔ جسے حق پہنچانا ہے اسے پہلے سے ہی کافر کہنے لگ جائیں گے تو وہ آپ کی بات کیوں سنے گا؟ وہ کیا کرتا ہے؟ اسے چھوڑ دیں۔ آپ، اسلام کی خوبی بیان کریں۔ اسلام کے فضائل بتائیں۔ عاقبت کی بات کریں۔ اپنے عمل سے اسلام کو ثابت کریں۔ اپنے اخلاق سنواریں۔ وہ خود دیکھ لے گا اسلام پر عمل کرنے والے کتنے بہتر ہیں۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام بہت اچھا راستہ ہے۔ حق پہنچا ہے۔ کوئی مانے تو اس کی مرضی اور نہ مانے تو اس کا فیصلہ!

یہ واضح ہو چکا کہ عبادات کے دو حصے ہیں۔ ایک نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہے۔ دوسرا اعمال و کردار میں اطاعتِ الٰہی، اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نماز روزہ کرنا نسبتاً آسان ہے اور پوری زندگی کے طرزِ عمل میں اللہ کی اطاعت اصل عبادت ہے اور مسلسل کرنے کا کام ہے۔ اس کے لیے قوت چاہیے۔ وہ قوت حاصل کرنے کا نسخہ ارشاد ہو رہا ہے۔ فرمایا: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ کریں۔ فرمایا، یہ عبادت و اطاعت ایمان کی قوت سے ہوتی ہے۔ جن کو اللہ پر یقینِ کامل ہے وہ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے سب کام اللہ کے سامنے ہیں، وہی کارسازِ حقیقی ہے۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ بندہ فعلی، عملی عبادت سے کیوں کتراتا ہے؟ بندے کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق عمل کیا تو میرا فلاں کام رک جائے گا۔ اتنا منافع نہیں ہوگا۔ فلاں ناراض ہو گیا تو عہدہ نہیں ملے گا۔ زیادہ دولت حاصل نہیں ہوگی۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ سارا اعتماد اللہ پر کر لو۔ دوسروں کو درمیان سے نکال دو۔ صرف ایک ذاتِ حقیقی اللہ کو راضی رکھو باقی سب راضی رہیں تو ان کی مرضی، ناراض رہیں تو ان کی مرضی۔ ایسا کر لو تو ایمان بھی صحیح ہو

جائے گا اور عمل بھی درست ہو جائے گا۔ بے شک صاحبِ ایمان اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہے۔

آزمائش میں پورا اترنے کا نسخہ:

بلاشبہ ازواج و اولاد اور مالِ دنیا ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں پورا اترنے کا نسخہ ارشاد ہوا کہ اللہ سے تقویٰ کا رشتہ استوار رکھو۔ اولاد کی تربیت نرمی سے اور محبت سے کرو۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یقیناً اللہ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

اہل وعیال، ازواج و اولاد، بیویاں بچے، خویش و اقارب، رشتہ دار یہ تو بہت عزیز ہوتے ہیں پھر یہ دشمن کیسے؟ جب یہ اللہ کی نافرمانی کا سبب بن جائیں تو یہ انسان کے دین کے دشمن ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا دشمن تو وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کا سبب بنے۔ ان سے ہوشیار رہو، احتیاط کرو۔ اولاد کے لیے محنت کر کے رزقِ حلال کماؤ لیکن اولاد کی خوش حالی کے لیے حرام نہ کماؤ، بیوی بچوں کے لیے کوٹھیاں اور گاڑیاں بنانے کے لیے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو۔ اگر بیوی بچے اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن جائیں تو ان پر سختی نہ کرو۔ درشت طرزِ عمل سے انہیں بھگاؤ نہیں۔ انہیں پیار و محبت سے سمجھاؤ۔ وہ تمہیں برائی کی طرف نہ لے جائیں بلکہ تم انہیں نیکی کی طرف لاؤ۔ ان کی خطائیں معاف کر دو، انہیں برداشت کرو، ان کی پچھلی کوتاہیاں بھلا دو۔ ان سے جھگڑنے سے گریز کرو۔ خاندان سے ٹکراؤ نہ کرو بلکہ درگزر سے کام لے کر پیار سے نیکی کی طرف لاؤ تاکہ وہ تمہارے دشمن نہ رہیں، نیکی میں تمہارے دست و بازو بن جائیں دیکھو! اللہ کریم کتنے معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ کتنے لوگ خطائیں کرتے ہیں اور اللہ کریم انہیں برداشت کرتے ہیں۔ انہیں رزق دیتے ہیں، وسائل دیتے ہیں۔ جو توبہ کر لے اسے سب کچھ معاف کر دیتے ہیں لہٰذا تم بھی درگزر کا رویہ اپناؤ۔ سختی، مار پیٹ، چیخنے چلّانے سے کوئی نیکی کی طرف نہیں آئے گا۔ رحم کرنا اور معاف کر دینا اللہ کی صفت ہے۔ مومن کو بھی یہی روّیہ اپنانا چاہیے۔ بھول چوک، غلطی، کوتاہی درگزر کر کے بیوی بچوں، خاندان کو متعلقین کو نیکی کی طرف لانا چاہیے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ بے شک تمہارے مال اور اولاد ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس بہت بڑا صلہ ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا ۔۔۔ سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور فرماں برداری کرو۔

فرمایا، دنیا کا مال اور اولاد انسان کا بہت بڑا امتحان ہیں۔ یہ بہت عزیز ہوتے ہیں۔ ایک طرف ان کی محبت اور دوسری طرف احکامِ الٰہی! یہی امتحان ہے کہ بندہ ان کی خوش حالی کے لالچ میں آ کر اللہ کے احکام کو چھوڑ دیتا ہے یا دین پر قائم رہتے ہوئے ان کی خوش حالی کیلئے محنت کرتا ہے۔ اللہ کے احکام کو چھوڑ دیتا ہے یا دین پر قائم رہتے ہوئے ان کی خوش حالی کی کوشش بھی کرتا ہے اور انہیں دیندار بنانے کے لیے بھی کوشاں رہتا ہے۔ اللہ کے بندو! اس آزمائش میں پورے اترو، اللہ کی اطاعت کا حق ادا کرو کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس کی بارگاہ سے عظیم انعام ملتا ہے۔ بندہ اپنی بساط بھر نیکی کرتا ہے وہ اپنی شان کے مطابق انعام دیتا ہے۔ بندہ اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے۔ اس کی ذات بڑی عظیم ہے وہ اپنی شانِ عظیم کے مطابق نوازتا ہے۔ اس آزمائش میں پورا اترنے کا نسخہ یہ ہے کہ اللہ سے رشتہء بندگی استوار رکھو۔ اس کی رضا کا خیال رکھو۔ تم میں جتنی ہمت ہے اتنا اللہ سے تعلق قائم رکھو۔ توجہ سے سنو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پیغام دیا ہے۔ اللہ کے پیغام کو سنو اور مانو۔ اس حکم کے مطابق ڈھل جاؤ۔

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾ اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے اپنے لیے بہتر ہوگا۔ اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے محفوظ رہا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

انفاق سے مراد ہے، جو نعمتیں اللہ نے دی ہیں انہیں اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا، حدودِ الٰہی کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرنا۔ انفاق سے مراد صرف مال خرچ کرنا ہی نہیں بلکہ تمام نعمتیں مراد ہیں۔ جوانی، طاقت، علم، قوتِ بیان، مال و دولت، عہدہ و اختیار جو کچھ دیا ہے اسے اللہ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنا انفاق ہے۔ فرمایا، خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۔۔۔ اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا۔ اور جس کو اللہ نے نفس کے لالچ سے بچا لیا، جس نے خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے اطاعتِ الٰہی کا دامن نہ چھوڑا، جس نے نفس کی خواہش کو ٹھکرا دیا لیکن اللہ کی اطاعت کو نہ چھوڑا۔ جو نفس کے لالچ سے بچ گیا وہی کامیاب ہے۔ ایسے ہی لوگ فلاح کو پا گئے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ اگر تم اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دو تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتے چلے جائیں گے اور تمہیں بخش دیں گے اور اللہ قدر شناس (اور) بردبار ہیں۔

تم جو خلوص سے نیکی کرتے ہو وہ ایسی ہے جیسے اللہ کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ تو تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اسے تمہارے قرض کی ضرورت نہیں۔ اور قرض اس اعتبار پر دیا جاتا ہے کہ یہ مجھے واپس ملے گا لہٰذا تم اللہ کی اطاعت میں

جو خرچ بھی کرتے ہو۔ وقت دیتے ہو یا مال، یہ مجھ پر قرض ہے میں تمہارا قرض اتاروں گا۔ تم نے جو دیا ہے وہ تمہیں لوٹا دوں گا۔ تم نے جو قرض دیا ہے اپنی حیثیت کے مطابق دیا ہے، میں جب واپس کروں گا، اپنی شان کے مطابق کروں گا۔ میں اسے کئی گنا بڑھا دوں گا۔ تمہاری سوچ سے زیادہ عطا کروں گا۔ اور تم سے جو کوتاہیاں ہو گئیں، جو کمی رہ گئی، جو بھول چوک ہو گئی وہ سب میں اپنی رحمت سے معاف کر دوں گا۔ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اس آیہ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ کا شکر کرتا ہے اللہ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتے۔ نیکی چھوٹی ہوتی ہے، بدلہ زیادہ دیتے ہیں۔ اللہ کریم بہت برداشت کرنے والے ہیں۔ ہر کسی کی کوتاہیاں برداشت کر کے اسے دنیا کی نعمتیں دیتے رہتے ہیں جو توبہ کر لے اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ کریم بردبار ہیں، حلیم ہیں، شکور ہیں۔ قدر شناس ہیں شکر گزار کا شکر قبول کر لیتے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے، غالب (اور) حکمت والے۔ جو تم چھپ کر کرتے ہو اللہ وہ بھی جانتے ہیں جو دلوں میں چھپاتے ہو، وہ بھی اور جو زبان پر آتا ہے وہ بھی جانتے ہیں۔ اللہ تمہاری نیت بھی جانتے ہیں اور کردار بھی۔ اللہ کریم غالب ہیں، جب چاہیں گرفت کر لیں۔ حکیم ہیں، مہلت دیتے ہیں، انسان کی توبہ کا انتظار کرتے ہیں۔ انبیاؑ کے ذریعے دین کا پیغام دیا، مہلت عمل دی اور جو شکر گزاری اور اطاعت کا راستہ اپنا لے اس کی کوتاہیاں معاف کر کے انعامات سے نوازتے ہیں اور جو پیغامِ الٰہی قبول نہ کرے پھر اس پر فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔

سورۃ الطلاق رکوع 1 آیات 1 تا 7

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿١﴾ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ
مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ
اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ
ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ
اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿٤﴾
ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ
اَجْرًا ﴿٥﴾ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ
بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴿٦﴾ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ

سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۟

اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت (طہر) کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ اور اللہ سے ڈرو جو تمہارے پروردگار ہیں نہ تو ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ کوئی صریح بے حیائی کا کام کریں (تو نکال دو)۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو درحقیقت اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ (اے مخاطب!) تجھ کو کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد (رجعت کی) کوئی نئی بات پیدا فرما دیں ﴿۱﴾ پھر جب وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو اور (گواہی کی ضرورت پڑے تو) اللہ کے لیے درست گواہی دو ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے نجات کی صورت پیدا کر دیتے ہیں ﴿۲﴾ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہیں۔ بے شک اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہیں) پورا کر دیتے ہیں۔ یقیناً اللہ نے ہر چیز کا پورا اندازہ فرما رکھا ہے ﴿۳﴾ اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو ان (کی عدت) کے بارے شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور جن کو (ابھی) حیض نہیں آنے لگا (ان کی بھی) اور حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ (اللہ) اس کے کام میں سہولت پیدا فرما دیں گے ﴿۴﴾ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس سے اس کے گناہ دور فرما دیں گے اور اُسے بہت بڑا

صِلہ عطا فرمائیں گے ﴿۵﴾ (مطلقہ) عورتوں کو وہیں رکھو (ایامِ عدت میں) جہاں تم خود رہتے ہو، جیسی (جگہ) تمہیں میسر ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کو خرچ دیتے رہو پھر اگر وہ بچے کو تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے معاملے میں) پسندیدہ طریقے سے موافقت کرو اور اگر تم باہم ضِد کرو گے تو اُس (بچے) کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی ﴿۶﴾ دولت مند کو اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُسی کے مطابق جو اُس نے اُن کو دیا ہے اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراخی بھی بخشے گا ﴿۷﴾

تفسیر ومعارف

سورۂ طلاق شروع ہوتی ہے۔ یہ مدنی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں طلاق کے مسائل ارشاد ہوئے ہیں۔

اسلام میں طلاق کے ضوابط:

اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ زندگی کو آسان بناتا ہے۔ اللہ کریم نے انسانی فطرت میں جو شہوت کا طریقہ رکھا ہے وہ بقائے نسلِ انسانی کے لیے ہے اور یہ تمام خواہشاتِ نفسانی میں سے شدید ترین ہے کہ انسان کو گناہ کی طرف بھی لے جاسکتی ہے اس لیے اللہ نے اس کی تکمیل کا جائز اور حلال طریقہ نکاح کو بنایا ہے۔ اسلام میں نکاح کو عبادت کا درجہ حاصل ہے، نیکی کا درجہ حاصل ہے۔

ایک صحابیؓ کا قول ملتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر میں ضعیف ہوجاؤں اور نکاح کے قابل بھی نہ رہوں اور میری بیوی فوت ہوجائے تو بھی میں پسند کروں گا کہ نکاحِ ثانی کرلوں اس لیے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جس پر خاندان اور ازواج کا بوجھ ہو اس کی عبادات کا درجہ اکیلے بندے کی عبادات کے درجے سے زیادہ ہوتا ہے۔ گویا نکاح صرف خواہشات کی تکمیل نہیں ہے بلکہ نسلِ انسانی کی بقا کا سبب ہے اور بہت بڑی عبادت ہے۔ ایک شخص جو شادی شدہ زندگی میں خاندان، سسرال کی ذمہ داریاں نباہ کر، حلال اور جائز کام کرتا ہے تو اس کی

عبادت کا درجہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے تو نکاح کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔ انسانوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں تو بعض اوقات میاں بیوی کے مزاج نہیں ملتے یا ایسے معاملات ہوجاتے ہیں کہ نباہ مشکل ہوجاتا ہے۔ اللہ کریم نے نکاح سے نکلنے کی ایک جائز صورت رکھی ہے کیونکہ اسلام زندگی کو آسان بناتا ہے سہل تر بناتا ہے۔ البتہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جائز اور حلال کاموں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ کام طلاق ہے۔ اگر ایسی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ مل کر رہنا ناممکن ہوجائے تو طلاق دی جائے۔ اگر کوئی یہ فیصلہ کرلیتا ہے تو ایسے طریقے سے طلاق دے کہ اس سے دشمنی نہ بنے، ناراضگی نہ پیدا ہو قرآنِ کریم نے طلاق دینے کا وہ سلیقہ بتایا ہے جس سے دونوں خاندانوں میں دشمنی نہ بنے۔ جس طرح دو خاندانوں نے متفق ہو کر دو بندوں کو اللہ کے نام پر ایک کیا تھا، مل کر رہنے کا عہد کیا تھا، اسی طرح جب ان کے حالات ایسے ہو گئے کہ یہ نبھانا مشکل ہو گیا تو وہ الگ ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے دونوں خاندانوں میں دشمنی نہیں شروع ہونی چاہیے بلکہ اسی طرح حُسنِ معاملہ اور معروف طریقے سے طلاق بھی دی جائے۔ اللہ کریم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔۔۔ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات بھی اس قانون کی پابند ہے تو کوئی دوسرا کیسے اس سے پہلوتہی کرسکتا ہے۔ فرمایا، اگر مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دیں تو عدت کا اندازہ کر کے طلاق دی جائے۔ یوں تو طلاق جب بھی دی جائے وہ ہوجاتی ہے لیکن مناسب طریقہ یہ ہے کہ عورت جب اپنے ماہانہ ایامِ حیض سے فارغ ہو تو اُسے ایک طلاق دی جائے۔ فرمایا: وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔۔۔ اور عدت کا شمار رکھو۔ پھر جب دوسرا حیض ہو اور دوسری طلاق دینی ہو تو اس حیض سے پاک ہونے پر دی جائے۔ اسی طرح تیسرے حیض سے پاک ہونے پر تیسری طلاق دی جائے۔ یہ طلاق دینے کا طریقہ ہے اس میں کم از کم تین مہینے لگیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی طلاق کے بعد صلح کی کوئی صورت پیدا ہوجائے اور رجعت ہوجائے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی صلح اور رجعت کی صورت نکل سکتی ہے اور اگر ان میں صلح نہیں ہوسکتی تو طلاق دے دے لیکن سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دی جائے۔ اگر الگ ہونا ہے تو جب عدت گزر جائے گی تو ایک طلاق سے بھی علیحدگی ہوجائے گی لیکن وہ قابلِ رجعت رہے گی۔ دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو پھر کرسکتے ہیں۔ یہ جہالت ہے کہ ایک ہی بار تین طلاقیں دی جائیں۔ ایسا کرنے سے طلاق ہو جائے گی، عورت فارغ ہوجائے گی لیکن طلاق دینے والے کو گناہ ہوگا اور پُرسش ہوگی کہ اس نے

احکامِ الٰہی کا مذاق اڑایا۔

وطنِ عزیز میں تو جہالت کا یہ عالم ہے کہ تین نہیں بلکہ اکٹھی طلاقیں دیتے ہیں۔ بعض جاہل ایسے ہیں، کہتے ہیں میں تجھے سات طلاقیں دیتا ہوں۔ علما فرماتے ہیں کہ اس جملے سے تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں، عورت فارغ ہو گئی اور جو چار اس نے زائد دیں اس کا حساب ہوگا۔ اس سے جواب طلبی ہوگی کہ تُو نے اللہ کے حکم کا مذاق کیوں اڑایا۔ اللہ کریم چاہیں تو معاف کر دیں چاہیں تو عذاب دیں لیکن جواب دینا پڑے گا۔

فرمایا، عدت کے شمار سے طلاق دو یعنی ایسے موقع پر دو کہ عدت کا شمار آسان ہو اور طلاق کے معاملات میں بھی فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ۔۔۔ اور اللہ سے ڈرو جو تمہارے پروردگار ہیں۔ ان معاملات میں بھی اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ تم اگر ذاتی مسائل میں الجھ کر طلاق دے رہے ہو تو تمہارے مسائل کا حل بھی اس کے پاس ہے جو تمہارا پالنہار ہے۔ طلاق دینا مسائل کا حل نہیں ہے۔ اگر کوئی غربت سے تنگ آ کر طلاق دیتا ہے کہ اس سے اخراجات کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا تو کیا طلاق دینے سے اس کی روزی بڑھ جائے گی؟

طلاق دینے کا کوئی قوی جواز ہونا چاہیے یہ نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا سنگین قدم اٹھایا جائے۔ محض معمولی سی ناچاقی یا معمولی گھریلو مسائل، روزمرہ کے کاموں میں خاتون کی کوتاہی پر اُسے طلاق دے دیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے معمولی جھگڑے اور اختلافات تو زندگی کا حصہ ہیں۔ یہ تو سگے بھائیوں میں بھی ہوتے ہیں، والدین اور اولاد میں بھی ہوتے ہیں تو کیا ایک دوسرے کا گلا کاٹ دیتے ہیں؟ شادی میں بھی ان اختلافات کو برداشت کرنا چاہیے اور یہ انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہاں! اگر عورت بدکار اور آوارہ ہو جائے یا ایسی بدزبان ہو اور اپنے چلن سے توبہ نہ کرے کہ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے تو پھر طلاق کا جواز ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنے اور بیوی کے خاندان سے دو بزرگوں کو بلا لے، دو نیک انسان گواہ کر لے اور اپنی مشکل بیان کرے کہ اس طرح گزارا ممکن نہیں۔ اگر وہ بزرگ قصوروار کو سمجھا سکیں اور صلح ہو جائے تو بہتر ہے۔ اگر نہ ہو تو اُن کے سامنے طلاق دے اور اللہ سے اپنے تعلق کا خیال رکھے کہ وہ ربّ ہے، اس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے والی ذات ہے۔ اپنے پروردگار کو ناراض نہ کرے۔

فرمایا: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ۔۔۔ نہ تو اُن کو (ایامِ عدت میں) اُن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں۔

اگر طلاق دے دیتے ہو تو دورانِ عدت عورت کو گھر سے نکالا نہ جائے اور اُسے بھی چاہیے کہ طلاق کا لفظ سنتے ہی گھر سے چلی نہ جائے۔ ایک طلاق دینے کے بعد میاں بیوی اپنے گھر میں رہیں لیکن وہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ

جمع ہوں گے تو رجعت ہو جائے گی لیکن اس رجعت کے بعد طلاق دینے والے کے پاس دو طلاقوں کا موقع رہ جائے گا۔ اسی طرح اگر دو طلاقوں کے بعد بھی صلح ہو جائے، نکاح ہو جائے تو اب صرف ایک طلاق بچتی ہے۔ جب بھی دے گا تو تین واقع ہو جائیں گی جس طرح کسی بندوق میں تین کارتوس ہوں، ایک چلا دیا لیکن لگا نہیں تو پھر باقی دو ہی رہیں گے دوسرا فائر کر دیں تو ایک ہی بچے گا تین تو نہیں ہوں گے۔

فرمایا، طلاق دینے کے بعد ایک ہی گھر میں رہیں لیکن میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں کر سکتے۔ ہاں! ایک گھر میں رہنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا شاید سمجھوتے کا سبب بن جائے اس لیے عورت کو زبردستی گھر سے نہ نکالا جائے اور عورت کو بھی چاہیے کہ اپنا گھر نہ چھوڑے۔ فرمایا: اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔۔۔ ہاں اگر وہ کوئی صریح بے حیائی کا کام کریں (تو نکال دو)۔ اگر عورت فحش کلامی کرتی ہو، گالیاں بکتی ہو یا بدکار ہو آوارہ ہو تو ایسی وجوہات پر اسے گھر سے نکالا جا سکتا ہے۔ فرمایا: وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ۔۔۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو درحقیقت اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

فرمایا، یاد رکھو یہ اللہ کا قانون ہے، یہ حدود اللہ ہیں اور جو ان سے آگے بڑھتا ہے وہ اپنے آپ پر اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ نہیں جانتا، فرمایا: لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ① تجھ کو کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد (رجعت کی) کوئی نئی بات پیدا فرما دیں۔

فرمایا، اللہ کی مقرر کردہ حدود سے جو بھی تجاوز کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اُسے یہ خبر نہیں کہ شاید اللہ کریم طلاق کے بعد بھی صلح کی صورت پیدا فرما دیں اور اسی بیوی یا شوہر میں کوئی بہتری یا نیکی پیدا کر دیں۔ سو جلدی نہ کرو کہ طلاقیں دے کر فوراً بھگا دو بلکہ یہ اللہ کا قانون ہے اسے اللہ کے مشورے کے مطابق استعمال کرو۔ عین ممکن ہے کہ رجعت ہو جائے، صلح ہو جائے۔ اس سے نیک اولاد پیدا ہو جائے، رزق میں فراخی آ جائے۔ اللہ قادر ہے وہ حالات درست فرما دیتا ہے۔

فرمایا: فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ۔۔۔ پھر جب وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو اُن کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔

فرمایا، اگر تم نے ایک طلاق دے دی اور ایک مہینہ گزر گیا لیکن صلح نہیں ہوئی پھر دوسرا اور تیسرا مہینہ بھی بغیر صلح کے گزر گیا تو اسی ایک طلاق پر گزارا کرو یعنی دوسری نہ دو۔ اب جب تیسرا مہینہ گزر گیا تو عدت پوری ہو گئی اور آخری فیصلہ کا وقت آ گیا۔ اب یا تو شرعی اور مسنون طریقے سے رجعت کر کے اُسے روک لو یا پھر نہایت مناسب

انداز میں رخصت کرو اور فرمایا: ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو اور (گواہی کی ضرورت پڑے تو) اللہ کے لیے درست گواہی دو۔ فرمایا، اس موقع پر اپنے خاندان سے یا اہلِ محلہ سے دو نیک لوگوں کو اس بات پر گواہ کرلو کہ میں نے طلاق دی تھی اب عدت گزر گئی اور ہماری صلح ممکن نہیں چنانچہ میں اسے رخصت کرر ہا ہوں۔ اللہ کی رضا کے لیے اس معاملے پر گواہی قائم کرو۔ اس خاتون کا جو حق بنتا ہے وہ اُسے ادا کرو اس کا حق مہر ادا کرو بلکہ کچھ زائد دے کر رخصت کرو۔ اس کے باپ یا بھائیوں کو بلا کر سارا ماجرا بتا دو اور عزت و احترام سے ان کے سپرد کر دو تا کہ دشمنی نہ بنے۔ فرمایا: ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔۔۔ ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔

نصیحت سے مراد ہے بھلائی، خیر خواہی کی بات اور نیک مشورہ تو اللہ کریم اُن لوگوں کو یہ نصیحت فرمارہے ہیں جن کا اللہ اور آخرت پر، قیامت پر ایمان و یقین ہے۔ اُن کے دل میں اللہ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ یہ بھلائی کا راستہ اُنہیں تعلیم فرمایا جارہا ہے۔

فرمایا: وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۝۲ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کے لیے نجات کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔

فرمایا جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرتے ہیں، اللہ کا خوف رکھتے ہیں وہ خواہ کتنے بھی مشکل حالات سے دوچار ہوں اللہ کریم ان کے لیے اس مشکل سے نکلنے کی راہ بنا دیتے ہیں۔ وہ مشکلات میں نہیں رہتے۔ فرمایا: وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ۔۔۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

فرمایا، جس کے دل میں خوفِ خدا ہوگا اسے ایسے ذرائع سے رزق دیا جاتا ہے، اس کی مشکل ایسے وسائل سے آسان کی جاتی ہے جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ چنانچہ رزق کی تنگی کو جھگڑے کا باعث نہ بنایا جائے کہ نوبت طلاق تک جا پہنچے۔ فرمایا: وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ۔۔۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہیں) پورا کر دیتے ہیں۔

فرمایا، تمام امور میں اللہ پر بھروسہ بنیادی بات ہے۔ ہر کام کو شریعت کے مطابق انجام دیا جائے۔ جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر لیتے ہیں، اللہ اُن کا بھروسہ نہیں توڑتے، وہ اُن کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اگر اللہ پر اعتماد ہو، بھروسہ ہو اور اللہ کے حکم کے مطابق کام کرے تو نتائج کبھی خراب نہیں ہوتے۔ اللہ کریم اس کام میں بہتری پیدا فرما دیتے ہیں کیونکہ وہ بندے کے بھروسے کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہر کام پر قادر ہیں۔ ہر چیز اللہ ہی کے دستِ قدرت

میں ہے اور اسباب میں نتائج بھی وہی پیدا فرماتے ہیں۔ وہ چاہیں تو زندگی کے لیے کھائی جانے والی دوا موت کا سبب بن جائے اور کسی کو موت کے لیے دیا گیا زہر اس کے مرض کا علاج بن جائے۔ یہ سب نتائج وہ خود پیدا فرماتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ فرمایا: قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝۳ یقیناً اللہ نے ہر چیز کا اندازہ پورا فرما رکھا ہے۔

اللہ کریم نے ہر چیز کی ایک حیثیت، ایک خاصیت، ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے کس چیز کی کس مقدار میں، کیا کچھ ہے، یہ سب اس کے پیدا کردہ ہیں اور وہ جب چاہیں اُسے بدل دیں۔ جس چیز کو جب چاہیں بڑھا دیں، جب چاہیں گھٹا دیں۔

فرمایا: وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ۔۔۔ اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو ان (کی عدت) کے بارے شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے ابھی اور جن کو (ابھی) حیض نہیں آنے لگا (ان کی بھی) ایسی خواتین جو ماہواری سے ناامید ہو چکی ہوں یعنی بڑھاپے کی وجہ سے جب حیض آنا بند ہو جاتا ہے یا جو ابھی بالغ نہیں ہوئیں جنہیں ماہواری شروع نہیں ہوئی اگر اُن کا نکاح ہوا اور طلاق ہو گئی تو اُن کی عدت تین مہینے شمار ہو گی۔ جس عورت کو حیض آتا ہے اس کی عدت تین حیض گنی جائے گی خواہ وہ ڈھائی ماہ میں پوری ہو جائے۔ بعض اوقات تین حیض ڈھائی ماہ میں ہو جاتے ہیں تو عدت پوری ہو جاتی ہے۔ جسے حیض نہیں آتا اس کی عدت تین مہینے گنی جائے گی۔

فرمایا: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔۔۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔ فرمایا، اگر کسی حاملہ کو طلاق ہو گئی تو اس کی عدت وضعِ حمل تک ہے۔ ہمارے ہاں یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ جو حمل سے ہو اُسے طلاق نہیں ہوئی۔ حمل میں طلاق دی جائے تو واقع ہو جاتی ہے اور اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔ اگر آج طلاق ہوئی اور کل بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہو گئی۔ اسی طرح اگر طلاق کے آٹھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو اس کی عدت آٹھ ماہ ہو گی۔ جب بچہ پیدا ہو جائے گا عدت ختم ہو جائے گی۔ فرمایا: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝۴ اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ (اللہ) اس کے کام میں سہولت پیدا فرما دیں گے۔ فرمایا، جو اللہ کی عظمت کا ادراک کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے اور نافرمانی سے ڈرے، اللہ کریم اس کے کاموں میں سہولت پیدا فرما دیتے ہیں۔

اگر عورت نیک اور پاکباز ہے تو وہ طلاق سے فکر مند نہ ہو کہ اللہ اس کے لیے اس سے بہتر راستہ پیدا فرما دیں گے۔ اگر مرد نیک اور اللہ سے ڈرنے والا ہے تو اگرچہ یہ بات سدھر نہیں سکی اور طلاق پر منتج ہوئی تو کوئی حرج نہیں، اللہ قادر ہیں وہ بہتر سبب پیدا کر دیں گے۔

فرمایا: ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس سے اس کے گناہ دور فرما دیں گے اور اُسے بہت بڑا صلہ عطا فرمائیں گے۔ فرمایا، یہ سب اللہ کے احکام ہیں جو نازل کیے گئے ہیں، یہ مذاق نہیں ہیں۔ یہ جو کچھ بتایا گیا ہے، یہ اللہ کے احکام ہیں، ان کی اطاعت کی جائے۔ احکامِ الٰہی کی اطاعت ہی تو عبادت ہے۔ ایک مسلمان نکاح کرتا ہے تو بھی عبادت کرتا ہے اور اگر مجبوراً طلاق دیتا ہے تو شرعی طریقے سے دے کر عبادت کرتا ہے۔

فرمایا، یہ اللہ کے احکام ہیں جو تمہاری طرف نازل فرمائے ہیں اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ کریم نے تمہیں اس قابل سمجھا کہ تمہاری زندگی کا لائحہ عمل بنا کر عطا فرمایا۔ جو لوگ اللہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں، اللہ کریم ان کی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں اور اُن کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اجر بہت بڑھا کر عطا فرماتے ہیں یعنی اُن کا ثواب بڑھا کر دیتے ہیں گویا اللہ کریم دوہرا معاملہ کرتے ہیں کہ کوتاہیاں اور غلطیاں بھی معاف کر دیتے ہیں اور نیکیوں پر انعام بھی بڑھا دیتے ہیں۔

عدت میں سلوک:

فرمایا: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ۔۔۔ (مطلقہ) عورتوں کو وہیں رکھو (ایام عدت میں) جہاں تم خود رہتے ہو جیسی (جگہ) تمہیں میسر ہو اور اُن کو تنگ کرنے کیلئے تکلیف نہ دو اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کو خرچ دیتے رہو۔

اگر طلاق ہو گئی لیکن خاتون حاملہ ہے تو پھر مرد کو چاہیے کہ اس کا بوجھ برداشت کرے اور گھر میں اسی سہولت اور آرام سے رکھے جو پہلے میسر تھا۔ کھانا، پینا، کپڑا، جوتا اسی معیار کا برقرار رکھا جائے جو پہلے تھا اور وضع حمل تک اس کے اخراجات برداشت کرے۔ جب بچہ پیدا ہو جائے تو عدت ختم ہو جائے گی۔

فرمایا: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴿۶﴾ پھر وہ اگر بچے کو تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کی اجرت دو اور (بچے کے معاملے میں) پسندیدہ طریقے سے موافقت کرو اور اگر تم باہم ضد کرو گے تو اُس (بچے) کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ بچے کی پیدائش کے بعد اگر عورت بچے کو دودھ پلائے تو رضاعت کا خرچہ باپ کے ذمے ہوگا۔ جب تک بچہ دودھ پی رہا ہے، عورت کے اخراجات مرد پر ہوں گے۔ فرمایا، آپس کے تعلقات

معروف اور خوبصورت طریقے سے طے کرو۔ وضعِ حمل سے عدت تمام ہوئی اور تم دونوں الگ ہو گئے لیکن بچے کا رشتہ تو ہے لہٰذا مدتِ رضاعت میں عورت اس گھر میں ایک الگ کمرے میں رہ سکتی ہے اس کا وہی عزت واحترام ہوگا اور وہی معیارِ زندگی برقرار رکھا جائے گا جو شادی شدہ زندگی میں تھا لیکن کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا جب تک بچہ دودھ پیتا ہے خاتون کے اخراجات بھی بچے کے باپ کے ذمہ ہیں۔ جو آپس میں حیثیت کے مطابق طے کرلیں۔ اگر خاتون کہتی ہے کہ وہ بچہ نہیں پال سکتی تو باپ کی طرف سے کوئی دوسری عورت اجرت پر دودھ پلائے گی وہ اس کی اجرت لے گی۔ ان معاملات میں ایک دوسرے کی ضرورتیں سمجھ کر اچھے طریقے سے راستہ نکالو۔ ایک دوسرے کو پریشان نہ کرو نہ مجبور کرو۔ اگر خاتون کی کوئی مجبوری ہے یا مرد کی کوئی مجبوری ہے تو افہام وتفہیم سے درمیانی راستہ اختیار کرو۔

فرمایا: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۖ۔۔۔ دولت مند کو اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو جتنا اس کو اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے۔ فرمایا، ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا۔ اگر امیر ہے تو جو اس کا پہلے معیارِ زندگی تھا اس کو قائم رکھے اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق کرے گا۔ اگر دودھ پلانے کے لیے کسی دوسری عورت کی خدمات لینی پڑیں تو اُسے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اجرت دینا پڑے گی۔ اگرچہ بچے کی ماں خود دودھ پلائے تو بہت اچھا ہے۔

جو شخص غریب ہے، اس پر اگر رزق کی تنگی ہے تو وہ مقدور بھر ہی کرسکتا ہے تو اس پر بھی اللہ اسے نیک اجر دیں گے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی لاکھوں میں کھیلتا ہو بلکہ غریب اور مساکین بھی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کریں۔ فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۔۔۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُسی کے مطابق جو اُس نے اُن کو دیا ہے۔

اللہ کریم کسی کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جس کے کرنے کی اُس میں طاقت نہ ہو۔ کسی پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتے جس کو اٹھانے کی اُسے طاقت نہ دی ہو۔ جو کام کوئی کر نہیں سکتا اس کا وہ مکلف ہی نہیں ہے لہٰذا جتنی کسی کی حیثیت ہے، اتنا خرچ کرے۔ فرمایا: سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراخی بھی بخشے گا۔ فرمایا، حالات سدا ایک سے نہیں رہتے، وہ قادر ہے غریب کو امیر بھی کرسکتا ہے۔ فقیر کو بادشاہ بنا سکتا ہے، بیمار کو صحتمند بھی کرسکتا ہے۔ اپنے پروردگار سے ہمیشہ بھلے کی امید رکھنی چاہیے۔

نکاح اور طلاق کی شرعی حیثیت اور چند مروجہ غلطیاں:

اسلامی نقطہءنظر سے نکاح ایک عبادت ہے اور بہترین بات تو یہ ہے کہ نکاح کو نبھایا جائے چونکہ نکاح کی شرائط میں ہے، فرمایا: مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (المآئدہ:5) تم ان کو بیوی بناؤ صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو۔

نکاح عمر بھر نباہ کرنے کے لیے کیا جائے کہ اللہ کے نام پر ایک خاتون، ایک مرد، ایک دوسرے پر حلال ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ معاہدہ عمر بھر کے لیے ہے۔ جو نکاح وقتِ معینہ کی تعین کر کے کیا جائے کہ یہ ایک دن یا دو دن کے لیے ہے یا چند گھنٹوں کے لیے ہے تو ایسا نکاح باطل ہے۔ یہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ فقہ میں یہ اصول درج ہے۔ اسی نکاح کو متعہ کہا گیا ہے جو بعض گمراہ فرقوں نے اختیار کیا ہے لیکن قرآن، حدیث، سنّت، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ نکاح یوں تو عمر بھر کے لیے ہے لیکن انتہائی مجبوری کی صورت میں اگر نباہ کرنے اور اکٹھا رہنے کی کوئی صورت نہ رہے تو طلاق کی نوبت آتی ہے۔ سب سے پہلے خاتون اور مرد کے خاندان کے بزرگ اکٹھے ہو کر صلح کی کوشش کریں جو غلطی پر ہو اُسے سمجھایا جائے اور سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی اگر کوئی صلح کی راہ نہ ہو تو پھر اچھے طریقے سے طلاق دے دی جائے۔ یہ طریقہ پہلے گزر چکا مختصراً پھر عرض ہے کہ خاتون جب پاک ہو غسل کر لے تو اُسے ایک طلاق دے دی جائے اور ایک ہی کافی ہے۔ اس پر تین طہر گزر جائیں تو عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر اس دوران سمجھوتے کی کوئی صورت نکل آئے تو آپس میں صلح کر سکتے ہیں، رجعت ہو جائے گی۔ اگر صلح کا ارادہ نہیں تو عدت مکمل کرنے پر وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق کے شرعی طریقے میں دونوں کے لیے اللہ نے بہت سی آسانیاں رکھی ہیں، جیسے عدت گزارنے کے بعد پھر میاں بیوی میں صلح ہو جائے تو آپس میں پھر سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اگر دو طلاقیں بھی ہو جائیں یعنی دوسرے طہر میں ایک اور طلاق دے دی پھر بھی یہ رعایت باقی ہے کہ عدت گزرنے کے بعد آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات بچوں کی خاطر ماں باپ صلح کر لیتے ہیں لیکن اگر تین طلاقیں دے دی جائیں خواہ ہر طہر کے بعد یا ایک ہی بار دے دے تو پھر رجعت نہیں ہو سکے گی۔ ایک ہی بار تین طلاقیں دینا گستاخی ہے نافرمانی ہے لیکن طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کرنے کے بعد پھر لوگ پچھتاتے ہیں اور فتوے لیتے پھرتے ہیں۔ اپنے بیان بدلتے ہیں، کہتے ہیں ہم نے نہیں دی۔ اس طرح کے بہانے دنیا میں تو چل سکتے ہیں اور جھوٹ بول کر فتویٰ حاصل کر سکتے ہیں لیکن قیامت کو کیسے بچیں گے۔ یاد رہے دین پر عمل دنیوی فائدہ یا نقصان دیکھ کر نہیں کیا جاتا۔ دین میں دونوں جہانوں کا فائدہ ہے اور آخرت مقدم ہے۔

تین طلاقوں کے بعد عدت گزار کر عورت اگر دوسری شادی کرلے اور زندگی بھر نبھانے کے ارادے سے کرے اور پھر اگر وہ شوہر فوت ہوجائے یا اس سے ناچاقی ہوجائے اور نباہ کرنے کی کوشش کے باوجود طلاق ہوجائے تو پھر اس کی عدت گزارے۔ اس عدت گزارنے کے بعد اگر وہ چاہے تو اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔ یہ شرعی حلالہ ہے۔

افسوس کہ قرآن کی اس شرط کو لوگوں نے غلط انداز دے دیا ہے پہلی بات تو یہ کہ یکبارگی تین طلاقیں دے کر ظلم کرتے ہیں پھر شام کو خاتون کسی کے ساتھ نکاح کر کے رات اس کے ساتھ گزارتی اور صبح اس سے طلاق لے لیتی ہے۔ یوں اپنی طرف سے شرط پوری کر کے کہا کہ نکاح ہوگیا پھر طلاق بھی ہوگئی اور پھر واپس پہلے شوہر سے نکاح کرلیا، جسے عرفِ عام میں حلالہ کہتے ہیں۔ یہ طریقہ شرعاً حرام ہے اور یہ زنا ہے۔ چونکہ نکاح کی شرائط میں سے ہے کہ یہ عمر بھر کے لیے کیا جائے محض شہوت رانی کے لیے نہیں۔ ایک رات یا دس دن کے لیے نکاح کرنے کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ قبلِ اسلام مشرکینِ عرب میں رائج تھا اور چونکہ ان میں کچھ آثار دینِ ابراہیمی کے باقی تھے تو ہوسکتا ہے اُس میں یہ قاعدہ ہو۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بہرحال شرعی حلالہ یہ ہے کہ عورت پہلی عدت گزار کر دوسری شادی کرے۔ اُسے عمر بھر کے لیے نبھانے کا ارادہ رکھے اور نبھائے۔ اگر وہ شوہر فوت ہوجائے یا کسی اور وجہ سے طلاق ہوجائے یعنی طلاق اس لیے نہ لے تاکہ پہلے شوہر سے شادی ہوسکے بلکہ کوئی اور وجہ ہو۔ وہ پھر عدت گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے شادی کرسکتی ہے۔

یہ جو طریقہ ہے کہ ایک رات یا دو دن کے لیے نکاح کیا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ یہ حرام ہے اور زناکاری ہے۔ آج کل بعض تو جوان لڑکے لڑکیاں کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے، ہم نے آپس میں نکاح کرلیا ہے۔ اللہ تو ہر چیز کا گواہ ہے لیکن نکاح کے لیے کم از کم دو گواہ ہونے چاہیے۔ چونکہ نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے صرف اس پر دو گواہ چاہئیں باقی خطبہ مسنون ہے اور برکت کے لیے ہے، نکاح اس کے بغیر بھی ہوجاتا ہے۔ اس طرح معاشرے سے بھاگ کر نامناسب طریقوں سے نکاح کرنا بہت سی برائیوں کا سبب بنتا ہے۔

سورۃ الطلاق رکوع 2 آیات 8 تا 12

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ
وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿8﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا
خُسْرًا ﴿9﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿10﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿11﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿12﴾

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کا حکم ماننے
سے انکار کیا تو ہم نے ان سے بڑا سخت حساب لیا اور ہم نے ان کو بڑی سخت سزا
دی ﴿8﴾ غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام نقصان ہی
ہوا ﴿9﴾ اللہ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اے سمجھ رکھنے والو!
جو کہ ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو بے شک اللہ نے تمہارے پاس نصیحت (کی
کتاب) بھیجی ہے ﴿10﴾ (اور اپنے) ایک ایسے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے
ہیں) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھتے ہیں تا کہ جو لوگ ایمان لائے
اور نیک کام کرتے رہے ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئیں اور جو

شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا وہ اس کو باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے ان کو خوب رزق عطا فرمایا ہے ﴿۱۱﴾ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور ویسی ہی زمین اور ان سب میں (اللہ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ میں لے رکھا ہے ﴿۱۲﴾

تفسیر و معارف

اللہ اور اللہ کے پیغمبروںؑ کے نافرمان ہمیشہ زیرِ عتاب آئے:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کا حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم نے ان سے بڑا سخت حساب لیا اور ہم نے اُن کو بڑی سخت سزا دی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسی عظیم ہستی ہوتی ہے ایک ایسا نورانی وجود، ایک ایسا پاکیزہ بشر جس کی بشریت بھی لطیف تر ہوتی ہے اور جو فرشتوں سے بھی پاکیزہ تر ہستی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کلامِ الٰہی کو براہ راست سننے کی استعداد ہوتی ہے اور اللہ کریم اسی ہستی کے ذریعہ لوگوں سے خطاب فرماتے ہیں۔ انبیاؑ کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اللہ براہ راست اس سے مخاطب ہوں اور نہ ہی کسی میں یہ سننے کی استعداد یا ہمت ہے۔ تجلیاتِ باری کو برداشت کرنے کے لیے ایسی استعداد چاہیے جو صرف نبیؑ کو دی جاتی ہے اور تخلیقاً دی جاتی ہے۔

فرمایا، پہلی قوموں کے حالات پر نگاہ کرو اور دیکھو کہ جب اُن تک انبیاؑ نے اللہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اُن کے حالات دیکھو جنہوں نے انبیاؑ کے بتائے ہوئے راستے کو ٹھکرا دیا تو اُن کا انجام کیا ہوا۔ وہ سخت گرفت میں پکڑے گئے اور اُنہیں ایسے عذاب دیے گئے جو اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ قوموں پر بادلوں سے آگ برسی، آسمان سے پتھر برسے تو کیا کبھی کسی نے سوچا ہے کہ بادل سے پانی کی بجائے آگ برسے گی یا آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے! جن لوگوں کو ابابیلوں نے کنکریاں گرا کر تباہ کر دیا، کیا انسانی دماغ یہ سوچ سکتا ہے کہ ابابیل جیسا چھوٹا پرندہ ایک ایسا ایٹم بم گرا دے جو ہاتھی پر گرتے ہی اس کے وجود کے آر پار ہو جائے، جس

بندے کے سر پر لگتے ہی پاؤں سے جا نکلے اور چند لمحوں میں ہر چیز کا کچومر بنا دے۔ کبھی کسی نے سوچا تھا کہ تنوروں سے بھی چشمے اُبل پڑیں گے! فرمایا: وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ھود:40) اور تنور سے بھی پانی جوش مارنے لگا جب زمین کو اللہ کریم نے حکم دیا تو اس طرح زمین نے پانی چھوڑا۔ سو فرمایا، جو نافرمان لوگ تھے ان پر ایسے عذاب نازل کیے گئے جن کے بارے میں کبھی کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا: فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور اُن کا انجام نقصان ہی ہوا۔

انبیاؑ کے احکام کا انکار کرنے والوں کو شدید عذابوں سے تباہ کیا گیا اور دنیا میں انہوں نے اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھا۔ جب عذابِ الٰہی آتا ہے تو انسان اس کی شدت کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے۔ پھر یہی نہیں کہ انہوں نے دنیا میں اس کا مزہ چکھا اصل مصیبت تو یہ ہے کہ اُن کی آخرت بھی برباد ہوگئی۔ دنیا کی ہر مصیبت موت آنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی بیمار تھا، کسی کو زخم لگے کسی کو آگ میں پھینکا گیا تو اُسے صرف مرنے تک تکلیف ہوگی، مر گیا تو جلنے کا احساس ختم ہو جائے گا۔ اصل مصیبت تو یہ ہے کہ نافرمان لوگ مر کر اس سے بڑی مصیبت میں پڑ گئے کہ اُن کی آخرت تباہ ہوگئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

فرمایا: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۔۔۔ اللہ نے اُن کے لیے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا، ان لوگوں کے لیے دنیا کے عذاب ہی نہیں ہیں بلکہ اصل مصیبت یہ ہے کہ ان کی آخرت بھی تباہ ہوگئی۔ آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ نے شدید عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

دانشمندی کا تقاضا:

ماضی ہمیشہ عبرت کا سامان ہوتا ہے اور یہ سبق دیتا ہے کہ کس کام کا کیا انجام ہوتا ہے۔ فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ تو اے سمجھ رکھنے والو! جو کہ ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو۔

جن اقوام نے اللہ کے احکام کی پروا نہ کی اور مرد و زن کے تعلقات کو محض شہوت رانی کے لیے اُن کی پسند پر چھوڑ دیا وہ دنیا میں بھی اللہ کے عذاب کا شکار ہوئے۔ معاشرے اور خاندان تباہ ہو گئے، عزت و وقار ختم ہو گیا اور آخرت میں بڑے عذابوں میں ڈالے جائیں گے۔ چنانچہ عقلمند لوگوں کو چاہیے یعنی وہ دانشمند لوگ جو اللہ پر ایمان

رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ اللہ سے اپنے تعلق کو بگڑنے نہ دیں۔ فرمایا اگر تم باشعور ہو تو پھر اللہ سے اپنا رشتہ نہ بگاڑو کہ وہ تمہارا مالک ہے رازق ہے اس کی اطاعت کرو۔ تم صاحب دانش ہو تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ پھر اپنے مالک سے دشمنی مول نہ لو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو کہ دعوئ ایمان بھی ہو اور نافرمانی بھی کرو۔ یہ کون سی مسلمانی ہے کہ کلمہ بھی پڑھتے ہو اور جھوٹ بھی بولتے ہو، چوری بھی کر لیتے ہو سود بھی کھا لیتے ہو! یہ کیسا ایمان ہے! دانشمندی تو یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ پھر اطاعت کا حق ادا کرو تا کہ تمہارا ایمان ثابت ہو۔ تمام معاملات نکاح اور طلاق سمیت ان طریقوں کے مطابق انجام دو جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا نکاح، تمہاری طلاق عذاب الٰہی کا سبب بن جائے۔ یہ ایسے کام ہیں کہ اگر کسی نے ناجائز طریقے سے نکاح کر لیا، جھوٹ بول کر غلط بیانی سے علما سے فتویٰ بھی لے لیا تو وہ قیامت میں کام نہیں آئیں گے۔ دنیا میں تو شاید لوگوں کا منہ بند کرا سکو لیکن آخرت میں بڑا شدید عذاب ہوگا۔ دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔

ایک زمانہ تھا جب ہمارے معاشرے میں اگر کوئی طلاق کے بعد غلط طریقے سے پھر سے نکاح کرتا تو لوگ اس سے قطع تعلق کر لیتے تھے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ پھر لوگ ایسا غلط کام کرنے سے گریز کرتے تھے۔ آج ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جس میں برائی کرنے والوں کی زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ لوگ بدمعاشوں سے ڈر کر اُن کی عزت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا فرمایا، اَنْ یُّکْرَمَ الرَّجُلَ مَخَافَةَ شَرِّہٖ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی) فرمایا لوگوں کی عزت ان کی برائی اور شر سے بچنے کے لیے کی جائے گی۔ معاشرے میں صاحب علم اور نیک لوگوں کی کوئی عزت نہیں کرے گا اور جو بدمعاش چورا چکے ہوں گے اُن کے شر سے بچنے کے لیے لوگ اُن کی تکریم کریں گے۔ بدقسمتی سے آج ہم اسی دور میں زندہ ہیں جہاں بے دینوں کی عزت ہے۔ بہر حال مومنوں کو ہر حال میں اللہ جلّ شانہٗ سے اپنا بندگی کا تعلق قائم رکھنا ہے۔

مجسم ذکر صلی اللہ علیہ وسلم اور برکاتِ رسالت:

بھلا یہ تعلق تم کیسے قائم نہیں رکھ سکتے جبکہ فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ بے شک اللہ نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے۔ (اور اپنے) ایک ایسے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے ہیں) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھتے ہیں تا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے رہے ہیں اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔

فرمایا، اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تمہیں اپنی کتاب عطا فرمائی ہے جو اللہ کا ذکر ہے۔ فرمایا: ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔۔۔ اللہ نے تمہارے پاس اپنا وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جس کی ہر ادا ذکرِ الٰہی ہے۔ یہاں وجود باجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا ذکر کہا گیا۔ مفسرینِ کرام نے اس ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔۔۔ سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسمِ ذکر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ذکر کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہیں تھا۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسمِ ذکر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو جوتا مبارک استعمال فرماتے وہ جوتا ذاکر ہو جاتا۔ جو لباس زیب تن فرماتے وہ لباس ذاکر ہو جاتا۔ زمین پر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک رکھتے وہ ذراتِ خاک ذاکر ہو جاتے۔ ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جو سراپا ذکر ہے، جو مجسمِ ذکر ہے۔ جس کے وجودِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر ایٹم ذاکر ہے۔ جسے چھو لیتا ہے، جسے پہن لیتا ہے وہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ عالی جہاں تک فضاؤں پر پڑی وہ فضائیں ذاکر ہو گئیں۔ اللہ کریم قلب کی نگاہ عطا فرمائیں تو عرب میں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستے میں جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے آج بھی وہ جگہیں زمین میں ایسے نظر آتی ہیں جیسے آسمان میں ستارے اور فضاؤں تک میں انوارات ہیں۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک گئی، فضاؤں کو قیامت تک کے لیے منور کر گئیں۔ اللہ کی کتاب جو اللہ کا ذکر ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہی بندے اور اس کے ربّ کے درمیان واحد واسطہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اللہ کا ذکر ہے۔ نکاح، طلاق ہو، صلح جنگ ہو، میل جول ہو، خرید و فروخت کے معاملات ہوں، معاشرت ہو، عدالت ہو، سیاست ہو ہر ادا میں اللہ کا ذکر موجود ہے۔ تم ایسے سراپا ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو کر ذکر سے کیسے غافل ہو گئے، اللہ کی اطاعت کیسے چھوڑ دی! تم ایمان کے مدعی ہو، تم نے دامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھام رکھا ہے تو پھر تم اتنی جرأت کیسے کرتے ہو کہ اللہ کے حکم کے خلاف نکاح کرتے ہو اور طلاق دیتے ہو۔ تم اتنی انمول دولت کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے لگ جاؤ گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کا تو یہ عالم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ عام دے رہے ہیں۔ فرمایا: يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھتے ہیں تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغام دے رہے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے۔ جو کچھ فرماتے ہیں وہ قرآن ہو یا حدیث سب اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کے بندو، اللہ کے رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اللہ واحد ولاشریک کی باتیں سنا رہے ہیں تو تمہیں چاہیے کہ اطاعت کرو۔ پھر وہ ایسے کریم ہیں کہ صرف آیات نہیں سناتے بلکہ اُن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات یہ ہیں کہ جو دامن تھام لیتا ہے اسے اندھیروں سے اچک کر روشنیوں میں، نور میں پہنچا دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو ایمان لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کفر کی ظلمت سے، شرک کی ظلمت سے، نافرمانی سے نکال کر نور میں لے آئے۔ ایمان یہ ہے کہ تاریکیاں اور ظلمتیں مٹتی جائیں اور بندہ روشنی کی طرف سفر شروع کر دے۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہیں۔ فرماتے ہیں، جو اس طرف سفر شروع کر دیتا ہے کہ برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف چل پڑے تو میں اس کی بخشش کا سامان بھی کر دیتا ہوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصبِ عالی یہ ہے کہ جو دامن تھام لے اس کا سفر تاریکی سے گناہ سے نیکی اور نور کی طرف شروع کرا دیتے ہیں۔ کیسے خوش نصیب لوگ تھے صحابہ کرامؓ کہ اُنہوں نے سفر نہیں کیا بلکہ تاریکی سے نور میں چھلانگ لگائی۔ وہ ایمان لائے کلمہ پڑھا اور ساری پچھلی بات ختم ہوگئی اور ایک نیا بندہ وجود میں آ گیا۔ جو جتنا بدل جاتا ہے اتنا ہی مقربِ الٰہی ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لیے بھی رعایت رکھی ہے کہ کم از کم گناہ چھوڑ کر نیکی کی طرف چل تو پڑے ایک ایک کر کے گناہ ترک کرتا جائے اور روشنی کی طرف سفر شروع کر دے۔

ہر بندہ جو ایمان لائے، ذکر شروع کرے تو پہلے ہی دن بایزید بسطامیؒ نہیں بن جاتا بلکہ دیکھا یہ جائے کہ اگر ذکر سے پہلے سو گناہ کرتا تھا، اب ننانوے کر رہا ہے تو سفر شروع ہو گیا ہے۔ اللہ کریم توفیق دیں تو آہستہ آہستہ سارے چھوٹ جائیں گے۔ انسان مشین تو نہیں ہے کہ ایک پرزہ نکال کر نیا لگا دیا۔ انسان بدلتے بدلتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی کا مقصد ہی یہ ہے کہ تمہیں اللہ کا پیغام پہنچائیں اور تمہیں ظلمت سے نور کی طرف لے کر آئیں تم دامن تھامو تو سہی۔ ہر مسلمان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے لیکن اس کے ساتھ ہم من مانی بھی کرتے ہیں۔ ہم اطاعت کیوں نہیں کرتے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک تو ایسی کامل ہستی ہیں کہ اُن سے محبت ہی کی جاسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب مسجد نبوی کی چھت ڈالی گئی تو وہ ستونوں پر لکڑیاں رکھ کر اور اوپر کھجور کے پتے ڈال کر مٹی ڈال دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں محراب کے پاس ایک خشک لکڑی کا ستون تھا کھجور کا تنا تھا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ فرماتے تو ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ ہر چیز کا نام رکھتے، تلواروں کا، نیزوں کا، جانوروں کا ستونوں کا، سب کا نام رکھتے۔ اس ستون کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنانہ کا نام دیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کے خطبے میں اور کبھی ویسے بات ہوتی تو لوگوں کو مسجد میں بلا کر ارشاد فرماتے اور اتنی دیر ستونِ حنانہ سے ٹیک لگا لیتے۔

کسی صحابیؓ نے عرض کی کہ اُنہوں نے کسی ملک میں بادشاہ کو ایک خاص طرز کی کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھا دیکھا ہے۔اگر اجازت دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی منبر بنا دیا جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا۔جب منبر بن گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور وہ ستونِ حنانہ تقریباً دو فٹ دور رہ گیا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ شروع فرمایا تو حدیث شریف میں موجود ہے کہ ستونِ حنانہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رونا شروع ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ایسی تھی کہ خشک لکڑی میں عشق ومحبت پیدا ہو گئی کہ وہ ذرا سی جدائی برداشت نہ کرسکا اور انسانوں کی طرح دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔اس کا رونا تمام حاضرینِ محفل نے سنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور ستون پر ہاتھ مبارک پھیرا اُسے شفقت سے گلے لگایا تو وہ بچوں کی طرح آہستہ آہستہ چپ ہوا۔اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ تمہیں جنت میں لگا دیا جائے گا۔آج ہم دعویٰ تو محبت کا کرتے ہیں لیکن یہ کیسی محبت ہے جو ہمیں ہر کام میں نافرمانی بھی کرنے سے نہیں روک پاتی! محبت تو یہ ہے کہ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ (قول امام شافعیؒ) یعنی محبت کا اصول یہ ہے محبت کرنے والا محبوب کا تابعدار بن جاتا ہے،ہم کیسے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدعی ہیں کہ اپنی مرضی سے زندگی کے امور طے کرتے ہیں! یاد رکھو مرضی کرنے والوں کی بات نہیں چلے گی،اطاعت کرنی ہوگی۔

ایمان اور اعمالِ صالح جنت میں لے جائیں گے:

فرمایا: وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا۔۔۔اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا وہ اس کو باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

فرمایا،جو بھی اللہ پر ایمان لائے گا اور احکامِ الٰہی کا پابند ہو جائے گا۔یہ بات بہت نازک اور لطیف تر ہے کہ یہاں ایمان بمقابلہ نافرمانی لگایا گیا ہے۔گویا ایمان کا تقاضا اطاعت ہے اور نافرمانی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی ہے۔فرمایا،جس کا ایمان اللہ کے ساتھ ہے وہ نافرمانی سے بچتا ہے اپنی مرضی نہیں کرتا بلکہ اطاعت اختیار کرتا ہے اور اس کا کردار صالح ہو جاتا ہے۔اس سے غلطی ہو جائے تو توبہ کرتا ہے،نیک کام کرتا ہے۔اللہ اس کو دنیا کی سرفرازی کے ساتھ آخرت میں جنت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

فرمایا: قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا⑪ بلاشبہ اللہ نے ان کو خوب رزق عطا فرمایا ہے۔

اطاعت گزاروں کے لیے اللہ نے ہر نعمت ہی خوبصورت بنا دی ہے۔ دنیا میں، قبر میں، برزخ میں، آخرت میں ہر جگہ انہیں بہترین نعمتیں نصیب ہوں گی۔ اللہ نے اُن کے لیے خوبصورت رزق رکھا ہے اور ایسی نعمتیں رکھی ہیں جن کے متعلق انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ جو برائی چھوڑ کر نیکی کی طرف چل دے تو وہ بخش دیتا ہے۔ خواہ اس سے ساری برائی چھوٹی نہ ہو اور موت آجائے تو یہ نیکی کی طرف سفر بھی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ ساری برائی چھوڑ دے تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

یہ اعزاز صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کو حاصل تھا کہ جب کلمہ پڑھا تو جیسے رات سے سورج کی روشنی میں آ گئے اور پھر اندھیرے کا کوئی تصور نہ رہا۔ ہم جیسوں کے لیے بھی اللہ نے یہ رعایت رکھی ہے کہ برائی چھوڑ کر عملِ صالح کی طرف چل پڑیں تو بخشش سے نوازیں گے اور جنت میں داخل کریں گے جہاں خوبصورت نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کی ایک مثال ہے کہ وہ کیسی ہوں گی یہ ہے کہ جنتی اپنے محل میں سیر کر رہا ہوگا اور اُسے اوپر کی منزل میں جانے کا خیال آئے گا تو بظاہر وہاں کوئی سیڑھی نہیں ہوگی۔ جب وہ ارادہ کرلے گا اور قدم اٹھائے گا تو آگے سیڑھی بن جائے گی۔ اس پر قدم رکھے گا تو دوسری بن جائے گی۔ جتنا اوپر چڑھتا جائے گا، سیڑھی بنتی جائے گی، پچھلی ختم ہوتی جائے گی۔ اب واپس آنے کا ارادہ کرے گا تو جہاں قدم رکھتا جائے گا سیڑھی بنتی جائے گی۔

کچھ لوگوں کے لیے ایسا اہتمام ہوگا کہ ایک سیڑھی پر قدم رکھیں گے تو وہ انہیں اٹھا کر اوپر چھوڑ آئے گی۔ کچھ اس سے بھی زیادہ نوازے جائیں گے کہ اوپر جانے کا سوچیں گے ہی تو ابھی سوچ ختم نہیں ہوگی کہ خود کو اوپر کھڑا پائیں گے۔ وہاں کی نعمتیں اتنی خوبصورت ہوں گی کہ یہاں اُن کا اندازہ کرنا مشکل ہے!

اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ:

انسان دنیا میں بااثر آدمی سے تعلق بنانا چاہتا ہے، کسی امیر آدمی یا عہدیدار آدمی سے چاہتا ہے کہ تعلقات استوار ہو جائیں لیکن عظمتِ الٰہی سے غافل رہتا ہے۔ اُس ذات سے تعلق بنانے میں کیسے غفلت کرتا ہے جس کی عظمت کا یہ عالم ہے، جو ایسا قادر ہے کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔۔۔ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور ویسی ہی زمین۔

وہ ایسا قادر ہے کہ جن چیزوں کا لالچ کر کے تم نافرمانی کرتے ہو وہ اسی کی تخلیق ہیں۔ وہ کریم تمہیں اطاعت پر ان سے زیادہ خوبصورت چیزوں کا وعدہ فرماتا ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ ہے اس نے سات آسمان اور ایسی ہی سات

زمینیں بنائیں۔جس چھت کے نیچے انسان زندہ ہے، وہ سات آسمان ہیں اور اسی خالقِ کائنات نے سات زمینیں بھی پیدا فرمائیں۔علما اس پر بحث فرماتے ہیں کہ یہ سات زمینیں تہہ در تہہ ہیں یا یہ سات بَرِاعظم ہیں۔دونوں طرف علما کی آرا ہیں لیکن قرآن نے اسے مبہم رکھا ہے لہٰذا اس کو متعین کرنا مناسب نہیں ہے۔اگر یہ سات بَرِاعظم ہیں تو بھی حق ہے اور اگر تہہ در تہہ ہیں تو بھی حق ہے۔اللہ کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی اور جو بات انسانوں کے لیے جاننی ضروری نہیں ہوتی اس کی وضاحت نہیں کی جاتی۔اس بات پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اس پر بحث کر کے جاننا ضروری نہیں ہوتا۔

وہ عظیم خالقِ کائنات جس نے سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے سب بنایا، کیا تم اس عظیم ذات سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے! اس اللہ کی نافرمانی کرتے ہو، فرمایا: يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔۔۔اور ان سب میں (اللہ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کائنات میں ہر چیز پر اللہ ہی کا حکم جاری ہے۔ہر پھل اسی کے حکم سے پکتا ہے، ہر دانہ اسی کی قدرت سے بنتا ہے۔اسی کے حکم سے ہر غذا طاقت اور ہر دوا شفا دیتی ہے۔کائنات میں کوئی چیز اس کی مخالفت نہیں کر سکتی کہ وہ قادرِ مطلق ہے اور اس کا حکم ہر چیز پر اس لیے بھی جاری ہے کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی نہیں جا سکتا۔اس خالقِ کائنات اور مخلوق کے درمیان اب واحد واسطہ وہ عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو سراپا ذکر ہے۔اس ہستی کا دامن تھام کر، اُس سے جڑ کر دیکھو تمہیں کیا ملتا ہے۔ایک خشک لکڑی اگر حیات آفرین ہوگئی تو انسان کیسے غافل رہ سکتا ہے! اس کے ذرّاتِ خاکی اللہ اللہ کیوں نہیں کرتے اس کے خون میں اللہ کا نام کیوں نہیں دوڑتا! اس کی رگوں میں حیات کیوں نہیں دوڑتی! انسان ہو کر اس کا دل کیوں مردہ رہ جاتا ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچایا، یہ قرآن اور شریعت اللہ کے احکام ہیں اور یہی راستہ نور کی طرف جاتا ہے۔وہ مالک ہے اسے حق ہے جو چاہے حکم دے لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے جیسا تمہیں مزاج دیا ہے اس کی مناسبت سے دین عطا فرمایا ہے۔ہر کام جو دین کے خلاف کیا جائے وہ انسانی مزاج کے بھی خلاف ہے لہٰذا وہ کرنے والے کے لیے دکھ کا باعث بنتا ہے۔اس طرح قمیض تن ڈھانپنے کے لیے ہے اگر پہننے والے اسے الٹا لیں، اندر کی طرف باہر اور باہر کی طرف اندر کر کے پہن لیں تو گو وہ تن تو ڈھانپ لے گی سردی گرمی سے بچائے گی لیکن زینت نہیں رہے گی۔لباس کا ایک مقصد زینت بھی ہے جو پورا نہیں ہوگا اور وہ بدنما ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر تم خلافِ شریعت دولت کما لو گے تو وہ مفید نہیں ہوگی بلکہ بدنما ہو جائے گی۔ میدانِ حشر میں دور سے پہچانے جاؤ گے کہ یہ الٹی قمیض والا، بدنما شخص ہے۔ دنیا میں کبھی کوئی ایسا نہیں کرتا، کبھی دایاں جوتا تک بائیں پاؤں میں نہیں پہنتا تو پھر تم آخرت سے اتنے لاپروا کیسے ہو گئے کہ جو جی چاہے کرتے ہو! یہ درست نہیں ہے اور یہ جان رکھو کہ بعثتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، نزولِ قرآن، رحمتِ الٰہی کے کرشمے یہ سب دلائل ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں اور ہر آن، فرمایا: وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

اللہ کریم ہر چیز کے ہر حال میں ہمہ وقت آگاہ ہیں کہ ہر ذرّے کو پیدا فرما رہے ہیں ہر تنکے کو، ہر پتے کو بارش کے ایک ایک قطرے کو، سمندر سے بھاپ اور بھاپ سے بادل پھر بادل سے پانی برسا رہے ہیں۔ ہر چیز کے ہر حال سے واقف ہیں تو یاد رکھو تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے سامنے کر رہے ہو۔ یہ احساس رکھو کہ تمہارا ہر قول، ہر فعل اور ہر سوچ ربِّ کریم کے روبرو ہے۔ نکاح وطلاق کے معاملات ہوں یا رشتہ داروں سے تعلقات ہوں، اہلِ محلہ سے لے کر قومی، بین الاقوامی بات ہو جو کام کوئی کر رہا ہے وہ اللہ کریم کے روبرو کر رہا ہے اور اُسے ایک دن اللہ کے سامنے حساب دینا ہے۔ یہ انداز غلط ہیں کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں نمازیں بھی پڑھیں گے روزے بھی رکھیں گے لیکن نظامِ حیات میں، معاملات میں من مانی کریں گے۔ اسے قرآن نے نفاق کہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ دین کا مدار ہی معاملات پر ہے۔ اگر معاملات بگڑ گئے تو دین کہاں بچے گا، عبادت تو رسم رہ جائے گی۔ نماز، روزہ، حج، عمرہ سب رسماً ادا ہوں گے۔ معاملات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ بندہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ مومن کے لیے قرآن وسنت کے بعد کسی قانون، آئین ودستور کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ یہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے اور اسی میں فلاح ہے۔ ایمان اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا جائے، اطاعت کی جائے۔

سورۃ التحریم رکوع 1 آیات تا 7

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝٢ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا
نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا
نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝٣ اِنْ تَتُوْبَاۤ
اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ
وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝٤ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ
طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ
تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا
اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ
شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧

اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے آپ پر حلال فرمائی ہے اس کو اپنے لیے کیوں حرام فرماتے
ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱﴾
اللہ نے تم لوگوں پر تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر فرما دیا ہے اور اللہ (ہی) تمہارے
کارساز ہیں اور وہ باخبر (اور) حکمت والے ہیں ﴿۲﴾ اور جب پیغمبر نے اپنی ایک

بی بی سے ایک بات چپکے سے کہی (تو انہوں نے دوسری کو بتا دی)۔ پھر جب انہوں نے اس کو افشاء کر دیا تو اللہ نے اس سے ان (پیغمبر) کو آگاہ فرما دیا۔ انہوں (پیغمبر) نے (اس بی بی کو) کچھ بات تو بتائی اور کچھ نہ بتائی پھر جب انہوں نے ان کو جتائی تو کہنے لگیں آپ کو یہ کس نے بتایا؟ فرمایا مجھے اُس نے بتایا ہے جو جاننے والے خبر رکھنے والے ہیں ﴿۳﴾ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو بہتر ہے) کہ تمہارے دل مائل ہوئے ہیں اور اگر (اسی طرح) تم دونوں ان (پیغمبر) کے مقابلہ میں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو!) بے شک ان (پیغمبر) کے کارساز اللہ ہیں اور جبرائیلؑ اور ایمانوالے نیک بندے اور فرشتے اس کے بعد (آپ کے) معاون ہیں ﴿۴﴾ اگر وہ (پیغمبر) تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیبیاں عطا کرے، فرماں بردار، صاحبِ ایمان، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، بن شوہر اور کنواریاں ﴿۵﴾ اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (دوزخ) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تُند خُو، مضبوط فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اس کو بجالاتے ہیں ﴿۶﴾ اے کافرو! آج کے دن عذر مت کرو یقیناً تم کو اسی کا بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے ﴿۷﴾

تفسیر و معارف

سورۃ تحریم شروع ہوتی ہے۔ یہ مدنی سورت کہلاتی ہے۔ اس میں ایک اہم مسئلہ ارشاد ہوا ہے۔

ازدواجی زندگی کی نزاکتوں میں راہنمائی:

ازدواجی زندگی، میاں بیوی کی محبت اور ایک دوسرے کی چاہت سمیٹنے کا نام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پوری امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور ازواجِ مطہراتؓ دنیا کی بہترین خواتین، انتہائی محترم ہیں۔ ازدواجی

زندگی کی نزاکتیں بھی اپنی جگہ ہیں۔ ان کے بارے اللہ کریم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رہنمائی عطا فرما رہے ہیں اور ازواجِ مطہرات ؓ کی تربیت فرما رہے ہیں تاکہ امت کے لیے بہترین نمونہ عطا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی میں شہد ملا کر پینا بہت پسند تھا کیونکہ اللہ نے اس میں شفا رکھی ہے اور اس میں بے شمار بیماریوں کا علاج ہے۔ بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جن میں شہد ملا پانی پیا جائے تو طبیعت سنبھل جاتی ہے۔ دل پر جو بوجھ آجاتا ہے وہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سہ پہر میں اپنی ازواجِ مطہرات ؓ کے پاس باری باری تشریف لے جاتے تھے ایک دن ایک زوجہء مطہرہ ؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری زوجہء مطہرہ ؓ کے پاس گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں اور انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں ؓ نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ مغافیر شہد کی ایک قسم کی گوند ہوتی ہے جس میں ایک ناگوار بُو ہوتی ہے۔ اُن زوجہ مطہرہ ؓ نے دوسری زوجہ مطہرہ ؓ سے بھی بات کی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن ؓ کے پاس تشریف لائیں تو وہ ؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر پیا ہے اس لیے اس کی بُو آ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدبودار چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے تو جب ایک کے بعد دوسری زوجہء مطہرہ ؓ نے بھی یہی عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ آئندہ شہد نہیں پیا کریں گے۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۔۔۔ اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے آپ پر حلال فرمائی ہے اس کو اپنے لیے کیوں حرام فرماتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات ؓ کی خوشی اور رضامندی کی خاطر ایسی چیز کو اپنی ذات کے لیے کیوں ممنوع فرماتے ہیں جو اللہ نے حلال اور جائز قرار دی ہے؟

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات واجب الاتباع ہے۔ اگر حضور واقعی خود پر شہد حرام فرما لیتے تو قیامت تک کے لیے امت پر شہد حرام ہو جاتا۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ اس لیے اللہ کریم نے سارے واقعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ بھی فرما دیا اور راہنمائی بھی عطا فرما دی کہ بیویوں کی دلجوئی کی بھی ایک حد ہے جس چیز کو اللہ نے حلال فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو اس سے کیوں روکتے ہیں۔

لفظ حرام کے عربی میں لغوی معنی ہیں، منع کر دینا، روک دینا۔ عام عربی بول چال میں بھی ہر اس چیز کو حرام کہہ دیا جاتا ہے جس کا استعمال منع ہو۔ اصطلاحی معنی میں حرام سے مراد وہ چیز ہے جسے اللہ نے شرعاً ممنوع قرار دے

دیا ہو۔ اللہ ہر شئے کے خالق ہیں، مالک ہیں۔ چیزوں میں تاثیر بھی اللہ کریم نے خود پیدا فرمائی ہے۔ اور یہ آزمائش رکھی ہے کہ فلاں چیزیں استعمال کر سکتے ہو اور فلاں نہیں۔ جن کا استعمال منع فرمایا ہے اس کے لیے بھی حرام کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ قرآنِ حکیم کی اصطلاحات کا جاننا کم از کم علما حضرات کے لیے از بس لازم ہے۔ دورِ حاضر میں اداروں میں اس کا اہتمام الحمدللہ ہے لیکن میڈیا اکثر انہیں دعوتِ کلام دیتا ہے جن کا علم معیاری نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ایک معروف مولانا جو اسمبلی کے رکن تھے کو ایک ٹی وی مذاکرے میں بلایا گیا اور ان سے پوچھا کہ پتا ہے قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ شراب حرام ہے؟ قرآن میں چونکہ حرام کا لفظ شراب کے ساتھ نہیں آیا تو وہ اپنے ناقص اور غیر معیاری علم کی بناء پر جواب نہ دے سکے۔

قرآنِ حکیم میں شراب کے بارے اللہ کریم نے حرام سے زیادہ سخت لفظ استعمال فرمایا ہے۔ فَاجۡتَنِبُوا یعنی اس کے پاس سے بھی نہ گزرنا، اس سے دور رہو۔ علما نے اس اصطلاحِ قرآن کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسا سخت حرام ہے جس کے وسائل بھی حرام ہیں۔ اس غرض سے انگور بیچا جائے کہ اس سے شراب بنائیں گے تو وہ بیچنا حرام ہے۔ شراب بنانے پر جو مزدوری کرے اس کی اجرت، کمائی حرام ہے۔ کوئی شراب گاڑی پر لاد کر لے جائے، کرایہ وصول کرے، وہ کرایہ حرام ہے۔ یہ ایسا سخت ممنوع ہے کہ اس کے متعلقات اور اسباب تک (ممنوع) حرام ہیں۔

اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاملے میں نہ صرف راہنمائی فرمائی بلکہ قسم سے باہر نکلنے کا راستہ بھی سمجھا دیا۔ فرمایا: قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۲ اللہ نے تم لوگوں پر تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر فرما دیا ہے اور اللہ (ہی) تمہارے کارساز ہیں اور وہ باخبر (اور) حکمت والے ہیں۔ فرمایا، اگر ایسی بات پر قسم کھالی جائے جو مناسب نہیں تو وہ توڑ دینی چاہیے۔ اللہ نے فرض کر دیا ہے کہ کسی غلط بات پر قسم کھا بیٹھو تو اسے توڑ ڈالو اور اسے کے بدلے ایک غلام آزاد کرو یا دس کو کھانا کھلاؤ۔ یہ قسم توڑنے کا کفارہ ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام آزاد فرما کر قسم توڑ دی۔

فرمایا، اللہ ہی تم سب کا مالک ہے یعنی تمہاری زندگی کا مقصد اپنے مالک کی رضا جوئی ہے۔ اگر تم حلال کھاؤ گے تو اللہ کی رضا پاؤ گے اور اگر حرام کھاؤ گے تو اللہ کو ناراض کر دو گے۔ تمہارا معاملہ براہ راست اللہ سے بگڑ رہا ہو گا۔ اپنے مالک کے ساتھ رشتے کو ملحوظِ خاطر رکھو۔ وہ ہر بات جانتا ہے۔ جو تم سوچتے ہو، جو کرتے ہو سب اس کی ذات کے سامنے ہے۔ وہ حکمت والا ہے، تمہیں مہلت اور فرصت دے رہا ہے لیکن رشتے میں تعلق میں بال آجاتا ہے لہٰذا غذا

کے معاملے میں بھی حلال اور طیب چیزیں استعمال کرنی چاہییں۔ایک رواج ہو گیا ہے کہتے ہیں اسے یہ بیماری ہے اگر اسے شراب پلائیں گے تو یہ ٹھیک ہو جائے گا، یہ بالکل غلط ہے۔حرام چیزوں میں شفا نہیں ہے اور جن چیزوں میں شفا ہے اُنہیں اللہ نے حرام نہیں کیا۔ہر حرام چیز صحت کے لیے بھی مضر ہے۔

کاشانۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت:

اس واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی گئی اور یہاں مفسرینِ کرام نے ازواجِ مطہرات ؓ کے اسمائے گرامی بھی لکھے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ جب اللہ کریم نے ازواج مطہرات ؓ میں سے کسی کا نام نہیں لیا تو ہمیں بھی اُن کا نام لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔اس واقعہ میں ارشارۃً تو کہہ سکتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات ؓ میں سے کسی نے ایسا کیا لیکن نام نامی لینا ہرگز مناسب نہیں۔کوئی عالم ہو، مفسر ہو میں یا آپ ہوں کیا حق ہے کہ ہم اُن میں کسی کا نام نامی لیں جب اللہ نے قرآن میں نام نہیں لیا! یہ عظمتِ کاشانۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کا معاملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ؓ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو ہیں لہٰذا یہاں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

مفسرین نے اسمائے گرامی نقل کر دیے اور اسرار التنزیل میں کتابوں سے لے کر میں نے بھی نقل کر دیے، اللہ مجھے معاف فرمائے۔یہ درست نہیں ہے۔اللہ کریم اُن سب مفسرین کو معاف فرمائے جنہوں نے اسمائے گرامی لکھے ہیں۔

واقعہ اور اس کی بنیادی وجہ:

اللہ کریم نے آگے وہ واقعہ بیان فرما دیا جس کی اصل بنیاد یہ تھی کہ بیویوں کی اپنے خاندوں سے بے تکلفی ہوتی ہے اور ہر بیوی یہ چاہتی ہے کہ خاوند میری ہر بات مانا کرے۔بیوی کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کرے، پیار سے منائے یا ضد سے، اصرار سے منائے لیکن خاوند میری بات مانا کرے۔

فرمایا: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا۔۔۔اور جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بات چپکے سے کہی (تو انہوں نے دوسری کو بتا دی)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قسم کھالی کہ اب آئندہ شہد نہیں پئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن زوجۂ مطہرہ ؓ کے سامنے قسم کھائی اُن کو منع فرمایا کہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔اُن زوجہ مطہرہ ؓ نے ایک دوسری زوجۂ مطہرہ ؓ سے بات کر دی اور اُن ؓ سے کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن ؓ کے پاس تشریف لائیں تو وہ ؓ بھی یہی کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے مغافیر کی بُو آتی ہے تا کہ اس سے بات میں پختگی آجائے۔اللہ کریم نے بذریعۂ وحی سارا معاملہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔فرمایا: فَلَمَّا

نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔۔۔ پھر جب اُنہوں نے اس کو افشاء کر دیا تو اللہ نے اس سے ان (پیغمبر) کو آگاہ فرما دیا۔

اللہ کریم نے اس پر بڑی گرفت بھی فرمائی کہ آپؓ کے خاوند صلی اللہ علیہ وسلم عام خاوند نہیں ہیں یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور واجب الاتباع ہیں۔ جو بھی یہ کریں گے وہی راہِ عمل قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے لیے متعین ہو جائے گی۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہٰذا آپؓ ان سے اپنی بات نہیں منوا سکتیں بلکہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننی ہوگی۔ جس زوجہء مطہرہؓ نے بھی یہ کیا تھا اُنہوں نے دراصل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مجبور ہو کر ایسا کیا تھا کہ اُنؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ محبت کریں لیکن محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرنا حرام ہے۔ عشق و محبت میں بھی کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔ جب یہ تنبیہ ازواجِ مطہراتؓ سے ہو رہی ہے تو پھر جو رویہ آج ہم نے محبت اور خوشی کے نام پر اپنا رکھے ہیں، جو جشنِ میلاد بنا لیے ہیں ان کا کیا عالم ہوگا! محبت میں تو مزید اطاعت کی ضرورت ہے نافرمانی کی گنجائش تو نہیں ہے۔ اگر آپ محبت کے نام پر بھی نافرمانی کریں گے تو وہ قابلِ گرفت ہوگی اور آپ اللہ کریم کی گرفت میں آجائیں گے۔

بہر حال بات پیار میں، میاں بیوی کی تھی اور زیادہ محبت پانے کے لیے تھی۔ میرا ذاتی تجزیہ یہ ہے کہ اگر ہم محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلطی بھی کرتے ہیں تو وہ درست نہیں ہے غلط ہے لیکن اگر واقعی محبت میں کرتے ہیں تو اللہ کریم اصلاح کا موقع دے دیتے ہیں۔ جیسے یہاں ازواجِ مطہراتؓ نے محبت میں کی لیکن اللہ کریم نے وحی بھیج کر اصلاح فرما دی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اُنہیں کنویں میں پھینک دیا، اُن کے قتل تک جا پہنچے صرف اس لیے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کو زیادہ محبوب ہیں۔ اگر یہ نہیں ہوں گے تو والدِ گرامی کی زیادہ محبت پالیں گے جو اللہ کے پیغمبر تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام بھی ایک پیغمبر ہیں لیکن چونکہ وہ فعل محبتِ پدر میں تھا تو اللہ نے اُن کو توبہ کی توفیق دی۔ اُنہوں نے یعقوب علیہ السلام سے اور یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی اور یوں وہ دو انبیاءؑ کے صحابی بنے۔ ہم جو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شور و غل کرتے ہیں دراصل اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ اگر یہ واقعی محبت میں ہوتا تو ہمیں توبہ کی توفیق مل جاتی۔ یہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے ہمارے نفس کی خواہش ہے، ہم اپنی شہرت کے لیے پیسے خرچ کرتے ہیں، کھیل تماشے کرتے ہیں۔

بہر حال، جب زوجہء مطہرہؓ نے دوسری زوجہء مطہرہؓ سے بات کر دی تو اللہ کریم نے بذریعہء وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات سے آگاہ فرما دیا۔ فرمایا: عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۝۳ انہوں (پیغمبر) نے (اس بی بی کو) کچھ بات تو بتائی اور کچھ نہ بتائی پھر جب انہوں نے اُن کو جتائی تو کہنے لگیں آپ کو یہ کس نے بتایا؟ فرمایا مجھے اُس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن زوجہ مطہرہؓ سے درگزر فرماتے ہوئے اجمالاً جتایا کہ آپؓ نے ایسا کیا ہے ساری تفصیل نہیں فرمائی تو وہؓ بہت حیران ہوئیں کہ انہوںؓ نے تو یہ بات انتہائی سرگوشی میں دوسری زوجہ مطہرہؓ سے کی تھی جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے جان گئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اُس اللہ نے مطلع فرمایا ہے جو ہر بات کا علم رکھتا ہے اور ہر بات سے باخبر ہے۔ فرمایا: اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۔۔۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو بہتر ہے) کہ تمہارے دل مائل ہوئے ہیں۔

فرمایا، آپ کو اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہیے توبہ کرنی چاہیے کہ تمہارے دلوں میں جو بات آئی یہ مناسب نہیں۔ توبہ سے مراد ہے کہ اگر کسی کا حق لے لیا ہے تو اُس کا حق اسے واپس کر کے اللہ سے معافی مانگی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معافی مانگیں اور اللہ کریم سے بھی توبہ کریں اور عہد کریں کہ آئندہ ہم منوانے کی بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں گی۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے خلاف بات کرنا دلوں کے رخ موڑ دیتا ہے۔ فرمایا، آپؓ کے قلوب کا رخ بدل رہا تھا جب آپؓ نے اپنی بات منوانا چاہی لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ صرف آپؓ کے خاوند نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ یہ آپؓ کی نہیں مانیں گے، آپؓ کو ان صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرنا ہوگا کہ آپ ازواج مطہراتؓ ہونے کے ساتھ امتی بھی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون اور مددگار بننا سے مراد:

سارے نیک مومن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مومن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون و مددگار فرمایا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ ہم تو خود ہر لمحہ اللہ کی مدد اور رحمت کے محتاج ہیں۔ فرمایا، جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیتا ہے تو اس نے گویا نفاذِ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی کیونکہ نفاذِ اسلام ہی بعثتِ عالی کا مقصد تھا۔ جو بھی اپنے آپ پر اسلام نافذ کرلے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے تعاون کیا۔ یہ کتنا بڑا شرف ہے، کتنی عظیم سعادت ہے۔

فرمایا: وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ

بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ اور اگر (اسی طرح) تم دونوں ان (پیغمبر) کے مقابلے میں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو) بے شک ان (پیغمبر) کے کارساز اللہ ہیں اور جبرائیلؑ اور ایمان والے نیک بندے اور فرشتے اس کے بعد (آپ کے) معاون ہیں۔

فرمایا، اگر آپ اس رویے پر قائم رہیں یعنی صرف خاوند سمجھ کر مغلوب کرنا چاہیں گی تو یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انسان کو راضی کر کے قوت حاصل نہیں کرنی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا مصدر رضائے باری اور خود ذاتِ باری ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مالک ہے اور ساتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم جبرائیلِ امین علیہ السلام ہیں۔ جس ہستی کے خادم جبرائیلِ امین علیہ السلام ہوں اسے کسی دوسرے کی حمایت کی کیا ضرورت ہوگی!

فرمایا، جبرائیلِ امین علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار خادم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون ہیں اور تمام فرشتے بھی خدمت گار ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کریم خود جس ہستی کا مالک و مددگار ہے اُسے کسی کی مدد یا رضامندی کی کیا ضرورت ہے! یہ نہ سوچا جائے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری بات مانیں۔ افسوس کہ آج ہمارا تو یہ عالم ہے کہ ہم اللہ کریم سے بھی دعا کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ فوراً تعمیل ہو گویا دعا کو حکم سمجھتے ہیں، باادب گزارش نہیں سمجھتے ورنہ ہمیں یہ شکوہ نہ ہوتا کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ دعا حکم نہیں ہے اور نہ یہ کسی کی حیثیت ہے کہ وہ اللہ کو حکم دے۔ دعا تو اللہ کریم سے بات کرنے کا انداز ہے جو اللہ کریم کو بہت پسند ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا:

لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (حدیث تحفۃ الاشراف سے ہے) چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اللہ سے مانگو حتیٰ کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹے تو مانگو۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اللہ مالک ہے۔ جبرائیلِ علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور سارے فرشتے بھی معاون ہیں۔ قیامت تک آنے والے تمام صالح مومن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم و معاون ہیں تو پھر ایسی عظیم ہستی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو تین بندوں کی رضامندی کی کیا ضرورت ہے۔

تنبیہ کے ساتھ ازواجِ مطہراتؓ کی عظمت کی دلیل بھی:

اب اس بات کو اللہ کریم نے مزید آگے بڑھایا اور فرمایا کہ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ

أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَٰتٍ مُّؤْمِنَٰتٍ قَٰنِتَٰتٍ تَٰٓئِبَٰتٍ عَٰبِدَٰتٍ سَٰٓئِحَٰتٍ ثَيِّبَٰتٍ وَأَبْكَارًا۝ اگر وہ (پیغمبر) تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ اُن کا پروردگار تمہارے بدلے اُن کو تم سے بہتر بیبیاں عطا کرے، فرماں بردار، صاحبِ ایمان، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، بن شوہر اور کنواریاں۔

فرمایا، اگر ایسا ہو کہ آپ اس رویے سے توبہ نہ کریں اور یہ چاہیں کہ میاں صرف میری بات مانیں تو اللہ کریم کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے کر فارغ کر دیں گے۔ اللہ قادر ہیں کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہترین بیویاں دے دیں جو فرمانبردار ہوں، بات تسلیم کرنے والی ہوں، ماننے والی ہوں، بات منوانے والی نہ ہوں گی۔ جو ایمان میں کامل اور اطاعت میں بھی کامل ہوں گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا، ہر فرمان کی اطاعت کریں گی۔ اس کے ساتھ وہ توبہ کرنے والی بھی ہوں گی۔

گویا نیک بندہ بھی ہر وقت توبہ کرتا رہے کہ توبہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔ ہماری نیکیاں بھی اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں بارگاہِ الوہیت میں پیش کیا جائے لہٰذا اگر اللہ کریم نیکی کی توفیق دیں تو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ پھر توبہ ہی کرنی چاہیے۔ ہماری نیکیوں کو بھی توبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

ازواجِ مطہراتؓ کی صفاتِ عالیہ:

فرمایا، اللہ کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت گزار، توبہ کرنے والی اور عبادت گزار، روزے رکھنے والی، کنواری اور جو بیوہ یا مطلقہ ہوں ایسی بیویاں دینے پر قادر ہیں۔ صاحبِ تفسیر مظہری قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق نہیں دی اور نہ ہی نیا نکاح فرمایا بلکہ ایک زوجہء مطہرہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو فوراً وحی الٰہی آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق نہیں دے سکتے کہ یہ بکثرت روزے رکھنے والی اور نماز ادا کرنے والی ہیں اور جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہؓ ہوں گی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق نہیں دی یعنی یہ عظمت ہے ازواجِ مطہرات کی! صاحبِ تفسیر مظہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب ازواج مطہراتؓ کا شانہء نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہی رہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مندرجہ بالا تمام صفات جو قرآن نے گنوائی ہیں وہ ساری صفات ازواجِ مطہراتؓ میں موجود ہیں۔ یہ سب اوصاف ہماری امہات المومنین رضی اللہ عنھن کے ہیں۔ ان پر اگر گرفت آئی وہ اُن کی شان کے مطابق تھی۔ نیز انہوں نے یہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا تھا، پھر بھی ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔

ہم الحمد للہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہیں اُن سے محبت کرتے ہیں، درود و سلام بھیجتے ہیں لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں سے اتباعِ رسالت چھوٹے گا، ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ آدابِ بارگاہِ رسالت میں کوتاہی سب کچھ برباد کر دے گی۔

اہلِ خانہ کی دینی تربیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝۶ اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (دوزخ) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جس پر تُند خُو، مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ جو اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

فرمایا، اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ہر اس کام سے بچاؤ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعِ عالی پر ناگوار گزرے ورنہ جہنم کا ایندھن بن جاؤ گے۔ تمہاری اولاد بھی تم سے سیکھے گی اور وہی کام کرے گی۔ تم کیوں اپنے سارے خاندان کو لے کر جہنم میں جاتے ہو؟ اس بارگاہِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ عظمت ہے کہ یہاں دم نہیں مارا جا سکتا کہ یہ اللہ کی محبوب ترین ہستی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ ہے۔ اللہ کی کائنات میں یہ ایسی واحد ہستی ہیں جن سے اللہ کی ساری اطاعت گزار مخلوق محبت کرتی ہے۔ اللہ کے تمام انبیاؑ و رسلؑ محبت کرتے ہیں۔ جبرائیلِ امین علیہ السلام اور تمام فرشتے محبت کرتے ہیں اور اللہ کا ہر نیک صالح بندہ محبت کرتا ہے۔ یہ احساس رکھو کہ وہاں محبت بھی آداب کی پابند ہے اگرچہ محبت و عشق ایک بے باک جذبہ ہوتا ہے لیکن بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بے باکی نہیں چلے گی۔ اگر بے باک ہو گئے تو دوزخ میں چلے جاؤ گے لہٰذا اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ 'اھل' میں وہ افراد شامل ہیں جن کا انتظام صاحب خانہ کے ذمے ہے۔ اُن کا کھانا پینا، لباس، اخراجات وہ اٹھاتا ہے۔ ان افراد کو اس صاحبِ خانہ کے اہلِ بیت کہا جاتا ہے۔

فرمایا، جہاں تم اپنے اہلِ بیت کی دنیوی ضروریات پوری کرتے ہو وہاں اُن کی آخرت کا اہتمام بھی کرو۔ بچوں کو دنیا کی تعلیم دینے کا اہتمام کرتے ہو تو وہاں دین سکھانے کا اہتمام بھی کرو۔ اُنہیں نماز بھی سکھاؤ اور اس کا پابند بناؤ۔ دنیوی تعلیم ضرور دو لیکن دینی تعلیم میں کوتاہی نہ کرو۔ اُن کی عاقبت کی بھی فکر کرو۔ تم دنیا میں اُنہیں بہت نامور، بہت امیر، بہت بڑا عہدیدار دیکھنا چاہتے ہو لیکن اگر آخرت میں وہ جہنم چلے گئے تو دنیا کی کامیابیوں کا کیا فائدہ؟

تم اپنے اہلِ خانہ، بیویوں اور بچوں کی دینی تربیت کا بھی خیال رکھو اکثر خواتین کو دینی مسائل اور احکام کا علم نہیں ہوتا لہٰذا جب وہ جانتی ہی نہیں تو عمل کیا کریں گی۔ فرمایا، جن افرادِ خانہ کی ذمہ داری تم پر ہے یعنی جن کی دنیا کا بوجھ تم پر ہے اُن کے دین کی ذمہ داری بھی تم پر ہے۔ اس کی تم سے باز پرس ہوگی۔ اگر تم نے محنت کی، اپنی سی کوشش کی تو درست لیکن اگر لاپروائی کی تو تم بھی ذمہ دار ہو گے اور تمہیں بھگتنا پڑے گا۔

ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ خانہ ساری عمر اس طرف سے بے پروا بنے رہتے ہیں۔ پھر جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو فکر کرتے ہیں کہ یہ نماز نہیں پڑھتے ان سے پوچھا جائے کہ کیا آپ اس عمر میں نماز پڑھتے تھے؟ کسی بچے کے بارے پوچھیں تو مائیں بہت فخر سے بتاتی ہیں کہ یہ فلاں سکول میں پانچویں جماعت پڑھتا ہے اور انگریزی میں بات کرتا ہے۔ اچھی بات ہے لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ بچے کو کلمہ یا نماز آتی ہے تو سب خاموش ہو جاتی ہیں کہ وہ تو ہمیں نہیں آتی اسے کیا آئے گی؟ فرمایا، اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اس لیے کہ فرمایا: عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ جس پر تُند خُو، مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ جو اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے۔ اس کو بجالاتے ہیں۔

فرمایا، اس پر جو پہرے دار ہیں وہ بہت سخت مزاج اور سخت گیر ہیں جو کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ اُن کا دل منت سماجت سے پسیجتا ہے نہ ہی کوئی اُنہیں رُعب سے ڈرا سکتا ہے۔ وہ بہت طاقتور اور طبیعت کے بہت سخت ہیں۔ اُنہیں جو حکم ملتا ہے اُسے فوراً بجالاتے ہیں اور اللہ کے حکم کی رائی برابر بھی نافرمانی نہیں کرتے۔ جس کے لیے منجانبِ اللہ جو سزا مقرر ہو وہ اُسے پوری پوری دینے میں سرِ مو رورعایت نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ کسی کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہوا ہے اسے ننانوے لگادیں اُسے سو ہی لگائیں گے اور ذرا نرمی نہیں کریں گے، جتنی سختی سے لگانے کا حکم ہے اتنی ہی سختی سے لگائیں گے۔ جس آگ میں کسی کو جلانے کا حکم ہوا اس سے کمتر میں نہیں جلائیں گے۔ اُن پر آہ وزاری اثر کرتی ہے نہ رشوت دے کر یا رعب ڈال کر انہیں نرمی پر مائل کیا جا سکتا ہے۔ سو جہنم میں کوئی چارہ نہیں چلے گا لہٰذا خود کو اور اپنے خاندان والوں کو دوزخ کا ایندھن بننے سے بچاؤ۔

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ اے کافرو! آج کے دن عذر مت کرو۔ یقیناً تم کو اسی کا بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

قیامت کے روز جب دوزخ سامنے ہوگی اور جنت بھی نظر آرہی ہوگی ملائکہ نظر آرہے ہوں گے،

بارگاہِ الٰہی ہوگی اور حساب کتاب ہوگا تو کافر تو عذر کریں گے بہانے بنائیں گے کہ ہمیں تو حق کا پتا ہی نہیں چلا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ آج بہانے نہ کرو تمہارے پاس انبیاؑ آئے تم نے اُن کی پروا نہیں کی۔ اُن پر جو کتابیں نازل کی گئیں تم نے سننے سے انکار کر دیا۔ تمہارے پاس اللہ کی بات سننے اور سمجھنے کی فرصت نہیں تھی تو آج کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ دنیا میں جو کردار تم نے اپنایا تھا اس کا نتیجہ آج بھگتنا پڑے گا۔ کافر تو کفر پر جواز ڈھونڈے گا لیکن مومن کو تو وہاں کوئی بہانہ نہیں ملنا چاہیے کہ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ایمان لایا ہے تو ایمان کا تقاضا اطاعت واتباع ہے۔ زبانی کہہ دینا تو ایک دعویٰ ہے ایمان کی حقیقت اطاعت وعمل ہے۔

سورۃ التحریم رکوع 2 آیات 8 تا 12

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا
يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۸ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا
امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا
فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۱۲

اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارے پروردگار تم سے تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں جاری ہیں۔ اس دن اللہ پیغمبر کو اور جوان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوانہیں کریں گے۔ (بلکہ) ان کا نوران کے آگے اور ان کی

داہنی طرف چل رہا ہوگا۔ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا فرمایئے اور ہمیں معاف فرمایئے بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۸﴾ اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے ﴿۹﴾ اللہ نے کافروں کے لیے نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں تو دونوں نے ان سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ ﴿۱۰﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال ارشاد فرمائی ہے۔ جب انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میرے لیے جنت میں اپنے قرب میں گھر بنایئے اور مجھے فرعون اور اس کے (بُرے) کاموں سے نجات بخشیں اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھے نجات عطا فرمائیں ﴿۱۱﴾ اور (دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریمؑ کی جنہوں نے اپنی آبرو کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو سچ مانتی تھیں اور فرماں برداروں میں سے تھیں ﴿۱۲﴾

تفسیر و معارف

خلوصِ دل سے توبہ:

فرمایا: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔۔۔ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو۔

مومنین سے خطاب ہو رہا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کی اور اگر کوئی کمی رہ گئی تو اس کی خلوصِ دل سے توبہ کرو۔ توبہ سے مراد ہے اپنا کردار بدلو۔ اگر گناہ ہو رہے تھے تو اُن کو ترک کر دو۔ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔۔۔ سے مراد ایسی توبہ ہے جو نصیحت بن جائے۔ توبہ عمل کا نام ہے، انسان کو نصیحت ہو جائے اور وہ آئندہ

زندگی کے لیے اپنا کردار درست کر لے۔ توبہ زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ ایک شخص ذیابیطس کا مریض ہے وہ بد پرہیزی کرتا ہے میٹھا کھا لیتا ہے تو اس کی بیماری بڑھ جاتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے۔ اس کی توبہ کیا ہوگی؟ اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ آئندہ بد پرہیزی نہ کرنے کا عہد کرے۔ اگر وہ محض زبانی توبہ توبہ کہتا رہے ڈاکٹر سے بھی وعدہ کرتا رہے کہ آئندہ محتاط رہے گا لیکن میٹھا کھانا ترک نہیں کرتا تو اس کی بیماری یقیناً بڑھ جائے گی۔

فرمایا، ایسی توبہ کرو جو زندگی کو بدل دے۔ اللہ کریم توبہ قبول فرمانے والے ہیں لیکن اگر کردار میں تبدیلی نہ کرو اور زبانی توبہ توبہ کہتے رہو تو اس توبہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ جس طرح ایمان، عمل کے بغیر بے معنی ہے اسی طرح توبہ بھی کردار کی تبدیلی کے بغیر بے معنی ہے۔ چنانچہ مومنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم اللہ پر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے ہو تو ایمان کا تقاضا ہے کہ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو اور اگر غلطی ہو جائے، اطاعت میں کوتاہی ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کرو، توبہ کرو۔ یہ عہد کرو کہ آئندہ صدقِ دل سے اطاعت کروں گا۔

فرمایا: عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔۔۔ امید ہے کہ تمہارے پروردگار تم سے تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں جاری ہیں۔

فرمایا، اگر ایسی توبہ کرو گے تو اللہ کریم ہیں وہ یقیناً تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ بتقضائے بشریت غلطیاں ہو جاتی ہیں، انسان ارادتاً گناہ کرتا ہے لیکن یہ تمام صورتیں معاف ہو سکتی ہیں اگر تم خلوصِ دل سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لو۔ اللہ کریم تمہارے تمام گناہ معاف کر کے تمہیں اُن باغوں میں، اُن جنتوں میں ابدی ٹھکانہ عطا فرمائیں گے جو سدا بہار ہیں۔ وہاں ہمیشہ بہار ہی رہتی ہے، ہر پھل ہر نعمت ابدی ہے اُن باغوں کے تابع پانی بہتا ہے اور وہاں خزاں کا گزر نہیں۔

معیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

فرمایا: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ۔۔۔ اس دن اللہ پیغمبر کو اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نور، ان کے آگے اور اُن کی داہنی طرف چل رہا ہوگا۔

دنیا میں لوگوں کو عظمتِ رسالت کا حقیقی ادراک نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن اللہ کریم اپنے انبیاؑ کو بہت عزت

عطا فرمائیں گے، اس دن اُنؑ کے مقامات اور عظمتوں کا پتا چلے گا۔ اس دن لوگوں کو پتا چلے گا کہ شانِ رسالت کیا ہوتی ہے جب قربِ الٰہی کی اعلیٰ منازل میں نورانی منبروں پر انبیاؑ جلوہ افروز ہوں گے اور امام الانبیاؑ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے سب سے بلند مقام پر جلوہ افروز ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ اعتراض کرتے ہیں یا خرافات کہتے ہیں اس سے عظمتِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس دن جب سب انسانیت جمع ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ مقام پر انوارات وتجلیات کی بارش میں جلوہ افروز دیکھے گی تو کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی مقام میں کسی طرح کی کوئی کمی ہے۔ یہ عظمت اُن مومنین کو بھی نصیب ہوگی جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوئی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوا۔ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔ اب ساتھ ہونے کا معنی یہ بنتا ہے کہ جن کے دل میں عشقِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوگا جو ظاہری کردار میں بھی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور قلبی، روحانی طور پر بھی برکاتِ نبوت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اُسے کامل معیت نصیب ہوئی اور معیتِ رسالت پناہی بہت بڑی عظمت ہے۔

جن ہستیوں کو مادّی زندگی میں صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی وہ ایک نگاہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ وہ خوش نصیب صحابیت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ اُن کی زندگیاں مجاہدوں میں گزر گئیں لیکن صحابیؓ بننے کے لیے انہوں نے کوئی مجاہدہ نہیں کیا۔ جس کو ایمان لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ نصیب ہوگئی یا جس کی نگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی وہ صحابیؓ ہو گیا یعنی ایک لمحے میں ان منازل پر پہنچ گیا جہاں عمریں لگا کر بھی سوائے صحابیؓ کے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ساری دنیا ولی اللہ بن جائے اور سب کی ولایت جمع کی جائے تو جہاں ولایت کی انتہا ختم ہو جائے وہاں سے تبع تابعین کا درجہ شروع ہوتا ہے۔ جہاں اُن کا مقام ختم ہوتا ہے تو وہاں سے تابعین کے منازل شروع ہوتے ہیں۔ اُن کا مقام جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے صحابیت کی منازل شروع ہوتی ہیں۔ جہاں صحابیت ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت شروع ہوجاتی ہے۔

معیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پناہی بہت بڑی عظمت ہے اور اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا قلبی تعلق، ایسی محبت ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بنا دے۔ محبت تو جذبہ ہی ایسا ہے جو محبوب کا غلام بنا دیتا ہے تابعدار بنا دیتا ہے۔ اس معیتِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور دنیا میں کیسے ہوتا ہے، اس کی مثال ستونِ حنانہ کے حال میں ملتی ہے۔ وہ کھجور کا لکڑی کا تنا جس سے ٹیک لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ ستون دھاڑیں مار کر رویا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوفٹ کی جدائی برداشت نہ کر سکا۔ مولانا رومیؒ نے کیا خوب لکھا ہے:

استن حنانہ در ہجر رسول
زار می نالد چوں ارباب عقول

اس ستون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہ ہوئی اور وہ چیخیں مار کر رو دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے ستونِ حنانہ کے پاس گئے۔اس پر دستِ شفقت پھیرا اسے تسلی دی اور فرمایا کہ تمہیں جنت میں لگا دیا جائے گا۔ایک لکڑی کے ستون کو معیتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی تو اس سے بھی وعدہ ہو گیا کہ اسے جنت کا سدابہار درخت بنا دیا جائے گا تو اس دن اللہ کریم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن کی معیت پانے والوں کو کتنا اعزاز دیں گے!

یہاں یہ بات بہت قابلِ غور ہے کہ معیت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خشک لکڑی کے ستون میں عشق و محبت کے لطیف جذبات پیدا ہو گئے لیکن آج تو زندہ انسان عشق و محبت سے محروم ہیں۔ ہر کوئی دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگا ہے۔انسان کو تو اللہ نے احسن تقویم بنایا ہے اسے ایک حساس دل عطا کیا ہے جس کے جذبات کا نام محبت ہے۔

فرمایا، اللہ کریم اس دن اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت عطا کریں گے کہ اس دن مومن بھی عظمت رسالت کا ادراک کر سکیں گے۔زندگی میں محبت کرنے والے ماننے والے بھی عظمتِ رسالت کی اصل حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے کہ وہ بہت ہی بلند ہے۔کافروں کو بھی سمجھ آ جائے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات اور عظمت کیا ہے۔فرمایا، اُس دن اُن لوگوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انہیں بھی عظمتیں عطا کی جائیں گی اور فرمایا: نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ۔۔۔(بلکہ) اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف چل رہا ہوگا۔

جن لوگوں نے ایمان لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اُن کے چہروں پر اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں بھی نور ہی نور ہوگا۔ یہ نور عقیدے اور عمل کا ہوگا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سامنے کا نور عقیدے کا نور ہوگا یعنی جتنا خالص اور کھرا عقیدہ ہوگا، شرک سے پاک، ٹھوس اور مضبوط ہوگا اتنا سامنے نور ہوگا۔ دائیں ہاتھ پر کردار کا نور ہوگا، اعمال کا نور ہوگا جتنے اعمال، جتنا کردار سنت کے مطابق ہوگا اتنی روشنیاں اُن کے ساتھ چلیں گی۔ وہ اُس دن پکار اُٹھیں گے، فرمایا: يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا فرمائیے اور ہمیں معاف فرمائیے بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ وہ لوگ دعا کریں گے کہ اللہ ہمارے نور کو پورا کر دے، کمال کو پہنچا دے، اسے مکمل

کر دے یعنی جتنا تیری طرف سے عطا ہوسکتا ہے، جتنا ہم سے برداشت ہوسکتا ہے اتنا ہمیں عطا فرما دے۔ وہاں بھی وہ لوگ دعا مانگ رہے ہوں گے۔ اپنی نیکیوں پر فخر نہیں کر رہے ہوں گے، اکڑ نہیں رہے ہوں گے بلکہ اپنی خطائیں یاد ہوں گی اور عرض کریں گے کہ اللہ ہمارا نور پورا کردیں اور **وَاغْفِرْ لَنَا**۔۔۔ ہمیں معاف فرمائیے۔ وہ دنیا میں نیکیاں کرتے رہے، توبہ کرتے رہے اور میدانِ حشر میں بھی یہی دعا کریں گے کہ اللہ! ہماری بھول چوک اور خطائیں معاف فرمادیں کہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اللہ کریم آپ قادرِ مطلق ہیں جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں تو ہم پر رحم فرمائیے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیے اور ہمارے انوارات پورے فرمادیں۔

یاد رہے کہ جو اپنے آپ کو نیک سمجھتا ہے اسے بھی ہر لحہ توبہ کرنی چاہیے کہ ہماری نیکیوں کا وہ معیار نہیں ہوتا کہ وہ بارگاہِ الوہیت میں پیش کی جائیں۔ اگر ہمیں حکمرانِ وقت کو تحفہ دینا پڑے جو ہمارے ہی جیسا انسان ہے، مخلوق ہے تو ہمیں اپنے سارے گھر میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو اس کے شایانِ شان ہو۔ ہم سارا سرمایہ خرچ کرکے بھی سمجھتے ہیں کہ اُن کی شان کے مطابق تحفہ نہیں خرید سکے تو اگر بندوں کا یہ حال ہے تو بارگاہِ الوہیت کی عظمت کہاں اور ہماری عبادات کہاں! اس لیے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔

کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم:

فرمایا: **يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٩** اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

انبیاؑ کی بعثت کی بنیاد دو باتوں پر ہوتی ہے، عقیدہ اور عمل اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو عمل کی بنیاد ہی نہیں اور اگر درست ہے تو پھر خلوص سے عمل کرے تو بات بنتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی پر جن کو اللہ نے ایمان سے مشرف فرمایا وہ صحابیؓ ہو گئے اور جو شرک میں ہی مبتلا رہے اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنے بتوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ مشرکینِ مکہ کے بھی بے شمار فرقے تھے۔ کوئی سورج کو پوجتا تو کوئی ستاروں اور فرشتوں کی پوجا کرتا۔ کوئی آگ کو پوجتا تو کوئی بتوں کو پوجتا اور سب کے اپنے اپنے بت بھی ہوتے تھے۔ کوئی لات کو پوجتا، کوئی عزیٰ کو اور کوئی ھبل کو اور اس کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے بت اپنے لیے بنا رکھے تھے۔ اس عہد میں عیسائی بھی تھے جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان رکھا تھا اور یہودی بھی تھے جو عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ سب اپنے اپنے مذہب پر تھے، اپنا اپنا عقیدہ تھا لیکن عمل کے معاملے میں ان کا ایک ہی اجتماعی نظام تھا۔ اُن کا

سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عدالتی نظام ایک تھا۔ اس لیے اُن سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نیا مذہب لائے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ واحد ولاشریک ہے اور آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں وہ بھی کرتے رہیں لیکن ہمارے نظامِ حیات کو جس میں ہمارا سیاسی نظام، معاشی نظام، تعلیم وتعلم کا نظام، عدالتی نظام ہے آپ اُس معاشرتی ڈھانچے کو نہ چھیڑیں۔ جو قانون اور آئین چل رہا ہے اسے چلنے دیں وہی عدالتی رہیں۔ جو نظامِ معیشت ہے اُسے ویسا ہی رہنے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کفار سے بقائے اسلام نفاذِ اسلام اور اس کافرانہ روش کو بدلنے کے لیے پوری طرح سے محنت کیجیے۔ آج ہم اپنی مسلم ریاستوں کو دیکھیں تو ماسوائے چند عرب ریاستوں کے باقی مسلم ممالک میں سارا نظام کافرانہ ہے۔ عدالتی نظام غیر اسلامی ہے، تعلیمی نظام اسلام سے محروم ہے، سیاسی نظام سرے سے غیر اسلامی ہے اور معاشی نظام کی تو بنیاد ہی سود پر ہے جو اشد کافرانہ نظام ہے۔ اس سب کے ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں! یہ کون سی مسلمانی ہے؟ یہ مسلمانی تو آسان ہے، زبان سے مان لینا اور نمازیں پڑھ لینا آسان ہے، اصل جہاد تو اس کافرانہ نظام سے ہے اور اگر ہم اسی نظام پر مطمئن ہیں تو پھر یہ مسلمانی نہیں منافقت ہے۔ یاد رہے منافق کافر سے بدتر ہوتا ہے۔ ہمارا تو یہ عالم ہے کہ ہمارا سرکاری سطح پر جو نظام ہے وہ کافرانہ ہے انگریز کا دیا ہوا غلامانہ نظام ہے اور ذاتی سطح پر ہم نے بے شمار رسومات ہندوؤں سے لے لی ہیں۔ ہمارے حلیے تک اسلام کے خلاف ہیں اور اس نظام کو کوئی چھوڑنا نہیں چاہتا کہ ہر کوئی اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریاست کے سربراہ بھی تھے اور جہاد کا فیصلہ کرنا سربراہِ ریاست کی ذمہ داری ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے کافروں اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان کے ساتھ سختی کیجیے، کوئی نرمی نہ کیجیے۔

یہاں ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک عرصہء محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید لگائے بیٹھا ہے جبکہ ہماری ساری زندگی اسلامی نظام کے خلاف بسر ہو رہی ہے۔ کس منہ سے ہمیں یہ امید ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم حکم دے رہے ہیں کہ منافقین یعنی ان لوگوں پر جو نظامِ اسلام کو قبول نہیں کرتے سختی کیجیے اور ہم شفاعت کی امید لگائے بیٹھے ہیں!

اصل جہاد تو کافرانہ نظام سے ہے اور عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جتنے غزوات و سرایہ ہوئے وہ مسلمانوں کی طرف سے دفاعی جنگیں تھیں۔ جہاد کے حکم سے مراد یہ نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو تلوار لے کر

محض قتل کرنے لگیں۔ خلافتِ راشدہ میں معلوم دنیا کے تقریباً تین چوتھائی حصوں پر اسلام نافذ ہو گیا تھا۔ وہ بھی سب دفاعی جنگیں تھیں۔ تلوار کی جنگ تو اسلام میں دفاعی جنگ ہے کہ جب کوئی برائی، زیادتی کرتا ہے، اسلامی ریاست پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا دفاع کیا جائے، مقابلہ کیا جائے، جہاد کیا جائے لیکن اصل جنگ اس نظام پر ہوتی ہے جو لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اپنا رکھا ہوتا ہے۔ اگر ہم عرصہ محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی امید رکھتے ہیں تو کم از کم اپنے آپ پر تو اسلام نافذ کر لیں۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس ملک میں اسلام پر عمل سے کوئی نہیں روکتا۔ اگر آپ حرام نہ کھانا چاہیں تو کوئی زبردستی نہیں کھلاتا۔ آپ بینک سے سود نہ لینا چاہیں تو کوئی زبردستی نہیں دیتا۔ آپ کو اذانیں دینے، نمازیں پڑھنے سے روزہ رکھنے، حج کرنے سے کوئی روکتا نہیں ہے۔ سچ کہنے سے، نیکی کرنے سے حسنِ اخلاق سے کوئی نہیں روکتا تو پہلے اپنے وجود کی ریاست پر تو اسلام نافذ کر لو پھر پوری ریاست کی بات کرو۔ ہم خود کو بدلتے نہیں اور نعرے لگاتے رہتے ہیں کہ اسلام نافذ کر دو، نظام بدل دو۔ جب تم اپنے وجود پر نہیں کر سکتے تو دوسرے ملک پر کیسے کر دیں! اُس دن سے ڈرو اور کم از کم اپنے وجود پر تو اسلام نافذ کر لو تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پا جاؤ۔ اگر اس میں نفاق ہو گا تو ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد اور سختی سے پیش آنے کا حکم ہے۔ جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے پیش آئیں گے وہ کفار ہوں گے یا منافقین ہوں گے جن کا انجام دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

انجام کا مدار دلی وابستگی پر ہے:

ہر انسان کو اپنا حساب دینا ہے جیسے کفار کے لیے مثال دی جا رہی ہے کہ اگر وہ کفر پر مصر رہے تو کسی نیک رشتہ دار کی نیکی بچا نہیں سکے گی یا کوئی یہ سمجھے کہ وہ نیکوں کا جانشین ہے اور اسے عمل کی ضرورت نہیں رہی۔ ایسا نہیں ہے۔ فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩

اللہ نے کافروں کے لیے نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں تو دونوں نے اُن سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آئے اور اُن کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارے لیے نوح علیہ السلام کی اہلیہ اور لوط علیہ السلام کی اہلیہ کی مثال بیان کرتا ہوں۔ دونوں نے انبیاؑ کے ساتھ عمر بسر کی اور بظاہر دونوں مسلمان تھیں لیکن دل سے اُن کی ہمدردیاں کفار کے ساتھ

تھیں۔ اگر وہ ظاہراً بھی کفر کا اقرار کرتیں تو پھر تو مومن اور کافر کا نکاح ہی نہیں ہو سکتا۔ نبیؐ کافر عورت سے نکاح کیسے کرے گا تو بظاہر وہ خود کو مسلمان کہتی تھیں اور اُن کو نبیؐ مانتی تھیں کا شانہء نبوت پر عمر بسر کرنے کے باوجود کفار کے ساتھ ہمدردی رکھتی تھیں۔ یہ وہی رویہ ہے جو ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، اللہ کو مانتے ہیں حج کر آتے ہیں لیکن سود کھاتے ہیں، کافرانہ نظام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اربابِ اختیار کو سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ جس کو دیکھیں وہ جمہوریت کی بات کرتا ہے، نظام کو نہیں بدلنا چاہتا اور اس نظام پر سارے متفق ہیں۔ اللہ کے پاس جائیں گے تو برائی اور کفر پر اتفاق کا نتیجہ بھگت لیں گے۔

فرمایا، اُنہوں نے کاشانہء نبوت پر عمر بسر کی یعنی نبیؐ کی خدمت کی، کھانا بنانا وغیرہ کیونکہ نبیؐ کی بیویاں جو تھیں لیکن چونکہ دل کفار کے ساتھ تھے تو انہیں بارگاہِ الوہیت سے کوئی رعایت نہ ملی۔ کفار سے یہ دلی ہمدردی، نبیؐ سے خیانت ہے۔ انہیں حکم ہوگا کہ جن کے ساتھ تمہاری دلی ہمدردیاں تھیں ان کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے لیے کوئی ہلکا جہنم نہیں بنایا گیا بلکہ حکم ہوا کہ جس جہنم میں کافر داخل ہو رہے ہیں تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ۔

یہاں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ انبیاؑ کی بیویاں کافر یعنی ان کے عقیدے میں خرابی ہو سکتی ہے لیکن وہ بدکار نہیں ہو سکتیں۔ وہ ہمیشہ پاکدامن ہوتی ہیں۔ اُن کا ظاہری کردار پاک ہوتا ہے۔ قرآن کا اصول ہے، فرمایا:
اَلۡخَبِيۡثٰتُ لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَالۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ (النور:26)
گندی عورتیں (ہمیشہ) گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

جو گناہ وجود کا حصہ بن جاتے ہیں، سرایت کر جاتے ہیں ایسے گناہ انبیاؑ کی بیویوں میں نہیں ہوتے۔ کفر اور ایمان ایک طاری ہونے والی کیفیت ہے تو کفر طاری ہو جاتا ہے۔ کفر غذا نہیں بنتا وجود کا حصہ نہیں بنتا بلکہ ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اُن میں گناہ طاری ہو سکتا ہے مگر ساری نہیں ہو سکتا۔ وہ بدکار نہیں ہو سکتیں۔ فرمایا، انہوں نے میرے کتنے محبوب، نیک اور مخلص بندوں کے ساتھ عمر بسر کی لیکن اُنؑ سے خیانت کی کہ ظاہراً اُنؑ کی اطاعت اور ہمدردی کرتی رہیں لیکن باطناً کفار سے ہمدردی تھی۔ اس خیانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجام کافروں کے ساتھ ہوا، اسی جہنم میں پھینکی گئیں جس میں کفار پھینکے گئے۔ آج ہم کیسے یہ امید رکھتے ہیں کہ صرف زبانی دعویٰ کر کے، عبادت کر کے بخشے جائیں گے جبکہ ہمارا نظام غیر اسلامی ہو اور ہم اس کی ترویج میں مددگار بنے ہوئے ہوں! اگر ہم سے قومی سطح پر نظام نہیں بدلا جاتا تو اپنے معاملات میں، اپنے آپ پر تو ہم اسلام نافذ کر لیں، حلال کمائیں دیانتداری سے مزدوری کریں، نکاح، طلاق اولاد کی پرورش اسلام کے مطابق کریں۔ اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری بات تو بن گئی لیکن اگر ہم بھی

اسی کافرانہ نظام کو پسند کرتے ہیں تو پھر انجام کافروں کے ساتھ ہوگا۔ یہ نبیؐ سے خیانت ہے۔ ایمان کا تقاضا اپنے آپ کو کُلی طور پر شریعت کے سامنے SURRENDER کر دینا ہے کہ میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ اب صرف وہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ میری رائے، پسند یا مشورہ نہیں رہے گا بلکہ ہر معاملہ جینا مرنا، دوستی دشمنی، خرید وفروخت ہر بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع ہوگی۔ میری مجال نہیں کہ اس میں سرتابی کروں کہ میں صرف اتباع کا پابند ہوں۔ اگر یہ رویہ ہوتو یہ اسلام ہے۔

اب مومنوں کے لیے مثال بیان کی جاتی ہے، فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ اور جولوگ ایمان لائے ہیں ان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال ارشاد فرمائی ہے۔ جب انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میرے لیے جنت میں اپنے قرب میں گھر بنایئے اور مجھے فرعون اور اس کے (بُرے) کاموں سے نجات بخشیں اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھے نجات عطا فرمائیں۔

اللہ کریم نے ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال دی ہے۔ فرعون خدائی کا دعویدار تھا۔ بدترینِ خلائق، انتہائی جابر اور ظالم تھا۔ اس کے کفر کی انتہا یہ تھی کہ خود کو خدا منواتا تھا۔ حضرت آسیہؓ بنت مزاحم کی زندگی فرعون کے ساتھ بسر ہوئی لیکن وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں۔ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا کیسے نصیب ہوا جبکہ وہ فرعون کی بیوی تھیں؟ یہ سوال بہت دلچسپ ہے اور بہت وزنی ہے۔ اللہ کریم کی عطا سے میں جو بات سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ محترمہ نے دریا میں ڈال دیا تو وہ صندوق تیرتا ہوا اس نہر میں چلا گیا جو فرعون کے محلات اور باغات سے گزرتی تھی۔ فرعون کے اہلِ خانہ وہاں غسل اور سیر سپاٹا کرتے تھے۔ شاہی خاندان کے علاوہ کوئی اور وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ جب پانی صندوق کو فرعون کے محل تک لے گیا اور انہوں نے اٹھالیا تو فرعون نے کہا کہ یہ یقیناً اسرائیلیوں کا بچہ ہے جنہوں نے قتل سے بچانے کے لیے دریا میں پھینک دیا ہے لہٰذا اسے قتل کر دینا چاہیے۔ حضرت آسیہؓ کو وہ معصوم سا بچہ پیارا لگا اور فطری مادرانہ جذبے سے مغلوب ہوکر اُنہوں نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ بچہ بہت پیارا ہے، ہوسکتا ہے یہ ہمارے لئے فائدہ مند ہو، ہم اسے بیٹا بنالیں گے، اسے قتل نہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے فطری مادرانہ جذبے سے ہی بچے کو پیار کیا اور اسی جذبے کے تحت محبت کا اظہار کیا تو اللہ نے اُنہیں نورِ ایمان عطا کر دیا۔ اُن کا کردار بدل گیا۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام نے اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا تب تک تو فرعون سے اُن کا نباہ ہوتا رہا اور فرعون کو بھی موسیٰ علیہ السلام سے پیار رہا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اعلانِ نبوت فرمایا تو فرعون مقابلے پر آ گیا۔ حضرت آسیہؓ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت شروع

کر دی۔ ہر کام میں وہ طریقہ اختیار کرتیں جو موسیٰ علیہ السلام کا ہوتا اور فرعون کے قوانین کو رد کر دیتیں تو بات بگڑ گئی۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صرف دل میں نبیؑ کو مانے رہتیں اور اطاعت فرعون کی کرتیں تو بات کہاں بگڑتی۔ بات تو بگڑی ہی تب جب عملی زندگی میں انہوں نے فرعون کا آئین مسترد کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اختیار کر لی۔ کردار پر ہی آ کر جھگڑا ہوا تو وہ فرعون تھا بھڑک اٹھا۔ فرعون بہت جابر تھا بہت عجیب عجیب سزائیں دیتا تھا۔ قرآن میں بھی اُسے میخوں والا کہا گیا ہے کہ وہ زندہ انسانوں کو میخیں گاڑ کر دیواروں میں چنوا دیتا تھا، دھوپ میں درختوں میں چنوا دیتا تھا اور وہ کئی روز تڑپ کر مرتے رہتے تھے۔ اس نے ایک تانبے کی گائے سی بنوائی ہوئی تھی جس میں زندہ انسان کو ڈال کر نیچے آگ جلا دی جاتی تھی۔ وہ تڑپ تڑپ کر چیختا اور جل جل کر مرتا رہتا۔ ایسی عجیب اذیتیں دیتا تھا۔ حضرت آسیہؓ کے ایمان پر فرعون بھڑک اٹھا اور اس نے انہیں سخت سزائیں دینے کی ٹھان لی۔ تب حضرت آسیہؓ نے اپنے اللہ سے بات کی اور پہلے یہ عرض کیا کہ اپنے قرب میں، جنت میں میرا گھر بنا دے، اپنے قریب تر جنت میں مجھے ایک گھر عطا کر دے۔ پھر دوسری بات عرض کی کہ میرے پروردگار میں کمزور ہوں، یہ بہت ظالم ہے اس کی سزائیں بہت سخت ہیں میں برداشت نہ کر پاؤں گی۔ مجھے ان ظالموں کی ایذا سے، فرعون کے ظلم سے نجات دے دے۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراتفسیر، تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں کہ یہ بات ثبوت سے ملتی ہے کہ اللہ کریم نے اُن پر جنت منکشف کر دی اور اُنہیں اُن کا گھر دکھا دیا۔ اُنہیں دکھایا کہ یہ تمہارا گھر ہے۔ آخرت میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہوگا جہاں ازواجِ مطہرات قیام پذیر ہوں گی، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہء اقدس میں تمہیں جگہ دوں گا۔ یہ مشاہدہ اُنہیں دنیا میں کرا دیا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اس سے پہلے کہ فرعون انہیں ایذا دے ان کی روح کو برزخ میں لے آؤ۔ اب جس بدن میں روح نہ رہے اُسے کوئی کیا ایذا دے گا۔ اللہ کریم نے حضرت آسیہؓ کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں کہ آخرت میں اعلیٰ مقامات دنیا میں منکشف کر دیے اور فرعون کی سزا کے حکم پر عمل درآمد ہونے سے پہلے اُن کی روح کو برزخ میں پہنچا دیا، روح قبض فرمالی۔ مومنین کے لیے دوسری مثال حضرت مریم کی ہے۔ فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾ اور (دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریم علیہ السلام کی جنہوں نے اپنی آبرو کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو سچ مانتی تھیں اور فرماں برداروں میں سے تھیں۔

فرمایا، دوسری مثال حضرت مریم کی ہے جن کی عصمت کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ جنہوں نے کما حقہ اپنی آبرو کی حفاظت کی اور وہ ایک باعزت گھرانے کی نیک بچی تھیں جن کی نیکی کے چرچے تھے۔ وہ مسجد کے حجرے میں ایک نبیؑ کے زیرِ کفالت پلی بڑھیں۔ اُن کے لیے یہ کتنا بڑا امتحان تھا کہ بغیر شادی کے اللہ نے اپنی طرف سے روح پھونک

کر ایک بیٹا عطا کر دیا اور حکم دیا کہ اسے لے کر قوم کے پاس جائیں۔ یہ معمولی بات نہیں تھی، معمولی امتحان نہیں تھا لیکن وہ ثابت قدم رہیں اور قوم کی طرف چل دیں۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ جب قوم اعتراض کرے تو اشارہ کر دینا کہ میرا چپ کا روزہ ہے چنانچہ اس بچے سے ہی پوچھ لیں۔ پہلی امتوں میں چپ کا روزہ رکھا جاتا تھا کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک میں بات نہیں کروں گا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نہیں ہے۔ جب حضرت مریم قوم میں واپس آئیں تو وہی ہوا، لوگوں نے کہا کہ یہ تم نے کیا غضب ڈھایا! تمہاری تو ماں بہت پاکباز تھی، باپ بہت نیک تھا اور تمہارا خاندان بہت اعلیٰ تھا تم بغیر شادی کے بیٹا کیسے لے آئی! انہوں نے اشارہ کیا کہ میرا چپ کا روزہ ہے تم بچے سے پوچھ لو۔ وہ کہنے لگے ہم ایک دن کے بچے سے کیا پوچھیں تو عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔

ذرا چشمِ تصور سے دیکھو کہ ایک نوجوان، نیک، اعلیٰ خاندان کی معزز کنواری لڑکی جس کا بغیر شادی کے بچہ ہو گیا اب اُسے حکم ہو رہا ہے کہ بچے کو قوم کے پاس لے جاؤ۔ یہ کام آسان نہیں تھا لیکن انہوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ اُن کا صبر مثالی تھا۔ اُنہوں نے اللہ کی کتابوں کو مانا اور ڈٹ کر اللہ کے ارشادات پر جم گئیں۔ اُنہوں نے کسی کی پروا نہیں کی کہ لوگ کیا کہیں گے، قوم کیا کہے گی یا وہ قتل کر دیں گے، کوئی میری بات سنے گا بھی کہ نہیں ایسا وہم بھی نہیں آیا۔ انہوں نے کسی کی پروا نہیں کی اللہ کے حکم پر عمل کیا۔ یہ ہی اسلام ہے۔ اُنہوں نے ایسی استقامت علی الدین دکھائی کہ اللہ کریم نے قیامت تک اُن کو ایک مثال بنا دیا کہ قرآن میں اُن کا تذکرہ فرمایا اور ان کے نام سے سورت موسوم فرمائی۔ آخرت میں بھی سرفراز اور سربلند ہوں گی۔ اسی طرح حضرت آسیہؓ جو فرعون کے گھر تھیں لیکن ان کا دل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، عمل اُنؑ کے حکم پر کیا تو اللہ کریم نے انہیں دنیا میں جنت دکھا دی اور فرعون کے مظالم سے بچا لیا۔

ایک ضرب المثل:

ہمارے ہاں ایک ضرب المثل ہے ہمارے علاقے میں ایک گاؤں ہے جہاں صرف ایک تالاب تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ اس وقت ٹلکے لگانے کا تصور نہیں تھا۔ اس تالاب کو مختص کر دیا گیا تھا کہ اس کا پانی صرف پینے کے کام لایا جائے گا، اس میں نہانے دھونے کی یا کپڑے دھونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ عام طور پر گاؤں میں دو تالاب ہوتے تھے ایک جانوروں کے لیے کپڑے دھونے، نہانے کے لیے اور ایک پانی پینے کے لیے لیکن اس گاؤں میں ایک ہی تالاب تھا۔ ایک دفعہ گاؤں میں قحط سالی ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ اب تو سب کاموں کے لیے یہی پانی استعمال کرنا پڑے گا تو اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ جھاڑیاں کاٹ کر تالاب کے درمیان باڑ لگا دی جائے۔ ایک طرف کپڑے دھوئے جائیں، جانور پیتے رہیں اور دوسری طرف وہ خود پیتے رہیں۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آئی کہ باڑ لگانے سے

پانی تو تقسیم ہو جائے گا لیکن غلاظت کو نہیں روکا جا سکے گا۔ یہ ہمارے علاقے میں مثال بنی ہوئی ہے کوئی اگر بات سچی کہے مگر کام غلط کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں گاؤں والا تالاب بنایا ہوا ہے۔ ہماری مسلمانی کی مثال اسی تالاب کی سی ہے کہ ہم کلمہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھتے ہیں، عبادت کر لیتے ہیں لیکن ہمارا کردار کافرانہ ہے۔ پھر ہماری عبادت کہاں بچے گی! ہم کہتے ہیں کہ ہم معاشرے کا مقابلہ نہیں کر سکتے کہ ہم نے یہاں زندگی گزارنی ہے۔ یہ کیسی مسلمانی ہے! اسلام اور ایمان تو عملی زندگی کا نام ہے۔

حضرت آسیہؓ بنت مزاحم فرعون کا نظام تو نہیں بدل پائی تھیں لیکن خود نظامِ موسیٰ علیہ السلام پر قائم ہو گئیں تھیں۔ حضرت مریم کو اللہ کریم نے بغیر شادی کے اپنے حکم سے بیٹا عطا فرمایا اور پھر حکم دیا کہ اُسے قوم کے پاس لے جائیں تو وہ کمالِ جرأت سے اطاعت پر قائم رہیں۔ دوسری طرف انبیاؑ کی بیویاں بظاہر نمازیں پڑھتی تھیں لیکن دل سے کافرانہ نظام کی حمایت کرتی تھیں۔ سب نے اپنا انجام پایا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عبادات سے لے کر کردار تک پوری کوشش سے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت میں ڈھالا جائے، عملی تبدیلی لائی جائے۔ اپنی پوری محنت سے یہ کام کیا جائے تو یہ ملک میں نفاذِ اسلام کا سبب بنے گا۔ پہلے اپنے آپ پر اسلام نافذ کریں پھر دوسرے کی بات کریں۔ اگر اپنے کردار کو اسلام کے مطابق ڈھال لو گے تو ملک پر نافذ نہ بھی ہو سکا تو کم از کم تمہاری نجات کا سبب بن جائے گا، تم سرخرو ہو جاؤ گے۔ اللہ کریم توفیق دیں تو اسلام کو اپنے عمل سے اپناؤ، اتباعِ رسالت پر جان جاتی ہے چلی جائے لیکن دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے نہ جانے پائے تو پھر بات بنے گی۔

Ph: 0543-562200
Fax: 0543-562196
EMAIL: darulirfan@gmail.com
WEBSITE: www.ozisheikh.org